شعاعِ غفرانمآبؒ

(آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ)

مرتبہ سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

http://www.slideshare.net/changezi
http://alinaqinaqvi.blogspot.in/
http://youtube.com/user/mahakavi

شعاعِ غفرانمآبی

زیر نگرانی حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی مہدی مہدوی پور

نمائندۂ رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

مرتبۂ

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی مدیر ماہنامہ شعاع عمل لکھنؤ

فہرست

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	پیش لفظ	سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	۴
۲	مجدد شریعت محی الملت حضرت غفرانمآبؒ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۶
۳	آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۳۴
۴	سلسلۂ نسل غفرانمآبؒ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۴۸
۵	سید دلدار علی غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۹۰
۶	حضرت غفرانمآبؒ	زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ	۹۹
۷	خصائص علویہ	زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ	۱۹۷
۸	غفرانمآبؒ ایک فلسفی کی نظر میں	مولانا شیخ محمد مصطفیٰ صاحب، پٹنہ	۲۰۷
۹	آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ	علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ، پاکستان	۲۱۰
۱۰	آقا السید دلدار علی المعروف بہ غفرانمآبؒ	مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	۲۱۶
۱۱	ہندوستان کی پہلی مسند اجتہاد اور شیعوں کی۔۔۔	مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	۲۴۲
۱۲	حضرت غفرانمآبؒ اور شیعہ سماج کی تشکیل	مولانا سعید اختر رضوی صاحب، گوپالپوری	۲۴۹
۱۳	حسینیۂ مجدد شریعت حضرت غفرانمآبؒ	مولانا سید علی داور صاحب قبلہ	۲۵۴
۱۴	حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ	زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ	۲۶۱
۱۵	حسینیۂ غفرانمآبؒ کے عہد بہ عہد حالات	مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی	۲۶۸
۱۶	الوصیۃ والنصیحۃ	آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ	۳۰۱
۱۷	تذکرۂ فرزندانِ غفرانمآبؒ	مولانا محمد جواد صاحب قبلہ	۳۳۴
۱۸	سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی	۳۵۵

۱۹	آیۃ اللہ العظمیٰ سلطان العلماء سید محمد بن غفرانمآبؒ	علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ، پاکستان	۳۷۲
۲۰	سلطان العلماء سمیٔ ختم رسل قبلۂ ملک آداب	فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی	۳۷۴
۲۱	آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد بن غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۳۹۴
۲۲	آیۃ اللہ سید علی بن حضرت غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۴۰۸
۲۳	آیۃ اللہ سید حسن بن حضرت غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۴۱۲
۲۴	آیۃ اللہ سید مہدی بن حضرت غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۴۱۵
۲۵	سید العلماء سید حسین علیین مکان بن غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۴۱۷
۲۶	سید العلماء سید حسین علیہ الرحمہ	مولانا گلاب علی شاہ بخاری	۴۳۵

منظومات

۲۷	قصیدہ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ سیدؔ	۴۷۱
۲۸	خاندانِ اجتہاد	امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی	۴۷۶
۲۹	ہندی موسیٰ	ابو المعارف مولانا دلدار علی نقوی رازؔ اجتہادی	۴۹۷
۳۰	غفرانمآبؒ	قائم مہدی نقوی تہذیب نگروری	۵۰۹
۳۱	استاد ہر استاد	جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمرؔ لکھنوی	۵۱۰
۳۲	سید دلدار علی نقوی غفرانمآبؒ	مولانا الحاج مرزا جعفر علی فصیحؔ	۵۱۶
۳۳	حضرت غفرانمآبؒ	علامہ شاہ حسین مرزا صفوی طوسی	۵۱۷
۳۴	رہنمائے حق	جناب محشرؔ لکھنوی صاحب	۵۱۸
۳۵	ناخدائے ملت	جناب آل محمد نقوی مہرؔ جائسی	۵۲۱
۳۶	روحِ اجتہاد	مولانا سید علی یاور صدرؔ اجتہادی	۵۲۲
۳۷	سید المصلحین حضرت غفرانمآبؒ	تنویر نگروری، لکھنؤ	۵۲۴
۳۸	حسینیۂ غفرانمآبؒ	مولانا مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ	۵۲۶
۳۹	حسینیۂ غفرانمآبؒ	لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی	۵۲۷

پیش لفظ

علم وادب کی دنیا میں ’ماہنامہ‘ کی اپنی ابلاغی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ ’جلد بازی کے ادب‘ صحافت میں ایک حد تک استقامت کا رنگ بھر کر اسے علمی وادبی متانت کا قابل توجہ بنا دیتا ہے اور ’کتابی‘ انداز کی پذیرائی اور یادگاری کے قریب تر کر دیتا ہے۔ کچھ یہی وجہ ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں علمی وسائنسی تحقیقی مجلوں میں ماہنامہ کا غلبہ قائم ہے۔ ایسے مجلّے عموماً اختصاصی ہو گئے ہیں اور اپنے معیار ومقدار کے لحاظ سے بڑے معتبر وموقر ہو چکے ہیں۔

دینی وملی ماہنامہ جو بنیادی طور پر اختصاصی ہوتے ہیں، ان کی بھی اپنی روایت رہی ہے اور اپنا خاص مقام۔ اردو زبان میں برصغیر ہند میں ایسے ماہناموں کی تاریخ قدیم بھی ہے اور درخشاں بھی۔

ماہنامہ ’شعاع عمل‘ ایسے ماہناموں کی صف میں شامل ہونے والا نسبتاً تازہ اضافہ ہے۔ پھر بھی یہ اپنی اشاعت کی ’صدی‘ مکمل کر چکا ہے اور ’عشرہ‘ کی تکمیل کی طرف اپنے استقلال کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اس ’کم عمری‘ میں اپنے نمود اور بلوغ نظر کے جھنڈے گاڑ چکا ہے۔ ساتھ ہی کئی جہات سے اپنے امتیازات اور خصوصیات ثبت کر چکا ہے۔ ان خصوصیات میں ’شعاعِ عمل‘ کا ’ہمزاد مجلہ (سالنامہ)‘ خاندانِ اجتہاد نمبر‘ بھی شریک وسہیم رہا ہے۔ ’شعاع عمل‘ اور ’خاندان اجتہاد نمبر‘ میں ابتدا سے معیاری علمی وتحقیقی مشمولات کے ساتھ ’یادگاری‘ کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ علم وقلم کی نوابغ روزگار ہستیوں کے یادگار زمانہ مضامین کے ساتھ ان کا ہر شمارہ یادگار اور قابل قدر ہوا اور مقبول عوام وخواص بھی۔ اسی یادگاری کے عنصر کے پیش نظر ان کے مطبوعہ ومطبوع عام معیاری مضامین کو موضوعاتی تقسیم سے ترتیب دے کر کتابی شکل میں علٰیحدہ علٰیحدہ پھر سے شائع کئے جا رہے ہیں۔

زیر نظر پیش کش مذکورۂ بالا سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو حضرت غفرانمآبؒ اور ان کے فخر اب وجدؒ پانچوں اخلاف الصدق کو معنون ہے۔

حضرت غفرانمآبؒ ان گنی چنی ہستیوں میں ہیں جن کو نہ اپنے زمانہ میں، نہ ہی بعد کے کسی دور میں کسی تعارف کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ برصغیر ہند کے پہلے مجتہد ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے قلم وقدم سے ہندوستان میں اصول اور 'اجتہاد' کی بنیاد قائم کرنے والے اور اس کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرنے والے ہیں۔ آپ اپنے علمی مجاہدات، اور اصلاحی اقدامات اور قائدانہ سرگرمیوں سے محیٔ دین، مصلح قوم، انقلاب انداز مفکر، اجتہادی اسکول کے بانی، تدریس وتعلیم کے فروغ کو سمت دینے والے ہیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آپ عمادالاسلام جیسی لاجواب و یادگار نگارش کے باوقار قلمکار ہیں۔ ساتھ ہی شیعہ قوم کے تشخص ساز رہبر بھی ہیں۔ لکھنؤ میں شیعہ جمعہ و جماعت کے بانی و امام ہیں۔ 'بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے' کی مصداق آپ کے سبھی بیٹے بیٹیاں نمایاں عالم وفقیہ ہیں اور سبھی امتیازات کے حامل ہوئے۔ آپ کے اور آپ کے پانچوں یادگارِ زمانہ اخلاف الصدق کی حیات وآثار زیر نظر مجموعہ کا موضوع ہے۔ اس کے سارے مضامین قابل قدر صاحبان قلم کے قلمی شاہکار ہیں۔

ہماری موجودہ پیش کش کی ترتیب واشاعت عظیم المرتبت حجۃ الاسلام آقائی مہدی مہدوی پور، نمائندہ رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہما العالی کی گراں قدر تحریک وترغیب ومعاونت و سرپرستی کی رہین منت ہے جس کے لئے ہم صمیم قلب سے ان گرامی وسامی حضرات کے انتہائی ممنون ومتشکر ہیں۔ ہم بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہیں کہ ان حضرات کا بابرکت سایہ تادیر قائم رہے اور ان کے دنیوی واخروی اقبال وشان میں مسلسل ترقی ہوتی رہے۔

امید ہے، ہمارے اہل ذوق ونظر قارئین کرام ہماری اس پیش کش کو بھی شرف قبولیت اور ہمیں اپنے مفید آرا سے سے نوازیں گے۔

۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ، مطابق ۱ر فروری ۲۰۱۴ء — **سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی**

❁ ❁ ❁

مجدد الشریعة محیی الملة

حضرت غفرانمآب طاب ثراہ

(جنھوں نے مذہب شیعہ اثنا عشری ہندوستان میں رائج فرمایا!)

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

اہل زمانہ کی علم سے بے توجہی اور اس کے پر فضا باغ سے روگردانی کا کون احساس نہیں کر رہا ہے۔ دنیا نئی روشنی پر مائل ہوتے ہوئے پرانے خیالات کو اپنے دل سے نکال رہی ہے یہاں تک کہ ایک وقت وہ نظر آ رہا ہے کہ شیعوں کی کسی فرد کے سامنے اگر کسی رہنمائے دین کا نام بھی لیا جائے تو شاید وہ اس کو اجنبی سمجھ کے سنے اور پہچان نہ سکے ایسے وقت میں میرے خیال میں ہر واقف کار کا فرض ہے کہ وہ رہنمایان دین کے علمی کارناموں کو جہاں تک علم ہو قوم کے سامنے پیش کرے تا کہ افراد قوم اپنے مجددان شریعت کو بھولنے نہ پائیں پرانے تذکرے اگرچہ تقویم پارینہ کہنے کے قابل ہیں جس سے فطرۃً دلچسپی نہیں ہوتی مگر فائدے سے خالی نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پرانے قصۂ نوح و سلیمان و موسیٰ و عیسیٰ کے واقعات قرآن مجید میں کیوں مندرج ہوتے وہ فائدہ یہی کیوں نہ سہی کہ موجودین کو اپنے سابقین کے کارنامے دیکھکر غیرت ہی آئے۔ یہی سہی کہ دنیا اپنے گذشتہ بزرگوں کو بھولنے نہ پائے یہی کہ ان کے عادات و اخلاق کے تذکرے شاید باعث ہدایت ہوں۔ انہیں امور پر نظر کرتے ہوئے میں نے بھی قصد کیا ہے کہ ناظرین ''مبلغ'' کو اس مقدس خاندان کے حالات سے مطلع کروں اس لئے کہ ہندوستان میں علم و معرفت کے جو جھنڈے قائم ہوئے ہیں وہ اسی خاندان کے باہمت افراد کی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور جتنی روشنی علم دین کی اقطار ہند میں ہے وہ اسی سماء ہدایت کے شموس و اقمار کی ضیا ہے۔ پہلے اس سلسلۂ اجتہاد کی پہلی فرد کے حالات سے ابتدا کرتے ہیں۔ پھر اگر صحت و فرصت نے اجازت دی تو اس سلسلے کو آخر تک پہونچانے کا ارادہ ہے۔

''انشاءاللہ''

مجدد ثانیہ عشر حضرت غفرانمآب طاب ثراہ

اصلی نام سید علی تھا اور معروف بسید دلدار علی تھے۔ سادات نقویہ کے حسیب ونسب خاندان سے تھے۔

سلسلۂ نسب

استاذ الکل فی الکل حضرت علامہ سید علی بن سید محمد معین بن سید عبد الہادی بن سید ابراہیم بن سید طالب بن سید مصطفی بن سید محمود بن سید ابراہیم بن سید جلال الدین بن سید زکریا بن سید خضر بن سید تاج الدین بن سید نصیر الدین بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن سید شرف الدین بن سید نجم الدین سبزواری جائسی بن سید علی بن سید ابوعلی بن سید ابوعلی محمد بن ابوطالب حمزہ بن سید محمد سید طاہر بن جعفر تواب ابن امام عاشر حضرت علی نقی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

یہ تمام اجداد امجاد جو مذکور ہوئے ارباب شرف ومنزلت وشجاعت تھے من جملہ ان کے جناب سید نجم الدین سبز واری مرحوم امرائے سلاطین غزنویہ سے تھے بغرض نصرت سالار مسعود غازی سبزوار سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور قلعہ ودیانگر کو مسخر کر کے اس کا نام جائے عیش رکھا جو فی زمانناکثرت استعمال سے جائس مشہور ہے اور سید زکریا نے قصبہ پٹاک پور پر قبضہ کیا اور اپنے جد اعلیٰ سید نصیر الدین کے نام سے نصیر آباد نام رکھا جو جناب غفرانمآب طاب ثراہ کا مولد اور سادات نقویہ کا مسکن ہے۔

ولادت

جناب کی ولادت کا فخر صوبۂ متحدہ کے ایک چھوٹے سے قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی کو حاصل ہے تاریخ ولادت میں فی الجملہ اختلاف ہے بعض حسابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ولادت ۱۱۶۱ھ تھا۔ مگر صاحب تذکرۃ العلماء نے لکھا ہے کہ میں نے خود جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کے قلم

سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ میرے والد ماجد جناب سید محمد معینؒ نے تقریباً ۱۱۹۱ء میں بعمر تہتر سال انتقال فرمایا اور میری ولادت کے وقت جناب مرحوم کا سن شریف اڑتالیس سال کا تھا۔ اس کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ جناب تقریباً ۱۱۶۶ھ میں متولد ہوئے تھے اور اکثر تذکروں میں سال ولادت جناب کا یہی ۱۱۶۶ھ مندرج ہے۔ شب ولادت شب جمعہ تھی دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ بوقت ولادت ایک ایسا نور ساطع ہوا جس سے تمام مکان منور ہو گیا۔

کمسنی کا عہد اور وطن کی زندگی

ابتدائے سن میں اپنے وطن نصیر آباد ہی میں قیام تھا۔ قصبہ میں وارد ہونے کے بعد آباؤ اجداد کا شغل چونکہ زمینداری تھا لہٰذا آپ بھی اکثر بیرون آبادی ایک باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک درخت کے قریب کھڑے ہوئے تھے کہ آواز آئی جس کا حاصل یہ تھا کہ دلدار علی جاؤ تحصیل علم کو۔ ناچیز نے خوش قسمتی سے خود اس محل شریف کی زیارت کی ہے جہاں کا یہ واقعہ ہے اس آواز کے سنتے ہی جناب مغفور نے کمر اپنی تحصیل علم وکمال پر چست باندھ لی اور صعوبات سفر برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ابتدائے تحصیل علم

اس آواز کو سنتے ہی یہ مجدد ملت اکتساب علم کے لئے اعزاء اقرباء سے مفارقت کر کے وطن سے نکل آئے۔ افاضل ہندوستان سے علوم معقول کی تحصیل کے لئے دور دراز مقامات کا سفر کیا حق یہ ہے کہ جناب مرحوم نے اکتساب علوم میں وہ جانفشانی کی کہ جو طاقت بشری سے خارج تھی صرف تائید غیبی اور اس آواز کا پر جوش اثر تھا جس نے ہر موقع پر ہمت کو بڑھایا۔

صوبہ متحدہ تو کیا ہندوستان بھر میں کوئی ریلوے ٹرین کا نام بھی نہ جانتا تھا۔ نہ آلات تھے نہ مشین نہ تار گھر نہ ڈاک کہ اہل وطن کی خیر و عافیت ہی معلوم ہو سکتی نہ کوئی دستگیر سوائے تائید الٰہی کے اور پھر اس پریشانی کی حالت میں افاضل عصر سے مکالمہ ومباحثہ کرنا آسان امر نہ تھا اسی زمانۂ طالب علمی

میں دور دراز مقامات کا سفر کرتے ہوئے شاہجہاں آباد پہونچے وہاں مولوی عبد العلی سے (جو اہلسنت کے تبحر عالم تھے بالخصوص علوم عقلیہ میں) مباحثہ ہوا اور اسی شہر کی مسجد جامع میں مولوی حسن صاحب سے معقولی مباحثہ ہوا اور ایسے دندان شکن ومسکت جواب دیئے کہ مولوی صاحب مذکور کو سکوت کرنا پڑا جناب مرحوم نے الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی حیدر آبادی سے درسی کتابیں پڑھیں اور مولوی حیدر علی سندیلوی خلف ملا حمد اللہ سندیلوی طاب ثراہ سے شرح سلّم حمد اللہ پڑھی اور رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے اکثر درسیات پڑھے یہاں تک کہ علوم عقلیہ میں دستگاہ کامل حاصل ہوگئی۔

سفر عراق اور تکمیل علم

جب ہندوستان میں معقولات کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو تکمیل کے لئے عراق کی جانب متوجہ ہوئے ۱۱۹۳ھ میں سفر عتبات عالیات کیا وہ وقت ایسا تھا کہ سفر عراق میں وہ سہولتیں نہ تھیں جو اس وقت موجود ہیں بلکہ بکثرت خدشات اور بحر و بر دونوں کے غیر مطمئن ہونے سے سفر آخرت کا مزا ملتا تھا۔ اس زمانے کے تیز رفتار اور راحت رساں جہاز نہ تھے یہ اسباب آسانی موجود نہ تھے جو اب ہیں۔ مگر یہ وہ باہمت ہستی تھی جس نے نہایت استقلال اور پامردی سے بمفاد ؎

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان شورافزا

دل افگندم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

اپنی کشتئ ہمت دریائے سعی میں ڈالدی خدا نے مدد کی ولولہ دل نے رہبری کی جذب شوق نے کھینچا یہاں تک کہ منزل مقصد تک پہونچ گئے۔ مقامات مقدسہ پر پہونچ کے سعی، کوشش تحصیل علم میں بڑھ گئی زیارات مشاہد مقدسہ کے بعد علمائے کرام سے ملاقات کی اور جناب سرکار آقا محمد باقر بہبہانی طاب ثراہ سے استبصار اور خود انہیں کی کتاب فوائد حائریہ کا درس شروع کیا اور کچھ حصہ ریاض المسائل یعنی شرح کبیر کا خود اس کے مصنف سرکار آقا سید علی طباطبائی سے پڑھا اس زمانہ میں جناب

بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی حجاز میں تھے اور ابھی تک اپنے وطن مالوف نجف اشرف میں واپس نہ آئے تھے اور جناب غفرانمآبؒ اگر چہ اساتذۂ کربلائے معلیٰ سے تحصیل علم کر رہے تھے۔ مگر چونکہ اکثر علماء و فضلاء کی زبان پر جناب بحر العلوم کی جلالت علمی کا تذکرہ سنا تھا ان کی خدمت میں استفادہ کے زائد مشتاق تھے یہاں تک کہ جب جناب بحر العلوم نجف اشرف میں واپس آئے تو غفرانمآبؒ کربلائے معلیٰ سے روانہ ہوئے اور ان سے استفادۂ علوم کے لئے نجف اشرف تشریف لائے دروازۂ باب مدینہ علم پر آ کر فیوض علمیہ سے مالال ہونے لگے اور تحصیل علم جناب بحر العلوم کی خدمت میں شروع کی خود فرماتے ہیں کہ **وجدت فوق ما سمعته واضعافه ما وصفه الواصفون** میں نے ان کو جتنا سنا تھا اس سے بدرجہا بالاتر پایا۔ جناب مغفور نے ان کی مجلس درس میں وافی اور معالم کو پڑھا اور اگر چہ زمانہ استفادہ ان کی درس میں کم رہا مگر فیوض جناب مغفور سے بہت پہونچے اور کربلائے معلیٰ میں آقا سید محمد مہدی شہرستانی سے بھی کچھ تحصیل علم کی تھی اس کے بعد مراجعت وطن کے قصد سے کربلائے معلیٰ سے حرکت کی اور کاظمین شریفین زیارت کے لئے آئے جناب بحر العلومؒ بھی اس زمانہ میں کاظمین میں مقیم تھے اور سامرہ تشریف لے جانے کے عزم میں تھے۔ جناب مغفور کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا اس لئے کہ وہ ایک ایک دن کو جو تحصیل علم میں صرف ہو بہت گرانقدر سمجھتے تھے اور اس چند دن کے سفر کو بھی استفادہ و استفاضہ سے خالی نہ رکھا اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس تشریف لے گئے اور زیارت مشہد حضرت امام رضاؑ سے مشرف ہوئے اس زمانہ میں جناب سرکار آقا محمد مہدی بن ہدایت اللہ اصفہانی شہید رابع طاب ثراہ اسی محل میں قیام پذیر تھے۔ جناب غفرانمآبؒ ان کی خدمت میں گئے اور استفادہ کیا یہ زمانہ اور آخر موسم خریف اور ابتدائے زمانہ سرما کا تھا اور اس زمانہ میں سفر کرنا ان اطراف میں غرباء کے لئے بہت سخت و دشوار اور تکلیف دہ تھا لہٰذا جناب کو کچھ زمانے کے لئے وہاں قیام کرنا پڑا اور ہر روز جب زیارت روضہ رضویہ سے مشرف ہوتے تھے تو اس کے بعد خدمت میں جناب استاذ علام کے حاضر ہوتے تھے

یہاں تک کہ اکثر علوم کی تکمیل جناب موصوف سے فرمائی۔ جب زمانہ سرما ختم ہوا اور ہوا معتدل ہوئی تو اپنے استاد ممدوح سے رخصت ہونے کے لئے گئے تو موصوف نے اپنے دست مبارک سے ایک کتاب پر ایک مختصر سا اجازۂ اجتہاد جناب غفرانمآبؒ کے لئے تحریر فرما کے مرحمت کیا۔ اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ ان سے رخصت ہو کے صعوبات سفر برداشت کرتے ہوئے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ حالات ہیں کہ خود جناب مغفور نے اس اجازہ میں جو جناب سلطان العلماءؒ کو دیا ہے تحریر فرمائے ہیں۔ نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں مرحوم (وزیر اعظم) کے مساعی جمیلہ اور زبان کے پر اثر مواعظ اور سب سے بڑھ کے توفیق ایز دی کا نتیجہ تھا کہ جناب غفرانمآب طاب ثراہ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ سلطنت کی جانب سے جب مجھ سے نماز جماعت کی خواہش ہوئی تو پہلے میں نے عذر کیا چند وجوہ سے (۱) یہ کہ یہ منصب نہایت جلیل ہے اور میں اس مرتبہ کے قابل اپنی ذات کو نہیں سمجھتا (۲) یہ کہ اس طرح جمعہ و جماعت کبھی زمانۂ سابق میں سبب تسلط مخالفین کے نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کے ہونے میں نکتہ چینی اور استعجاب کا خوف تھا۔ (۳) خیال تھا کہ شاید بعض مخالفین اس میں کچھ دراندازی کریں لیکن جب میں نے دیکھا کہ نیت محرک کی خالص ہے اور ان کی ہمت اعلاء کلمۃ الایمان کی طرف منعطف ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ میں نے مخالفین کی کمزوری اور ان کے ارکان کے تزلزل کا احساس کیا تو مجھے جناب رب العزت سے خوف ہوا کہ بعد عذر تمام ہو جانے کے اس امر خیر میں تساہل کرنے سے مجھ سے مواخذہ نہ کرے۔ لہٰذا میں نے التماس کو منظور کیا اور ایک رسالہ بھی لکھا جس میں احادیث و آیات سے فضیلت نماز جماعت کو ثابت کیا تھا۔ بہر حال فضل خداوندی اور برکت وجود جناب غفرانمآب طاب ثراہ سے لکھنؤ میں نماز جماعت کی بنیاد پڑ گئی اور نماز ظہرین ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ روز جمعہ کو نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خان ناظم الملک ظفر جنگ وزیر الملک کے قصر میں ہوئی۔ جس میں جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے امامت جماعت فرمائی اور روز مبعث ۲۷/رجب ۱۲۰۰ھ نماز جمعہ پڑھائی اس کے بعد سے سلسلہ جمعہ و

جماعت کا قائم ہو گیا۔

موعظہ وارشاد

جب نماز جمعہ و جماعت کا سلسلہ جاری ہو گیا تو جناب غفرانمآبؒ نے شیعوں کی مذہبی کمزوری اور احکام شرعیہ سے ناواقفیت کو دیکھتے ہوئے اس امر کی سخت ضرورت محسوس کی کہ ان کے موعظۂ حسنہ سے ہدایت کی جائے چنانچہ ہر جمعہ کو بعد نماز موعظہ کا بھی سلسلہ قائم ہوا جس میں حسب ضرورت اوامر و نواہی اور مسائل اصولیہ وفروعیہ کا تذکرہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ان ہی موعظہ کے مجموعہ کا کلام مواعظ حسنہ ہے جو بعض مخلصین نے جمع کر لئے تھے۔

مجالس وعظ میں خود جناب نواب آصف الدولہ مرحوم بھی شرکت فرماتے تھے اور جناب غفرانمآبؒ کبھی امور حق میں جلالت شاہی سے متاثر نہیں ہوئے اور نہ کبھی اعلائے کلمۂ حق میں کسی کی پرواہ کی۔

لا یخافون لومة لائم کو عملاً ثابت کر دیا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ صحبت وعظ میں نواب صاحب مرحوم موجود تھے اور جناب وعظ کہنے کے لئے منبر پر تشریف لے گئے نواب حسن رضا خاں مرحوم نے کان میں سرگوشی کی کہ جناب جو چاہیں بیان فرمائیں مگر بھنگ نوشی کی مذمت نہ کریں نواب صاحب اس کی جانب راغب ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششیں بے سود ہو جائیں یہ سن کے آپ نے فرمایا کہ آج ہی تو اس کا موقع ہے اور ایسی عبرت خیز تقریر فرمائی کہ نواب صاحب لرزہ براندام ہو کر کھڑے ہوئے اور تمام حضار سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمام مومنین گواہ رہیں کہ جناب ہادئ دین کی نصیحت سے متاثر ہو کر میں آج سے بھنگ نوشی سے توبہ کرتا ہوں، ہلاک بھی ہو جاؤں گا تو نہ پیوں گا۔ یہ بھی شان موعظہ اور اسی خلوص کا اثر تھا کہ دلوں میں نور ایمان پیدا کر دیا اور اسلام کے شجر کو دنیا میں ایسا مضبوط قائم کر دیا کہ شبہات کی تیز و تند ہوائیں اس کو نہیں اکھاڑ سکتیں۔

تبلیغ شریعت

ہندوستان میں کفر والحاد کی بادِ سموم چل رہی تھی اور بدعتوں کے صاعقے گر گر کے کشت ایمان کو جلا رہے تھے۔ اور فسق و فجور کے سیلاب طوفان نوح کی طرح اسلامی بیڑے کو تباہ کرر ہے تھے کہ یہ ناخدائے سفینۂ ملت خدا کا نام لے کے حفاظت شریعت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کمر ہمت مستحکم باندھ کے یہ قصد کرلیا کہ جان جائے مگر شجر ایمان سر سبز و شاداب ہو کے رہے تبلیغ اسلام میں کوششیں کیں۔ ہدایت خلق میں اپنے نفس کو نفس نہ سمجھے شب و روز کے تمام اوقات اپنے دین خدا اور شریعت اسلام کی حمایت میں صرف کئے۔ جب نیت خالص ہوتی ہے تو خدا کوشش میں برکت عطا کرتا ہے۔ ایک حد تک بلکہ بہت زیادہ اپنے مساعی میں کامیاب ہوئے اور دین خدا کا پرچم فضائے ہند پر لہرانے لگا۔ کب اسلام حقیقی ہند میں تھا اور کون نماز جماعت کو جانتا تھا اور کون اپنے عقائد ضروریہ سے واقف تھا۔ کچھ بھی نہ تھا ایک تاریکی تھی جو جہالت کی گھنگھور گھٹا کی طرح افق ہدایت پر چھائی ہوئی تھی۔ اس نور خدا نے ظاہر ہو کے اپنی خداداد ہدایت کی شعاؤں سے اس تاریکی کو دفع کیا۔ مختلف طریقے ہدایت کے اختیار کئے۔ قانون الٰہی (قرآن مجید) اور احادیث رسولؐ کے تعلیمات کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہدایت خلق کی اور صفحہ ہندوستان پر ایمانداری کے نقش کو ابھار دیا خود ایک موقع پر اپنے مساعی جمیلہ اور تبلیغی کوششوں کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔

''میں نے اپنی کوششیں اظہار مشاعر اسلام میں صرف کیں اور سر و اعلان میں عقائد حقہ کی طرف دعوت دی۔ کبھی میں نے ان کو دعوت دی اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ سے نبی و ائمہ کی تاسی میں (ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنه) اور کبھی مجادلہ کیا امر اقدس الٰہی کے لئے (وجادلهم بالتی هی احسن) تو خدا کا شکر جس نے میرے بوئے ہوئے درخت میں نمو عطا کیا اور اس کا ثمرہ اپنے حد کمال تک پہونچا اور میوہ اس کا تیار ہوا۔ اسلام اپنی مخصوص ادا میں ظاہر ہو گیا اور عقائد حقہ کا باغ اپنی شادابی پر آ گیا وہ دین

کے قصر جو کفر والحاد کی آندھیوں سے بیٹھ گئے تھے وہ گرنے کے بعد پھر از سر نو تعمیر ہو گئے۔ اکثر اہل ایمان ضروریات مذہب ودین سے واقف ہو گئے بعد اس کے وہ جاہل تھے اور انہوں نے مذاہب فاسدہ کو ترک کر دیا بعد اس کے وہ ان ہی مذاہب کے اہل میں مندرج تھے لیکن بعد اس کے بھی ضلالت اور گمراہی بعض کور باطنوں کے دلوں میں باقی رہ گئی اور وہ اپنے ہدایت و اصلاح کے راستوں پر نہ آنا تھے نہ آئے۔ فهم مصداق الذين دعوتهم ليلا و نهارا فلم يزدهم دعائی الا فوادا"۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اتنی جانفشانی کی اقامت اسلام میں اور احیائے شریعت میں کہ مورخین کو لقب میں لکھنا پڑتا ہے۔

الذی احیی الدین فی دیار الهند و طمس آثار البدعة والجاهلية (شذوذ العقیان) اور اہل قلم تذکرہ میں یوں لکھتے ہیں "فاستوى على عرش الهدايه والا مامة وكان جدار الشريعة يريد ان انقض فاقامه، به استنار الدين فی اصقاع هذه البقاع و شاع الشرع المبين فی هذه الرباع وذاع بعد ما ضاع بل لم يكن يقرع الا احاع و قد اصبح اليوم تبائيده كحصون محكمة القلاع او كشخص عبيل الرزاع او كزرع أخرج شطاء ه فازره فاستغلظ فاستوىٰ على سوقه يعجب الزراع اقتدیٰ اهل الهند بصلواته و صومه و هذه عادة اللّٰه فی الدهر اول يومه كما قال" وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه" فقام به عماد الاسلام و سل ذو الفقار و الصوارم و حسام على هام المردة الخصام ولولاه لما اخضر عود الشرائع والأحكام

(دیکھو اوراق الذہب علامہ شوشتری)

ترجمہ: سریر ہدایت وامامت پر جلوہ افروز ہوئے جدار شریعت قریب تھا کہ گر جائے اس کو قائم

کر دیا انہیں سے دین کی روشنی ان بلاد کے اطراف میں پھیلی اور شریعت ان اماکن میں شائع ہوئی اور وہ منتشر مشہور ہوگئی بعد اس کے ضائع ہوگئی تھی بلکہ سنائی بھی نہ دیتی تھی۔ اور آج ان جناب کی حمایت سے وہ مضبوط قلعوں کے مثل بلکہ ایک قوی بازو شخص کی طرح بلکہ اس زراعت کی سی ہوگئی ہے کہ جو اگی اور اپنی اصل پر قائم ہو کے اتنی بہار کے اوپر ہے کہ زارعین کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔ اہل ہند نے ان کے عبادات کی اقتدا کی اور یہی عادت ہے خدا کی اول دہر سے جیسا کہ خود فرمایا ہے کہ ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان میں (اسی طرح اہل ہند کی طرف خدا نے ان ہی میں سے ایک رہبر بھیجا) ان جناب کے دم سے عماد الاسلام قائم ہوا اور انہوں ذوالفقار، صوارم و حسام (جناب غفرانمآبؒ کے مصنفات کے نام ہیں) سروں پر مخالفین کے کھینچی اور اگر یہ ذات نہ ہوتی تو شرائع کی شاخیں سرسبز وشاداب نہ ہوتیں۔

شہید ثالث اور جناب غفرانمآبؒ

ہمارے اتنے بیان سے ناظرین کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہوگا کہ ہندوستان میں یہ ہدایت کے صاف وشیریں چشمے جو اس وقت جاری ہیں اسی قلزم ہدایت کے شعبے ہیں اور یہ ایمان کی ضیا جو پھیلی ہوئی ہے اسی آفتاب کمال کی کرن ہے اور اساس ہدایت کا قائم کرنے والا ان اطراف میں یہی باہمت شخص ہے لیکن بعض لوگ یہ غلط فہمی پھیلانا چاہتے ہیں کہ ہدایت کا چراغ روشن کرنے والے اور مخالفین ایمان کی سرکوبی کا سہرا غفرانمآبؒ کے سر نہیں بلکہ نوراللہ علامہ شوشتری شہید ثالث طاب ثراہ جن کا مزار مقدس آگرہ میں ہے پہلے سے ہندوستان کو ہدایت کے راستہ پر لگا چکے تھے۔ یہ خیال یقیناً ایسا ہے جس سے غفرانمآبؒ سے محسن اسلام کی کوششوں پر ایک حد تک پانی پھر جاتا ہے ہم کسی بات کو بے دلیل کے مان لینے پر مجبور نہیں کرنا چاہتے اور نہ خود مانتے ہیں لیکن انصاف کے سامنے ہر وقت سر جھکانے پر آمادہ ہیں۔

ہم اس موقع پر ایک مختصر تذکرہ جو لب لباب ہے شہید ثالثؒ کے ان حالات کا جو کتب تاریخ

میں ہماری نظر سے گزرے ہیں حوالۂ قلم کرتے ہیں جس سے قارئین کرام اس خیال کو اچھی طرح عقل کی کسوٹی پر جانچ لیں گے اور یہ اجمالی تذکرہ لکھنے کے بعد جو کچھ ہمیں لکھنا ہے وہ لکھیں گے۔

شہید ثالثؒ کی شوشتر میں ولادت ہوئی تھی اور ابتدائے تعلیم اپنے ہی بلاد میں حاصل کی اور حد تکمیل تک پہونچے ایران میں بھی کچھ زمانہ تک وہاں کے علماء سے تحصیل علم وکمال کی تھی ۹۹۵ھ میں وارد ہندوستان ہوئے اکبر کا زمانہ تھا جو سلاطین مغلیہ کی تاریخ ذوق علم وفضل کی حیثیت سے ایک سنہرا زمانہ ہے سلطنت مخالف مذہب امامیہ تھی لیکن زیادہ متعصب نہ تھی اکبر کا باپ ہمایوں ایک عرصہ تک ایران میں رہا تھا جس کی وجہ سے تعصب مذہبی شیعوں سے کم ہو گیا تھا اسی کا اتنا اثر تھا کہ علامہ نور اللہ شوشتری کا دربار اکبری میں گزر ہو گیا۔ اکبر اہل کمال کا خاص طور سے قدردان تھا عام اس سے کہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں اسی حیثیت سے اس نے علامہ مغفور کے احترام میں خاص دلچسپی لی یہاں تک کہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر معین کیا اس موقع پر اتنا لکھنا ضروری ہے کہ سلطنت تو حنفی تھی پھر ایک سنی بادشاہ کے عہدۂ قضا پر ایک شیعہ عالم کیونکر معین ہوا اس کے متعلق جو کچھ اہل تاریخ کے کلام سے منکشف ہوتا ہے وہ یہ کہ بادشاہ نے علامہ ممدوح سے یہ عہد لینا چاہا کہ آپ مذہب حنفی کے بنا پر فتوے دیجئے گا۔ شہید شوشتری نے فرمایا کہ میں کسی ایک مذہب کا پابند ہو کر فتویٰ نہ دوں گا۔ بلکہ مذاہب اربعۂ اہلسنت سے کسی ایک مذہب کے مطابق میرا فتویٰ ضرور ہوگا۔ بادشاہ نے اس کو منظور کیا۔ علامہ ممدوح مذاہب اہلسنت سے خاص واقفیت رکھتے تھے چنانچہ ہر فتویٰ مذہب اہل بیت کے مطابق دیتے تھے اور جب کوئی اعتراض ہوتا تھا تو کسی نہ کسی مذہب سے مذاہب اربعہ میں سے مطابق کر دیتے تھے۔

کرامات وخوارق عادات

صفائے قلب وازدیاد روحانیت بڑھتے بڑھتے کبھی اس حد تک پہونچتی ہے کہ خداوند عالم اس شخص کو صاحب کرامات کر دیتا ہے۔ کرامت بھی خلاف عادت امر کا نام ہے جس کسی عالم یا مومن

کامل کے لیئے ظاہر ہولیکن معجزہ و کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ کسی دعویٔ نبوت یاامامت کی تصدیق میں ہوتا ہےاور کرامت کسی دعوے کے اثبات میں نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ معجزہ کے ساتھ ساتھ تحدی ہوتی ہے یعنی کوئی اس کا معارضہ نہیں کرسکتا اور کرامت کے ساتھ ایسا نہیں۔ اس لحاظ سے معجزہ مخصوص ہے نبی وامام کے ساتھ اور کرامت نبی وامام سے مخصوص نہیں ہے۔ کتب رجال سیر پر نظر کرنے والے واقف ہیں کہ ہمارے علماء اعلام میں بہت سی فردیں ایسی گذری ہیں کہ جو مظہر کرامات وخوارق عادات ہیں اگر اجمالاً ان کا تذکرہ حوالۂ قلم کیا جائے تو طول کلام کا خوف ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس کی نظیریں علماء سلف میں ملتی ہیں علامہ کلینیؒ کے انتقال سے آسمان کے ستاروں میں تہلکہ پڑ جانا اور سید رضیؒ کا جناب علم الہدیٰؒ کے مافی الضمیر پر واقف ہوجانا اور مقدس اردبیلیؒ کے لئے روضۂ امیر المومنین میں لگے ہوئے قفلوں کا کھل جانا اور دروازوں کا وا ہوجانا وسیع النظر اصحاب پر مخفی نہیں ہے اور خود جناب غفرانمآبؒ کے استاد جناب بحر العلوم سید مہدی طباطبائیؒ کے کرامات تو اس حد پر تھے کہ مصنفین ان کے لقب میں لکھتے ہیں۔ صاحب الکرامات الظاہرۃ وخوارق العادات الباھرۃ۔ پھر اگر جناب غفرانمآبؒ کو بارگاہ احدیت سے یہ مرتبہ عطا ہوا تو کون سا محل استعجاب ہے حالانکہ یہ وہ ذات تھی جس نے خدمات دینیہ میں اپنی راحتوں سے ہاتھ اٹھایا، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی غریب الوطنی کے مصائب کو برداشت کیا خدا کی راہ میں اپنے نفس کو نفس نہ سمجھے پھر خداوند عالم کا مقربین میں داخل کر کے مظہر کرامات کر دینا کیا قابل انکار ہوسکتا ہے۔

بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ وہ ذات تھی جس کو جناب احدیت نے ابتدائے عمر ہی سے فیوض وبرکات کے لئے منتخب کرلیا تھا اور اول عمر ہی سے اس پر نظر رحمت الٰہی متوجہ تھی وقت ولادت گھر کا روشن ومنور ہوجانا اور کم سنی ہی میں درخت کے نیچے صدائے ہاتف غیب کو سننا کیا کرامات میں مندرج ہونے کے قابل نہیں؟ ہم ان دونوں واقعوں کو ابتدائی صفحات میں زیب دہ نگاہ ناظرین کر چکے ہیں۔ اور بعد انتقال کے جو بعض کرامات ظاہر ہوئے ہیں ان کو انشاء اللہ اگر حیات مستعار باقی

ہے تو تلامذہ کے حالات لکھتے ہوئے جناب علامۃ العلماء مولانا سید احمد علی محمد آبادی کے تذکرے میں لکھیں گے۔ اس موقع پر صرف ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں جناب بحرالعلوم مولانا علّن صاحب قبلہ نے اس واقعہ کو اپنے والد علام، جناب ملک العلماء طاب ثراہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سلطان العلماء رضوانمآب طاب ثراہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جناب غفرانمآبؒ اپنے وطن مالوف نصیرآباد تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ میں تھا اور جناب کے شاگرد رشید فاضل جلیل مرزا محمد خلیلؒ تھے وہیں قصبہ کا ذکر ہے کہ جناب غفرانمآبؒ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے اور میں اور مرزا خلیل کہیں سے اس طرف گذرے کہ مرزا خلیل نے مجھ سے کہا کہ زرا درخت کی جانب دیکھئے میں نے بنظر غائر درخت کی طرف جو دیکھا تو یہ نظر آیا کہ جناب غفرانمآبؒ کی پیشانی سے ایک نور ساطع ہے اور اس کی چھوٹ درخت کے پتوں پر پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برگ اس درخت کے زبرجد خضر کے ہیں یہ تھا نور علم اور ضیائے خدادادو فضل جس کی چھوٹ پیشانی سے ظاہر ہو کے درخت پر پڑ رہی تھی ناظرین متوجہ ہوں گے کہ امیر المومنینؑ کا لقب ہے۔ قائد الغر المحجلین اس کی توضیح میں معصوم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہل ایمان کے اعضاء ضوء دیتے ہوں گے۔ اس حدیث میں ذکر روز حشر کا ہے لیکن تقرب ایزدی اور عبادت الٰہی کا کمال ہے کہ دنیا ہی میں پیشانی چمک دینے لگے یقینا یہ واقعہ جناب غفرانمآبؒ کے منتہائے جلالت قدر پر دلالت کرتا ہے۔

تصانیف شریفہ

اب ہم فہرست تصانیف شروع کرتے ہیں جن کی تعداد تیس سے کم نہیں ہے اور انہیں میں بعض وہ کتابیں بھی ہیں جن کے بسط نے ایک جلد پر ختم ہونے نہیں دیا ہے بلکہ کئی کئی جلدیں ہیں یقینا یہ سرمایۂ تصنیف کم نہیں ہے مگر باوجود اس کے جناب غفرانمآبؒ کی ہمت اس سے راضی نہیں ہے اور صاحب ہمت افراد کا قاعدہ ہے کہ جتنا بڑا کام کرتے وہ اس کو کم ہی سمجھتے ہیں ایک موقع پر جناب

غفرانمآبؒ اپنے بعض تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ لاشبهة فی انی اقل تصنیف بنسبة علمائنا الکرام و شیوخنا الفخام رضوان الله علیهم ولذٰلك التقصیر اسباب و معاذیر لو حاولنا بیانها خرج الکلام عن الاقتصاد و طال التحریر ۔ اس میں شبہہ نہیں کہ میں بہ نسبت علمائے سابقین اور بزرگان دین کے قلیل التصانیف ہوں اور اس قصور کے بہت سے وجوہ اور اعذار ہیں کہ ہم اگر اس کے بیان کا قصد کریں تو کلام دائرۂ اختصار سے نکل جائے اور طویل ہوجائے ؂

کذالك أرباب الدیانة والهدیٰ
لتستغفرون حین لیس لهم ذنبی

اچھا اب ہم تصانیف کے نام پیشکش ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) عمادالاسلام

یہ کتاب سرتاج تصانیف کہے جانے کے قابل ہے اہل علم وفضل کا اتفاق ہے کہ اس مطلب پر کہ دسویں صدی ہجری کے بعد سے بلکہ اس کے قبل سے ایسی کتاب علم کلام میں تصنیف نہیں ہوئی۔ شبہات مخالفین کا قلع وقمع کر دیا اور فلاسفہ کے خیالات کا باطل ہونا کالشمس علی شاهق الطور واضح وآشکار کر دیا اور ان کے مضبوط ادلہ کو توڑ کے تار عنکبوت سے زیادہ موہوم ثابت کر دیا۔ اصلی نام مرأة العقول ہے جس کی وجہ تسمیہ خود یہ لکھی ہے کہ در حقیقت یہ کتاب آئینہ جلوہ نما ہے اختلاف مذاہب کا اور جس طرح انسان آئینہ کو اپنے سامنے رکھ کے اپنے خط وخال اور حسن وخوبی یا بدصورتی کو مشاہدہ کرسکتا ہے اور اپنے عیب وسقم پر نظر کرسکتا ہے اور اپنی صورت کو آراستہ کرتا ہے اگر بال سر کے پریشاں ہیں تو ان کو درست کرتا ہے، زینت کرتا ہے اسی طرح اس کتاب کو دیکھ کے ایک شخص اپنے مذہب کے تمام عیوب ونقائص کو دور کرسکتا ہے اور اپنے دین کو ہر طرح مکمل وآراستہ کرسکتا ہے، اپنے بکھرے ہوئے شیرازۂ مذہب کو جمع کرسکتا ہے لہٰذا مرأة العقول نام رکھا اور چونکہ

اس نے اسلام کی ہلتی ہوئی بنیادوں کو مضبوط کر دیا اس وجہ سے عماد الاسلام لقب ہوا۔

نہایت العقول امام اشاعرہ فخر الدین رازی کی رد میں تحریر فرمائی ہے لیکن صرف فخر رازی کی رد نہیں کی ہے بلکہ جتنے ہم خیال ان کے ہوں سب کے اقوال کی کافی رد فرمائی ہے فخر رازی نے نہایۃ العقول میں اپنی کتاب پر ناز کیا ہے اور کہا ہے کہ میری کتاب نہایۃ العقول تمام ان کتابوں سے جو علم کلام میں لکھی گئیں ہیں کئی وجہ سے ممتاز ہے۔ پہلے یہ کہ میں نے سوال و جواب میں جو حق تنقیح تھا اس کو ادا کر دیا ہے اور دیگر مذاہب کی جانب سے شبہات اس طرح وارد کئے ہیں کہ ہر مذہب والے کو میری کتاب ان کتابوں سے زیادہ فائدہ رساں ثابت ہوگی کہ جو خود اسی کے اہل مذہب نے لکھی ہیں اس لئے کہ ہر مذہب کے استدلال کو میں نے قوت کے ساتھ وارد کیا ہے حتیٰ کہ اگر میں نے کسی مذہب کے ادلہ کو اتنا کمزور پایا کہ جو قابل التفات بھی نہیں تو وہ اپنی فکر سے ادلہ کا استنباط کر کے اس کو تحریر کیا ہے کہ اس سے زیادہ اس مذہب کی نصرت میں کیا نہیں جا سکتا یہ اور بات ہے کہ ہم نے تمام مذاہب کی رد کر دی اور ہر ایک کی دلیل کو ضعیف ثابت کر دیا سوائے اس مذہب کے جس کو اہلسنت والجماعت نے اختیار کیا ہے اور ہم بادلہ و براہین یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ یہی مذہب قابل اتباع ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ادلہ میں نے اس کتاب میں لکھے ہیں کہ جو دل میں بیٹھ جاتے ہیں اور جن سے علم ویقین حاصل ہو جاتا ہے نہ صرف الزامات کہ جس کا نتیجہ سوائے دشمن کے ساکت کر دینے کے کچھ نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اس کتاب کی ترتیب اتنی متقن اور عمدہ ہے کہ کسی جگہ حشو و اطناب اور بے فائدہ کلام نہیں آنے دیا ہے۔ اس کتاب کی قدر اس وقت ہو سکتی ہے جب کوئی شخص تمام علمائے موافق و مخالف کا کلام دیکھے ہوئے ہو اس وقت اس کے مطالب اس کے ذہن میں آئیں گے۔ یہ ملخص کلام فخر رازی تھا۔ جناب غفرانمآبؒ نے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ فخر رازی نے جو کچھ کہا ہے اس لئے کہ ہم کو تمام کتب کلام میں خواہ وہ عامہ کے ہوں یا خاصہ کے اس کتاب کا مثل نہیں ملا اسی وجہ سے ہم نے تمام کتب کلام میں

سے اسی کورد کے لئے منتخب کیا اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اسی طرح میری کتاب عماد الاسلام بھی بے نظیر ہے بلکہ اس میں ان خوبیوں کے علاوہ جن کا ذکر فخر رازی نے کیا ہے کچھ اور خوبیاں بھی ہیں کیونکہ جن جن مقامات پر فخر رازی نے خلاف مسلک اہلبیتؑ راستہ اختیار کیا ہے میں نے پوری عبارت اس کی من وعن نقل کر دی ہے اور پھر ہر فقرے کا جواب دیا ہے۔ واضح کر دیا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا ہے سب تعصب وعناد پر مبنی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں نے اس عقلیہ کے بعد شاہد میں ادلہ نقلیہ بھی پیش کئے ہیں اور منتہیٰ الکلام اکثر مقامات پر اس سے خالی ہے۔ تیسرے یہ جن جن مقامات پر منتہیٰ الکلام میں بعض مسائل عدالت وامامت فروگذاشت تھی اور مذکور نہ تھے وہاں میں نے اور کتب اہلسنت سے ادلّہ نقل کر کے اس کی کافی رد کی ہے اور اس کی قدر اس کو ہوسکتی ہے جو علم کلام میں پوری مہارت رکھتا ہو۔

اگرچہ اصلی مطمح نظر جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کا اس کتاب میں نہایت العقول علامۂ فخر رازی کی رد ہے مگر درحقیقت یہ کتاب وہ شمشیر صاعقہ بار ہے کہ جو تمام مخالفین کے لئے یکساں شکست دینے والی ہے۔ اکثر مقامات پر فلاسفہ نے جو مسائل اصول دین میں لغزشیں کیں ہیں ان کا کافی جواب دیا ہے اور متکلمین کے مسلک کو بدلائل قاطعہ ثابت کیا ہے۔ اسی سے متاثر ہو کے عمدۃ الحکماء سید مرتضیٰ نونہروی فلسفی نے فلاسفہ کی حمایت میں کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب معراج العقول کے نام سے لکھی جس میں اکثر مقامات پر علامۃ المتکلمین صاحب عماد الاسلام کے کلام کی جانب ناظر ہیں اور جن جن مقامات پر ان جناب نے فلاسفہ کے قول کا بطلان ثابت کیا ہے اس کو بزعم خود رد کیا ہے لیکن اہل عقل سمجھ سکتے ہیں۔ ابن الثریا من الثوی وابن الذھب من الرغام۔ جناب والد علام ممتاز العلماء مدظلہ نے اس کتاب پر قلم کو حرکت دی تھی اور ایک معتد بہ مقدار اس کی ہوگئی تھی جس کے دیکھنے کے بعد انصاف پسند ناظر کی نگاہ میں وہ شبہات تارعنکبوت سے بھی زیادہ بے وقعت ثابت ہوتے مگر افسوس ہے کہ زمانہ کسی مقصد کو پورا ہونے نہیں دیتا۔

لكل شئي آفة وللعلم آفات۔ موانع ہوئے اس کے تمام تک پہونچنے میں اور جتنی مقدار جزء تصنیف میں آچکی اس کی بھی اشاعت نہ ہوسکی ورنہ وہ کتاب جو ہر فرد ثابت ہوتی اور نادر الدہر ویتیم العصر سمجھنے کے قابل تھی۔ سب سے زائد جس چیز نے صاحب معراج العقول کو اس امر پر دعوت دی وہ ان کا حسن ظن تھا جو ارباب تصوف کے متعلق ہے اور جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے بہت زور میں اہل تصوف کی تکفیر کی ہے جیسے محدث اکبر علامہ ملا محمد باقر مجلسیؒ نے بھی صوفیہ کی تکفیر کی ہے اور مصنف معراج العقول کو ان سے بھی شکایت ہے حالانکہ اگر کوئی شخص اہل تصوف کے اقوال و افعال پر نظر ڈالے تو اس مطلب میں شبہہ باقی نہیں رہ سکتا۔ مثنوی مولوی معنوی بایزید بسطامی کا ایک واقعہ ہے چند شعر اس کے دلچسپی اور توسیع معلومات ناظرین کے لئے پیشکش انظار ہیں۔ ؎

با مرید ان آں فقیر محتشم
بایزید آمد کہ یک بزداں منم
گفت ایشاں رامیاں آں ذوفنوں
لا اله الا انا ها فاعبدون
چوں گذشت آں آں گفتند صباح
تو چنیں گفتی و آں نبود صلاح

اور مشہور صوفی فریدالدین عطا کے شعر ہیں کہ ؎

خود پیمبر شد و پیام آورد
گشت خود کافر نمود انکار
خود کند ساز گناہ کہ ہست
خود کند باز توبہ استغفار

مبذی فواتح میں سید شریف سے نقل کیا ہے کہ ایک متکلم اور ایک صوفی میں مناظرہ ہوا متکلم نے

کہا کہ اس خدا سے بیزار ہوں جو سگ وخوک کے اندر ظاہر ہوا۔ یہ سن کے صوفی نے سمجھا کہ میں اس خدا سے بیزار ہوں کہ جو سگ وخوک میں ظاہر نہ ہوا۔ یقیناً اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اقوال توحید شکن اور کافر ساز ہیں اور کوئی تاویل ان کی ایسی جو نظرِ عقل میں باوقار ہو سکے نہیں ہے معاف فرمائیں گے ناظرین سلسلۂ کلام فائدہ سے خالی نہ تھا۔

یہ کتاب جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے اپنے دوست صادق اور شاگرد رشید اور فاضل جلیل طاب ثراہ کے صدمۂ انتقال سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ چنانچہ دیباچۂ کتاب اس کا مشعر ہے۔ ممکن ہے کہ فاضل موصوف کے تذکرہ میں ہم اس کے متعلق کچھ تفصیل سے کلام کریں۔

یہ کتاب اتنی مشہور و معروف اور دجنائے علم میں اتنی معزز تھی کہ مشاہیر علمائے عراق اور اساطین کملائے عتبات عالیات تک اس کا آوازۂ افادات پہونچا ہوا تھا اور وہ اس کتاب کے علاوہ دیگر تصانیف جناب غفرانمآب طاب ثراہ کے کمال مشتاق و آرزومند مطالعہ تھے۔

بعد جناب غفرانمآبؒ کے زمان سابق میں یہ کتاب منتہی طلبہ کے لئے نصاب درس میں داخل تھی اور جناب ممتاز العلماء جنت مآب طاب ثراہ اپنے عہد میں اس کتاب کے پڑھانے میں خاص شہرت رکھتے تھے اور افاضل علمائے کرام ان کی خدمت میں درس حاصل کرتے تھے۔

یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد توحید دوسری عدل، تیسری نبوت، چوتھی امامت، پانچویں معاد۔ پہلی جلد اسکی ۱۳۱۹ھ میں اور دوسری اور تیسری جلد ۱۳۲۰ھ میں سرکار قدوۃ العلماء مدظلہ العالی کی سعی بلیغ سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ مگر افسوس کہ باب امامت کے چھپنے کے ابھی تک اسباب مہیا نہ ہوئے۔ قوم کی بے توجہی یقیناً قابل شکایت ہے کہ ایسے ایسے جواہر علمیہ گوشۂ خمول میں رہ جائیں اور علم جو نگاہیں ان سے مستفیض نہ ہو سکیں۔

اب اس کتاب کی جلد توحید لکھنؤ یونیورسٹی کے نصاب درجۂ فاضل معقولات میں داخل ہے اور جلد عدل و نبوت مدرسۃ الواعظین کے نصاب تعلیم میں مقرر ہے۔

(۲) شہاب ثاقب

چونکہ اس زمانہ میں اہل ہندوستان کے دل ودماغ میں اکثر مذاق تصوف زیادہ پایا جاتا تھا اور صوفیت کا دور دورہ بھی داعی ہوا۔ جناب غفرانمآبؒ نے یہ کتاب صوفیہ کی رد میں تحریر فرمائی تھی خصوصا ان صوفیہ کے ابطال میں کہ جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔ اور واقعی یہ کتاب بھی بے نظیر ہے اور بے مثل مباحث واشارات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے ۱۲۶۰ھ میں اس کتاب کا ایک نسخہ جناب شیخ محمد حسن نجفی صاحب جواہر کے پاس پہونچا چنانچہ ایک خط میں جس کی اصل تحریر اس وقت خوش قسمتی سے میرے پیش نظر ہے جناب سید العلماء کو تحریر فرماتے ہیں۔

ثم لیکن معلوم مسلم ان من نعم الباری التی نخل عن الاحصاء ان من علینا و علی جمیع العلماء وسائر الفقهاء الفضلاء بها لم نزب العیون الیه طامحة والنواظر شاخصة لم نزل نحن و هم مرتقبون لوصوله ارتقاب المجدب قطر السماء اذا السقیم الشفاء من ارسال ما اوعد ممنونا به من تصنیف فخر العلماء وزبدة الفضلاء اعلاهم شأناو اوضحهم برهاناو ان جاء أخرهم زماناً فقد سبق المثل السائرکم توزو الاول الاخر جناب المرحوم المغفور الوالد العلامة نور الله مضجعه ومرقده الموسوم بالشهاب الثاقب ولعمری هٰذه مهة شهاب علی من عائدو کفروثاقب بنظر مادق علی اهل الکفر فا کتحلت ابصارنا باثمره و من الله علمیا به من عنده ولا عجب فهو من نتائج افکار الفاضل المنجر شمس علوم الاسلام وبرر صحائف الاحکام العقل المجرد و المدرك مادناء العقول من لطائف المنقول ودقائق القول نور عین الشریعة و عین انسانها و عماد الشیعة فی احکامها او ادیانها مصباح ارشاد العلماء و مفتاح مفضل اشکل بنیانه

علی الفقھاء ذی التحریر الذی ھو ذکری کل فقید و التصنیف الذی فیہ تبصرۃ کل فاضل بینہ غیث الانام و مروج الاحکام انا اللہ علی مرتبتہ سحاب الرضوان و اسکنہ فرادیس الجنان۔

لکھتے ہیں۔ اول جناب باری کی نعمتوں میں سے کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا وہ احسان ہے اس کا کہ جو اس نے ہم پر اور تمام علماء فقہاء پر کیا ہے اس امر کے ساتھ جس کی طرف ہم چشم براہ تھے۔

(۳) منتھی الافکار

اصول کی اعلیٰ ترین کتاب ہے اور بے نظیر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل ہے۔ داعی تصنیف کا یہ تھا کہ اسی زمانہ میں کتاب قوانین جناب محقق ابوالقاسم قمی کی آئی تھی جو واقعی اصول فقہ کے اعلیٰ ذخیرۂ معلومات پر مشتمل ہے۔ جناب غفرانمآبؒ نے اس کا مطالعہ کیا اور تدریس و مباحثہ شروع کیا تو اکثر تحقیقات جناب محقق سے آپ کی نظر مساعدت نہ کرتی تھی لہٰذا آپ نے حواشی اس کتاب پر جا بجا تحریر فرمانا شروع کئے مگر جب دیکھا کہ اختلاف کے مقامات حد سے متجاوز ہو گئے اور اس درجہ تک پہونچ گئے کہ حواشی ان کے متحمل نہیں ہو سکتے تو ایک مستقل کتاب اصول کی تصنیف کا خیال ہوا جس میں اپنے معاصر علام محقق قمی کے کلام پر تنقیدی نظر سے کام لیا چنانچہ یہی کتاب منتہی الافکار تصنیف فرمائی لیکن اثنائے تصنیف میں جناب غفرانمآبؒ علیل ہو گئے اس وجہ سے کتاب تمام نہ ہوسکی ایک حصہ تحقیق حکم اور اقسام احکام میں اور ایک حصہ مبادی لغویہ میں تمام و کمال ہو سکا۔ یہ کتاب ۱۳۲۰ھ میں انجمن یادگار علماء کی جانب سے طبع ہو چکی ہے۔

(۴) مسکن القلوب عند فقد المحبوب

آپ کے فرزند سید عالم جلیل مولانا سید مہدی اعلی اللہ مقامہ نے ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا اور ایسے سعید و فائز بدرجۂ اجتہاد جوان فرزند کے غم نے جناب پر یہ اثر کیا کہ راتوں کی نیند اڑ گئی اور دن کی راحت جاتی رہی اور زندگی مکروہ معلوم ہونے لگی تو اسی زمانہ میں جناب شہید ثانیؒ کے رسالہ

مسکن الفواد عند فقد الاحبة والاولاد کا مطالعہ کیا تو اس میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بعض مقامات پر شہید ثانیؒ نے مسامحۃ مذہب صواب کے نامناسب اور بعض علمائے مخالفین کے موافق مطالب تحریر کئے ہیں لہٰذا اپنے دل کی تسکین کے لئے اور ہر مصیبت زدہ کی تسلی کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی اور جا بجا ان مقامات پر بھی تنبیہ فرمادی کہ جہاں جناب شہید ثانیؒ نے مقتضائے دلیل کے خلاف تحریر فرمادیا ہے۔ افسوس ہے کہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔

(۵) رسالہ فی احکام الارضین

یہ آخر عمر میں تصنیف فرمایا تھا اور تمام اشتغالات کو اور شبہات کو جو بعض متقدمین ومتاخرین کو ہوئے ہیں ادلہ و براہین کے ساتھ حل کیا ہے اور فاضل خراسانی اور محدث شیخ یوسف بحرینی کے کلام سے بہت زیادہ تعرض فرمایا ہے۔

(۶) رسالہ فی رد نصاریٰ

جب مذہب نصاریٰ کا زور آپ کے عہد میں زیادہ بڑھا اور انجیل وتوریت کے مختلف ترجمہ اور جدید کتب طبع ہوکر آنے لگے تو پہلے تو جناب نے کتاب عماد الاسلام ہی کے باب نبوت کی طرف توجہ فرمائی اور باب بشارات میں جو کچھ نقص وابرام موافق زمانہ تھا اس کو اضافہ فرمادیا۔ اس کے بعد مستقل رسالہ لکھنا شروع کیا جو ایک حد تک پہونچ گیا تھا۔ مگر اتمام کو نہ پہونچ سکا۔

(۷) شرح باب صوم حدیقۃ المتقین

جناب علامہ ملا محمد تقی مجلسیؒ کی مشہور کتاب حدیقۃ المتقین کی فارسی شرح تحریر فرمائی جس میں مسائل فقہیہ کو اجتہادی عنوان سے تحریر فرمایا ہے اور اختلافی مسائل کو اقوال علماء اور بیان حق کے ساتھ بادلہ و براہین تفصیلاً تحریر کیا ہے یہ کتاب غیر مطبوع ہے خوش قسمتی سے خود جناب مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی میرے پیش نظر ہے اس کے آخر میں یہ عبارت موجود ہے:۔

وبمناه الوازرة الداثرة مصنف الکتاب العبد الضعیف المفتقر الی اللہ

الغنی السید علی المدعو بالسید دلدار علی ابن محمد معین الھندی النصیر آبادی نصرھما اللہ یوم الدین بحرمہ النبی والمعصومین صلوات اللہ علیھم اجمعین۔

(۸) شرح باب زکوٰۃ حدیقۃ المتقین

یہ بھی مثل کتاب سابق کے ایک مستقل کتاب ہے اس عنوان پر کہ جس طرح باب صوم کی شرح تحریر فرمائی تھی اور یہ بھی غیر مطبوع ہے۔اس کتاب کے متعلق خود جناب غفرانمآبؒ نے تحریر فرمایا ہے:

ھو اول مصنفاتی التی قد اشتھرت بین الناس والا فکلما کتبت من الرسائل والتعلیقات قبل ذلك فما نسج علیھا عنا کب النسیان فطارت بھا العنقاء۔ یہ میری پہلی تصنیف ہے جو مشہور ہوئی ورنہ اس کے قبل جو کچھ رسالہ یا حواشی لکھے وہ گمنامی کی حالت میں اور گوشۂ خط کے اندر رہے۔

(۹) شرح باب طہارت حدیقۃ المتقین

ان ہی دونوں کتابوں کی شان پر باب طہارت کی بھی شرح شروع کی تھی کہ جو اہم مطالب پر مشتمل تھی مگر افسوس ہے کہ تمام نہ ہو سکی اور یہ تینوں کتابیں فارسی میں تحریر فرمائی تھیں تا کہ عام فائدہ ہو مگر باب طہارت کی شرح عربی میں بھی لکھنا شروع کی تھی اس عنوان سے کہ متن کا ترجمہ عربی میں کر کے اس کی شرح کی تھی مگر یہ بھی ختم نہیں ہوئی۔

(۱۰) ذوالفقار

یہ کتاب واقعی نصرت اسلام میں ذوالفقار کہنے کے قابل ہے اور اس نے مخالف دین مصطفوی و ملت جعفری کو وہ سخت شکست دی ہے جس کے بعد انہیں کبھی مقابلہ کی ہوس نہیں ہو سکتی۔

یہ باب دوازدہم کتاب تحفۂ اثناعشریہ مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی رد ہے جس میں انہوں نے

مسئلہ تولا و تبرا پر اپنے خیال کے موافق نظر کی تھی اور ان کے اہل ملت اس کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کو مایۂ ناز سمجھتے تھے اور لاجواب خیال کرتے تھے اس غلط فہمی کو دفع کرنے کے لئے سب سے پہلے جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے اس کے ابواب کی رد میں حصہ لیا اور اولاً اس بارھویں باب کی رد اس عنوان سے فرمائی کہ مخالف کو جائے کلام باقی نہیں رہ سکی۔ اس زمانہ میں طبع اور چھاپہ کا عنوان کسی کتاب کی اشاعت کے لئے رائج نہ تھا لہٰذا زیادہ سے زیادہ چند نسخہ اس کے اہل ایمان نے کتابت کر کے مختلف اطراف ملک میں شائع کرا دئے تا کہ غلط فہمی کا دفعیہ ہو سکے اور وہ تاریکیاں شبہات کی جو دلوں میں پھیل گئی ہوں دور ہو جائیں اور خود غفرانمآبؒ نے ایک نسخہ اس کا لکھوا کر عماد الاسلام کی کتاب عدالت کے ساتھ مصنف تحفۂ اثنا عشریہ کے پاس بھیج دیا چونکہ بحالت موجودہ کتاب اتنی محکم تھی کہ جس کا جواب مخالف کے لئے ممکن نہ تھا لہٰذا مخالفین میں سے ایک فرد شیخ فتح الدین نے جو قصبہ ہنسوہ کا جاگیردار تھا مکر وفریب سے اس کتاب کے ایک نسخہ کو حاصل کیا اور جب رد کی گنجائش نہ دیکھی تو یہ تدبیر کی کہ جابجا سے اس کی عبارت میں تحریف کی۔ کہیں پر کچھ بے محل الفاظ بڑھا دئے اور کہیں ضروری عبارت کو حذف کر دیا اور اس کو درہم برہم کر کے اس تحریف کے چند نسخہ لکھوا کے اطراف و اکناف میں مشتہر کرا دئے تا کہ دیکھنے والا اس کے دلائل کو کمزور اور اس کے عبارات کو نامربوط خیال کرے اور جواب کامل بھی مل جائے لیکن حق مٹانے سے مٹ نہیں سکتا فریب کا گھروندا تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے جعلسازی کا بھید کھل کے رہتا ہے۔ اس تحریف و اختلال کی حالت بجلی کی طرح ملک میں دوڑ گئی اور تحریف کرنے والے کی مصلحت خاک میں مل کے رہ گئی۔ ۱۲۱۸ھ میں یہ کتاب عالم جلیل سید شریف حسین خاں طاب ثراہ کی سعی سے مطبع مجمع البحرین لودھیانہ میں طبع ہوئی تھی۔

(۱۱) صوارم الالٰہیات

یہ کتاب بھی تحفۂ اثنا عشریہ کے مبحث الٰہیات کی رد ہے جن جن مسائل کے بارے میں اسلام

کے دونوں فرقوں میں اختلاف ہے اور ان کے متعلق صاحب تحفہ نے اپنے مذہبی خیال کو قوت دے کے دوسرے مذاہب کو بزعم خود باطل کیا تھا اس کا کافی جواب دیا گیا ہے۔ واقعی یہ کتاب بے نظیر ذخیرۂ فوائد ہے خود ایک موقع پر اس کتاب کا تذکرہ ان گرانقدر الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"وھٰذا الکتاب لاجل اشتماله علی مباحث لطیفة و مناظرات انیقة و تدقیقات فائقة مع مطائبات رائقه مما یتشرح به صدور قوم مومنین و یغیظ الکفار الذین لا یومنون بامامة الائمة الاطهار۔"

یہ کتاب ایسے مباحث لطیفہ پر مشتمل ہے اور عمدہ مناظروں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور بلند ترین تحقیقات کو لطائف وظرائف کے ساتھ ساتھ جگہ دئے ہوئے ہے کہ جس سے فرقہ اہل ایمان کے سینوں میں کشادگی اور انبساط پیدا ہوتا ہے اور ان منکرین کا جو امامت ائمہ طاہرین پر ایمان لائے ہوئے نہیں ہیں دم گھٹتا ہے۔

درحقیقت یہ قدرت خدا تھی کہ جناب باری نے ہندوستان کی سرزمین کو شبہات کے پھندوں سے نکالنے کے لئے اس ہادی دین کو ظاہر فرمادیا ورنہ کس میں یہ طاقت تھی کہ وہ ان حقیقت نما شبہات کو رفع کرسکتا اسی کتاب کے دیباچہ میں خود جناب غفرانمآبؒ نے اس مطلب پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

''چوں دریں خاک تیرہ ہندوستان بہ سبب تسلط سلاطین جور وطغیان و بعید المسافة بودن آں از بلاد اسلام وایمان صنوف بدعات مستحدثہ ومذاہب باطلہ رونق تمام یافت۔ جناب باری عز اسمہ بندۂ ذلیل خود را بتفویض منصب استیصال شبہات اہل بدع وارباب ضلال مشرف ساخت چنانچہ کتاب اساس الاصول وشہاب ثاقب وعماد الاسلام برصدق دعوائے من گواہ وجناب عالم السر والخفیات و دلہائے مومنین اہل انصاف ازیں امر آگاہ۔ وھو انما ھو امتثالا لقوله تعالیٰ" واما بنعمة ربك فحدث"

(۱۲) حسام الاسلام

یہ کتاب اسی طرح تحفۂ اثناعشریہ کے مبحث نبوت کا جواب ہے۔

نبوت انبیاء کے متعلق جن جن مسائل میں شیعی خیالات کو مصنف تحفہ نے اپنے خیال کے موافق رد کیا تھا ان کی رد لا جواب عنوان سے فرمائی ہے۔ چونکہ ذوالفقار کے متعلق وہ حکمت عملی مخالفین کی طرف سے صرف کی جا چکی تھی کہ اس کے مضامین کو تحریف کر کے شائع کیا گیا تھا۔ لہٰذا مومنین نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ اس کے انسداد کے لئے اس کتاب کو طبع کرا دیا جائے۔ اس زمانہ تک یہ رائج چھاپہ جو اسوقت ہے نہ تھا بلکہ صرف لوہے کے حروف سے چھاپہ کلکتہ میں تھا خیر بہزار دقت و دشواری کلکتہ کے مطبع میں ۱۲۱۸ھ میں چھاپ کے دونوں کتابیں ''صوارم'' اور ''حسام'' پانچ سو کی تعداد میں شائع کر دی گئیں تا کہ کسی کو اب تحریف و خلل کی گنجائش نہ رہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اتفاق سے جس مطبع میں کہ تحفۂ اثناعشریہ طبع ہوئی تھی وہیں یہ کتاب بھی چھپی اور تحفہ تین سو کی تعداد میں چھپی تھی اور یہ کتاب بلا قصد پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوئی جس کا لطف مذہبی نقطۂ نظر سے ظاہر ہے۔

(۱۳) خاتمۂ صوارم

یہ بھی مستقل کتاب ہے جس میں مبحث امامت کے متعلق بحث فرمائی ہے اور اکثر فوائد جو صوارم میں نظر انداز ہو گئے تھے ان کو اس میں تحریر فرمایا ہے چنانچہ اکثر مقامات پر صوارم کے حوالے بھی اسی خاتمہ میں موجود ہیں مگر کمی سرمایہ کی وجہ سے یہ کتاب صوارم کے ساتھ شائع نہ ہو سکی تھی اور نہ اب تک کسی عنوان سے طبع ہوئی۔

(۱۴) احیاالسنۃ

یہ تحفۂ اثناعشریہ کے باب معاد کی رد ہے۔ مذہب اہلبیت کو بادلہ ثابت کر کے مخالف کے براہین کو باحسن اسلوب رد فرمایا ہے۔ یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔

(۱۵) رسالۂ غیبت

یہ اسی کتاب تحفہ اثناعشریہ کے باب ہفتم کا جواب ہے اور مسئلہ امامت کے متعلق مصنف تحفہ کے خیالات کا ابطال ہے مگر افسوس ہے کہ جناب غفرانمآبؒ اس مقصد کو زمانہ کی نامساعدت کی وجہ سے پورا نہ کر سکے۔ ہاں بعض تلامذہ نے جناب کے اس باب کی مبسوط تکمیل فرمائی ہے اور اپنی کتاب ''برہان الامۃ'' میں اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔

یہ رسالہ ۱۲۶۶ھ میں جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی طاب ثراہ کے حسن توجہ سے طبع ہوا تھا۔

(۱۶) حاشیہ شرح ھدایۃ الحکمۃ: ملا صدرا

یہ حکمت کی مشہور کتاب کا بے نظیر حاشیہ ہے اور عجیب وغریب تحقیقات و تدقیقات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب غفرانمآبؒ جس طرح فقہ واصول و علم کلام میں اعلیٰ درجہ کمال پر فائز تھے جس کے اوپر اساس الاصول اور منتہیٰ الافکار، عماد الاسلام شاہد ہیں اسی طرح حکمت و فلسفہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا جس کے اوپر یہ حاشیہ شاہد ہے۔ اور اس کا اعتراف مشہور سید مرتضیٰ نونہروی غازیپوری نے اپنی مایہ ناز کتاب معراج العقول میں کیا ہے اور اس رسالہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مشہور صاحب تصانیف منطقی و فلسفی ملا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی اس حاشیہ کا مطالعہ کرتے تھے تو کہتے تھے کہ غفرانمآبؒ اپنے زمانہ کے تمام معاصرین کملاء مثل ملا حسن وغیرہ ان سب سے بہتر تھے اور علوم عقلیہ میں زیادہ کمال رکھتے تھے۔

الفضل ما نطقت به الاعداء

افسوس ہے کہ یہ حاشیہ طبع نہیں ہوا۔

(۱۷) حاشیہ حمد اللہ

یہ بھی مثل پہلے کے معقولات کے اعلیٰ ذخائر کا جامع اور شرح سلم العلوم ملا حمد اللہ سندیلوی کے اوپر بہترین تعلیقات ہیں اور یقینا اس کا حل غفرانمآبؒ سے بہتر کوئی کرنے والا بھی نہ تھا کیونکہ آپ

نے اس کتاب کو خود ملا حمداللہ کے صاحبزادے ملا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا اور اکثر علوم عقلیہ کی تحصیل مولوی باب اللہ شاگرد رشید ملا حمداللہ سے کی تھی لہٰذا وہ رموز و نکات جو شارح نے اپنی بے نظیر عبارتوں کے اندر ودیعت کر دیئے تھے، جناب غفرانمآبؒ تک سینہ بہ سینہ پہونچے تھے۔

یہ حاشیہ تمام و کمال شائع نہیں ہوا ہے ہاں بعض تعلیقات اس کے حاشیہ پر حمداللہ کے جو مطبع مصطفائی میں طبع ہوئی تھی مندرج ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب کی ابتدا میں جو توضیح رموز حواشی کی گئی ہے۔اس میں لکھا ہے ''حاشیہ دلدار علی المجتہد غفرانمآبؒ'' اس کے بعد بھی بعض مطابع میں جو حمداللہ شائع ہوئی ہیں ان میں بھی یہ حواشی موجود ہیں۔

(۱۸) اجازہ

یہ وہ اجازۂ اجتہاد ہے جو جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ نے اپنے فرزند رشید حضرت سلطان العلماء رضوانمآب طاب ثراہ کے لئے تحریر فرمایا تھا اور اپنے بیش بہا فوائد اور لاجواب مطالب کی وجہ سے مستقل تصنیف شمار کرنے کا مستحق ہے چھیالیس صفحہ پر ختم ہوا ہے اور اس میں جناب غفرانمآبؒ نے اپنے ابتدائے تحصیل، عراق کے زمانۂ طالب علمی اور اس کے بعد سے ہندوستان آکر علمی کارناموں کو اجمال و ایجاز کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اس کا ذکر جناب علیین مکانؒ نے فہرست تصانیف کے ذیل میں بایں عنواں فرمایا ہے:۔

الرسالة المسماة بالاجازة المنطوية علی اجازة الاخی المعظم والمحتوية علی ضرب من المواعظ والحکم ووصایا شریفة وفوائد لطیفه۔ یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

(۱۹) نجات السائلین

جو مسائل روزمرہ وقتاً فوقتاً دستخط ہونے کے لیے آتے تھے اور ان کا جواب جناب غفرانمآبؒ تحریر فرماتے تھے ان میں سے کچھ مسائل بعض مجتہدین نے ایک مقام پر جمع کر لئے ہیں۔ چنانچہ

دیباچہ میں جامع نے یہ عبارت تحریر کی ہے:۔

''مذنب خفی وجلی اوصاف علی بن سید شہامت علی ابن میر مشرف بشرف تلثیم عتبۂ عالیہ فخر المتکلمین وقدوۃ المجتہدین نائب امام زماں مولانا ومقتدانا عالی جناب سید دلدار علی صاحب قبلہ دامت برکاتہ علی رؤس المومنین شدہ چوں سائلین ایں اہل دین اسئلہ بحضور پرنور آں جناب معلی القاب روبرئے ایں ہمیچمداں گزرانندہ وبجواب مزین شدند اکثر اینھا را گرفتہ بہ رسالۂ نجات السائلین مسمیٰ ساختہ (یہ رسالہ طبع نہیں ہوا ہے۔)

(۲۰) رسالۂ جمعہ: جس میں نماز جمعہ کے وجوب تخییر کو غیبت امام میں ثابت کیا ہے۔

(۲۱) رسالۂ جواب سوالات مولانا محمد سمیع صوفی

(۲۲) ذہبیہ: اس رسالہ میں تحقیق فرمائی ہے کہ وضو ظروف طلاء ونقرہ سے درصورت انحصار یا عدم انحصار صحیح ہے یا نہیں۔

(۲۳) اشارۃ الاحزان: اس میں مصائب سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بعنوان معتبر تجویز فرمایا ہے۔

(۲۴) رسالۂ فضیلت نماز جماعت: اسی زمانہ میں کہ جب ابتداءً انماز جماعت کی بنیاد لکھنؤ میں پڑی ہے اور ملا محمد علی بادشاہ کا رسالہ فضیلت جماعت میں آیا ہے تو جناب غفرانمآبؒ نے یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں احادیث وآیات سے نماز جماعت کے رجحان کو ثابت فرمایا تھا۔

(۲۵) اربعۃ عشر احادیث: فضائل علماء اور اہل علم کے علو درجہ کے اثبات میں چودہ حدیثیں ایک مختصر رسالہ پر شرح کے ساتھ تحریر فرمائی ہیں۔ یہ رسالہ میر عابد علی صاحب مرحوم کے مطبع اثناعشری میں شائع ہوا تھا مگر غلطی سے اس میں شرح اربعین تحریر کیا گیا ہے۔ یہ وہ تصانیف ہیں جن تک ہماری قاصر نظر پہونچ سکی ہے اس کے علاوہ نہ معلوم کتنی کتابیں ہیں جن کے طول عہد کی وجہ سے نام ہم تک نہ پہونچ سکے اور ان کے استقصا واحاطہ سے ہم عاجز ہیں۔

مجدد ملت جعفریہ آیۃ اللّٰہ العظمیٰ حضرت غفرانمآب مولانا

سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

نام و نسب

مولانا سید علی معروف بہ دلدار علی ابن سید محمد معین ابن سید عبد الھادی نصیر آبادی سادات نقوی میں طاہر ابن جعفر تواب ابن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کے ایک مورث اعلیٰ سید نجم الدین سبزوار سے سالار مسعود غازی کی نصرت کے لئے ایک فوج کے سردار کی حیثیت سے ہندوستان تشریف لائے اور ضلع رائے بریلی میں قصبہ ودیانگر کو فتح کر کے اسکا نام جائے عیش رکھا جو کثرت استعمال سے جائس مشہور ہو گیا پھر آپ ہی کی اولاد میں سے سید زکریا نے قلعہ پٹاک پور کو مسخر کر کے اسکا نام اپنے بزرگ سید نصیر الدین کے نام پر نصیر آباد رکھا۔

ولادت، نشوونما اور طالب علمی

اسی نصیر آباد میں ۱۱۶۶ھ میں ایک شب جمعہ کو جناب دلدار علی صاحب کی ولادت اور پھر وہیں نشوونما اور ابتدائی تعلیم ہوئی ذوق علم قدرت کی طرف سے بچپن ہی میں بچین کئے ہوئے تھا اور اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے وطن کی سرزمین بے آب نظر آتی تھی اسی لئے مسافرت اختیار کی اور اس وقت کہ جب ذرائع آمدورفت دشوار تھے ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کر کے سندیلہ میں شارح سلم ملا حمد اللہ کے صاحبزادے ملا حیدر علی سے الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے رائے بریلی میں مولوی باب اللہ شاگرد ملا حمد اللہ سے صرف ونحو معانی و بیان وغیرہ اور علوم عقلیہ منطق وفلسفہ وریاضی کی تکمیل کی پھر فیض آباد تشریف لے گئے اور وہاں بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب سہالوی سے

بعض مسائل عقلیہ پر مباحثہ ہوا وہاں سے لکھنؤ تشریف لائے ۔ یہاں اسوقت نواب آصف الدولہ مرحوم کی حکومت تھی اور نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں کا اقتدار تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک کوئی شیعہ عالم ایسا نہیں ہوا جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہو اس طرح خداوند عالم نے ان کو جناب غفرانمآبؒ کی اتنی امداد کی توفیق عطا فرمائی کہ آپ تکمیل علم کے لئے عتبات عالیات کی طرف روانہ ہوئے۔

تکمیل علم اور مراجعت

پہلے عراق پہنچے اور کربلائے معلیٰ میں صاحب ریاض آقا سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی موسوی شہرستانی نیز خودان بزرگوں کے استاد، استاد اکبر آغا باقر بہبہانی سے اور نجف اشرف میں بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی سے فقہ اور اصول اور علم حدیث کی تکمیل کی ۔ اس کے بعد ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس (ایران) کی طرف رخ کیا اور جناب سید محمد مہدی ابن سید ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتساب علوم کیا اور بعد تکمیل ہندوستان مراجعت فرما ہوئے اور مرزا حسن رضا خاں کی خواہش سے لکھنؤ میں قیام فرمایا اور سلسلۂ تصنیف وتدریس وتبلیغ شروع کیا چند ہی سال کے اندر چند کتابیں تصنیف کرکے عراق بھیجیں اور مذکورہ بالا اساتذہ نے اجازات روانہ فرمائے۔

ماحول اور دینی خدمات

اسوقت ہندوستان میں فرقۂ شیعہ کے افراد بڑے دور جہالت سے گذر رہے تھے اقلیت میں ہونے کے ساتھ کوئی علمی و دینی سرچشمہ قریب نہ ہونے کی وجہ سے دوسری جماعتوں کے رسوم کو اختیار کئے ہوئے تھے احمد کبیر کی گائے شیخ سدّو کا بکرا میران جی کے گلگلے اور بھوانی جی کی منتیں ایسے رسوم شیعوں میں رائج تھے جناب غفرانمآب نے ایک طرف موعظہ ونصیحت سے داخلی اصلاح فرمائی اور ان سب رسوم کا قلع قمع کیا اور دوسری طرف دوسرے فرقوں کے علماء کا مقابلہ کیا اس وقت ایک محاذ شیعیت کے خلاف اہلسنت کا تھا اور دوسری طرف صحیح تعلیمات شریعت کے خلاف

اخباریت کا تھا تیسرا بے مغز صوفیت کا جسکے نتیجہ میں پیری مریدی کا زور تھا اور احکام شرعیہ سے قطعی بے پروائی برتی جاتی تھی جناب غفرانمآبؒ نے تن وتنہا ان تمام محاذوں پر مقابلہ کیا۔

اہلسنت کے محاذ کی قوت اس سے ظاہر ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تحفۂ اثناعشریہ اسی دور میں لکھی جس پر ڈیڑھ سو برس گذرنے کے بعد آج تک اہلسنت کی جانب سے مناظرہ کا دارومدار ہے تحفہ کے مختلف ابواب کے جواب میں خود جناب غفرانمآبؒ نے قلم اٹھایا اور پانچ کتابیں پانچ بابوں کے جواب میں لکھیں صوارم الالٰہیات باب الٰہیات کے جواب میں حسام الاسلام باب نبوت کے جواب میں خاتمہ صوارم اثبات امامت میں احیاء السنۃ مبحث معاد ورجعت اور ذوالفقار باب دوازدہم کی رد میں اس کے علاوہ رسالۂ غیبت بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی کی رد میں ہے نیز کچھ ابواب کا جواب اپنے تلامذہ سے لکھوایا جیسے جناب مفتی محمد قلی صاحب نیشاپوری کنتوری جنہوں نے دو بابوں کے جواب میں تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدِ اور تَشْئِيْدُ الْمَطَاعِنِ دو کتابیں لکھیں دوسرا محاذ یعنی اخباریت کا بھی بڑا زور تھا جس کے بڑے سرگروہ اکبرآباد (آگرہ) کے باشندے مرزا محمد بن عبدالصائغ نیشاپوری تھے جو عراق میں جاکر مقیم ہوگئے تھے اور آخر میں مجتہدین کے خلاف ناقابل برداشت سخت کلامیوں کے نتیجہ میں کسی نے جوش اشتعال میں آکر انہیں قتل کردیا اور اسی طرح مرزا محمد مقتول مشہور ہوئے ان کے اثرات اس وقت ہندوستان میں بہت زیادہ تھے اخباریوں کی مایہ ناز کتاب اس وقت فاضل استرآبادی ملا محمد امین کی فوائد مدنیہ تھی چنانچہ جناب غفرانمآبؒ نے اسی کتاب پر قلم اٹھایا اور اساس الاصول اسکی رد میں لکھی۔

یہ اخباریین پر بڑی شدید ضرب تھی چنانچہ مرزا محمد اکبرآبادی نے اس کی رد معاول العقول کے نام سے لکھی جناب غفرانمآبؒ نے اپنے بعض شاگردوں کی طرف سے اس کا جواب مطارق کے نام سے تحریر فرمایا اور آخر غفرانمآبؒ کے مساعی سے اخباریت کا چراغ ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

صوفیت کے مقابلہ میں جناب غفرانمآبؒ نے شہاب ثاقب کتاب لکھی جس میں صوفیا کے اصلی خط و خال کو بالکل بے نقاب کر کے پیش کر دیا گیا ہے مواعظ اور تبلیغات کے ذریعہ اس میں جو حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے اسکا آنکھوں سے مشاہدہ ہورہا ہے کہ سوا سندھ اور پنجاب کے دور دراز مقامات کے جہاں آواز پوری طرح پہونچ نہ سکی تھی یوپی اور اسکے قریب کے تمام علاقوں میں شیعوں کے اندر پیری و مریدی خانقاہوں اور اولیاء کے مزارات کا نام ونشان تک نہیں ہے ان تینوں محاذوں پر مدافعانہ مجاہدات کے علاوہ شیعوں کی ذہنی مذہبی تربیت کے لئے ایک طرف مواعظ کا سلسلہ قائم فرمایا۔ دوسری طرف عزائے امام حسینؑ کی ترویج و اشاعت میں پورا انہماک صرف کیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ ایک کتاب اِثَارَةُ الْاَحْزَانِ عَلٰی الْقَتِیْلِ الْعَطْشَانِ اور دوسرے مُسَکِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ اور تعمیری شکل میں ایک عزاخانہ لکھنؤ میں تعمیر کرایا جو حسینیہ غفرانمآبؒ کے نام سے دنیائے شیعت میں مشہور ہے اور دوسرا حسینیہ اپنے وطن نصیر آباد میں بنوایا جسکے آثار شکستہ اس وقت تک موجود ہیں اسکے علاوہ آصف الدولہ کا امامباڑہ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔

ان تمام خدمات میں سے ہر ایک میں جتنا کام غفرانمآبؒ نے بذات خود کیا ہے وہ کسی ایک شخص کی پوری زندگی کا کارنامہ بن سکتا تھا چہ جائیکہ ان تمام خدمات کو مجموعی حیثیت سے بوقت واحد انجام دینا یہ بغیر مخصوص تائید وتوفیق الٰہی کے خیال میں نہیں آسکتا پھر مستقل علمی خدمات اور مختلف فنون میں تصانیف یہاں تک کہ فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ ملاصدرا کا حاشیہ اور منطق میں حمد اللہ کا حاشیہ یہ پوری زندگی کے کارنامے وہ ہیں جنکا مثل ونظیر غفرانمآبؒ کے بعد آپ کے اخلاف وتلامذہ اور بعد کے طبقات میں بھی نہیں ملتا جب کہ اب حالات اطمینان بخش ہو چکے تھے اور ایک ماحول تیار ہو گیا تھا اور یوں کہنا چاہئے کہ ان تمام شعبوں میں بنیادیں قائم ہو کر تھوڑی دیواریں بھی تعمیر ہو گئی تھیں صرف انہیں اونچا کرنا تھا پھر بھی غفرانمآبؒ کی سعی ہمہ گیری کسی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔

مذکورہ تمام امور کے علاوہ پھر طلاب کی تدریس و تربیت جسکا نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں بھی علم ہے اس کی انتہا غفرانمآب طاب ثراہ تک ضرور ہوتی ہے جسکے تفصیلی تذکرہ کی اس مقام پر گنجائش نہیں ہے۔

تصانیف:

جناب غفرانمآبؒ کے تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو وہ اتنی مقدار میں ہیں جس سے خیال ہو سکتا ہے کہ ان کا مشغلہ سوائے تصانیف کے کچھ تھا ہی نہیں۔

ان کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) عمادالاسلام

جسکا اصلی نام مرآۃ العقول ہے یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط وضخیم ہے جسکے مثل دنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے شیعوں میں تو علم کلام کی کتابوں میں اسکے پہلے محقق طوسیؒ کی تجرید تھی جسے صرف ایک رسالہ سمجھنا چاہئے اور پھر علامہ حلیؒ کی شرح تجرید یہ بھی تین چار سو صفحات کی بس ایک جلد ہے اہلسنت میں علم کلام کی اہم کتابیں شرح مقاصد اور شرح مواقف ہیں ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ چھ سات سو صفحات کی کتاب ہے لیکن سب سے پہلی اور آخری کتاب عمادالاسلام ہے جسکی پانچ جلدیں ہیں جن میں سے توحید بڑے سائز کے تقریباً چار سو صفحات کی عدل دو سو صفحات کی نبوت تین سو صفحات کی اور امامت تقریباً چھ سو صفحات کی اور معاد پانچ سو صفحات کی ہے اس طرح مجموعاً تقریباً یہ بیس بائیس سو صفحات کی کتاب ہے جسکے مقابل نہ اسکے پہلے کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ اسکے بعد لکھی گئی ہے پھر یہ کسی ایسی کتاب کی جلدیں نہیں ہیں جس میں صرف منقولات ہوں اور مؤلف کا کام بس دوسری کتابوں کی عبارتوں کا نقل کرنا ہو بلکہ یہاں عقلی مباحث ہیں جن میں محنت ہی نہیں قابلیت بھی درکار ہے اور دماغ سوزی کی ضرورت ہے اگر غفرانمآبؒ نے عمر بھر میں یہی ایک کتاب لکھی ہوتی تو انکے دیگر مشاغل کو دیکھتے ہوئے یہ خارق

عادت امر تھا چہ جائیکہ ان کے مصنفات میں سے صرف ایک ہے اسکی تین جلدیں ہیں توحید، عدل اور نبوت مطبوعہ عماد الاسلام میں جو جناب قدوۃ العلماء طاب ثراہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئیں مگر امامت اور معاد کی جلدیں اب تک منظر عام پر نہ آسکیں۔

(۲) شہاب ثاقب

یہ تقریباً چار سو صفحات کی کتاب صوفیا کی رد میں ہے جس میں انکے اقوال واعمال پر شدید ناقدانہ نظر اور انکے کفریات ومزخرفات پر بہت تیز روشنی ڈالی گئی ہے افسوس ہے کہ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔

(۳) ذُوالفِقَار

یہ شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے بارہویں باب کی رد ہے جو تقریباً تین سو صفحات کی ہے اور مطبع مجمع البحرین لدھیانہ میں جسے ارسطو جاہ رجب علی خاں اعلی اللہ مقامہ نے قائم کیا تھا طبع ہوئی۔

(۴) صَوَارِمُ الْاِلٰهِيَّاتِ

یہ تحفۂ اثنا عشریہ کے باب الٰہیات کی رد میں ہے۔

(۵) حُسَامُ الْاِسْلَامِ

یہ تحفہ کے باب نبوت کا جواب ہے

(۶) خاتمہ کتاب صوارم

یہ اثبات امامت میں ایک علٰحدہ رسالہ ہے۔

(۷) اِحْيَاءُ السُّنَّةِ

یہ تحفہ کے مبحث معاد ورجعت کی رد ہے۔

(۸) رسالۂ غیبت

یہ بھی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اقوال کی رد میں ہے اور شاہی مطبع لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔

(۹) اساس الاصول

یہ اخباریین کی مایہ ناز کتاب فوائد مدنیہ مصنفہ محمد امین استرا آبادی کی رد میں ہے جو لکھنؤ کے شاہی مطبع میں طبع ہوئی تھی

(۱۰) مواعظ حسینیہ

یہ لکھنؤ میں قیام جمعہ و جماعت کے بعد جو مواعظ ارشاد فرمائے گئے تھے انکا مجموعہ ہے۔

(۱۱) شرح حدیقة المتقین

مصنفہ مولانا محمد تقی مجلسیؒ کتاب الصوم یہ اصل کتاب بھی فارسی میں تھی اور اسکی شرح بھی فارسی میں ہے جو اس وقت کی عام فہم زبان سمجھی جاتی تھی۔

(۱۲) شرح حدیقة المتقین کتاب الزکوٰۃ

(۱۳) رسالہ دربارہ نماز جمعہ

یہ عراق سے واپسی اور لکھنؤ میں قیام کے ابتدائی دور میں غالباً اس وقت تحریر فرمایا تھا جب لکھنؤ میں نیا نیا نماز جمعہ و جماعت کا دور دورہ ہوا ہے اور ابھی عامہ مُومنین کو پوری طور پر نماز جمعہ کی اہمیت کا احساس نہ تھا تو اسوقت یہ رسالہ تحریر فرمایا گیا۔

(۱۴) حاشیہ صدرا

یہ فلسفہ کی مشہور کتاب شرح ہدایۃ الحکمۃ مصنفہ صدر المتالین شیرازی کا حاشیہ ہے جسکی مدح وثنا جناب سید محمد مرتضیٰ صاحب فلسفی نونہروی نے معراج العقول میں اپنے استاد مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی زبانی نقل کی ہے۔

(۱۵) رسالہ مثناۃ بالتکریر

یہ بحث صدرا کی بہت مشہور ہے اس رسالہ میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۶) مُنْتَهیٰ الْاَفْکارِ

اصول فقہ میں معالم کو ایک منفرد مسلم حیثیت حاصل تھی سب سے پہلے صاحب قوانین نے معالم کے بہت سے نظریات سے اختلاف کیا اور کچھ جدید نظریات اختیار کئے جناب غفرانمآبؒ اور صاحب قوانین ایک ہی استاد کے شاگرد تھے آپ نے قوانین کے مضامین کا علمی جائزہ لینے کے لئے کتاب تحریر فرمائی یہ کتاب انجمن یادگار علماء کی جانب سے جسے عم معظم علامہ ہندی اعلی اللہ مقامہ نے قائم فرمایا تھا تصویر عالم پریس لکھنؤ میں چھپ کر شایع ہوئی۔

(۱۷) اِثَارَۃُ الْاَحْزَانِ عَلَی الْقَتِیْلِ الْعَطْشَانِ

یہ کتاب عربی میں حالات سید الشہداءؑ میں ہے جس میں کتب معتبرہ سے روایات واقعۂ کربلا کو درج فرمایا ہے۔

(۱۸) مُسَکِّنُ الْقُلُوْبِ عِنْدَ فَقْدِ الْمَحْبُوْبِ

آپ کے نہایت عزیز فرزند مولانا سید مہدی نے ۱۲۳۱ھ میں رحلت فرمائی ان کے انتقال سے جناب غفرانمآبؒ کو شدید صدمہ ہوا انہیں تاثرات میں یہ کتاب تحریر فرمائی جو شہیدؒ ثانی کی کتاب مُسَکِّنُ الْفُؤَادِ عِنْدَ فَقْدِ الْاَحِبَّۃِ وَ الْاَوْلَادِ کے رنگ میں ہے اس میں حالات حضرت سید الشہداءؑ بھی خاص انداز میں درج کئے ہیں۔

(۱۹) اجازۂ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ

یہ وہ اجازہ ہے جو آپ نے فرزند اکبر کے لئے تحریر فرمایا تھا اس میں روایت و درایت کے بہت سے مباحث کے علاوہ اپنے اساتذہ کے مختصر حالات بھی تحریر فرمائے ہیں نیز آخر میں بڑے بیش قیمت وصایا ہیں۔

(۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی

(۲۱) رسالۂ ارضیین عربی

اس میں مختلف طرح کی زمینوں کے شرعی احکام استدلالی طور پر تحریر فرمائے ہیں۔

(۲۲) رسالۂ ذہبیہ

سونے اور چاندی کے برتنوں کے احکام میں۔

(۲۳) رسالہ ردنصاریٰ

(۲۴) مطارق

یہ اساس الاصول کے جواب میں مرزا محمد اکبر آبادی مقتول کی کتاب معادل العقول کا جواب ہے جو بعض تلامذہ کے نام سے لکھا گیا تھا۔

(۲۵) رسالہ در ادعیہ کفن

تلامذہ

تصانیف کے اس عظیم الشان ذخیرہ کے بعد جناب غفرانمآبؒ کے شاگردوں کی فہرست اور ان شاگردوں کے مقامات عالیہ اور علمی جلالت پر نظر پڑتی ہے تو پھر سوا حیرت کے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا۔ یہ شاگرد بھی ایسے ہیں کہ ان میں بس صرف کوئی ایک فرد ہوتی تو وہ اپنے استاد کا کارنامہ قرار پا سکتی تھی چہ جائیکہ اتنی باکمال فردیں بوقتِ واحد کسی استاد کے شاہکاروں میں داخل ہوں۔

پھر وہ موجودہ زمانہ نہیں تھا کہ کسی بڑے استاد کے منتہی شاگرد ابتدائی تعلیم کسی اسکول میں حاصل کئے ہوتے ہیں۔ پھر کسی کالج میں داخل ہو کر مختلف درجوں کی تعلیم الگ الگ استادوں سے حاصل کرتے ہیں معانی، بیان میں کسی سے اور منطق میں کسی سے اور ادب میں کسی سے استفادہ کرتے اور پھر آخر میں جا کر دو ایک سال اس بڑے استاد سے پڑھ لیتے ہیں اور پھر شرف و امتیاز کی خاطر اسی بڑے استاد کے شاگرد کی حیثیت سے دنیا میں اپنا تعارف کراتے ہیں خصوصاً ہمارے مدارس کے فارغ التحصیل اور سند یافتہ حضرات اپنی استعداد علمی مختلف مدرسین و علماء کے گھروں پر جا کر ان سے پڑھ کر درست کرتے ہیں مگر چونکہ سند یافتہ وہ اس مدرسہ کے ہوتے ہیں لہٰذا وہ محسوب ہوتے ہیں۔ اس مدرسہ کے پرنسپل صاحب قبلہ کے تلامذہ میں اس دور میں جب جناب غفرانمآبؒ

لکھنؤ میں تشریف لائے ہیں علمی مدارس نہیں تھے۔ دینی کالج نہیں تھے بہت سے اساتذہ وعلماء نہیں تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ جناب غفرانمآبؒ اپنے بیٹوں اور شاگردوں کے لئے ایک اکیلے پورا مدرسہ تھے۔ پھر جب ان صاحبزادوں اور شاگردوں کی مختلف فنون میں خصوصی مہارت کو دیکھا جاتا ہے جو موجودہ دور کے اکسپرٹ والے نظام کے مطابق ہے یعنی ایک طرف جناب سلطان العلماء بڑے قبلہ وکعبہ اور مفتی محمد قُلی صاحب ہیں جو علم کلام کے ماہر خصوصی ہیں۔ ایک جانب سبحان علی خاں مصنف وجیزہ ہیں جو مناظرہ میں دستگاہ خاص کے مالک ہیں ایک سمت جناب سید العلماء علیین مکاں اور علامۃ العلماء سید احمد علی صاحب محمد آبادی ہیں جو فقہ واصول کے یگانہ روزگار رہیں اور ایک رُخ پر میر علی بخش صاحب کنتوری ہیں جو ادب میں فردِ فرید ہیں۔ پھر ایک طرف مولانا سید علی صاحب اور مولوی یاد علی نصیر آبادی مفسر قرآن ہیں۔

اور ایک جانب سید نظام الدین حسین صاحب ہیئت وریاضی اور معقولات کے استاد کامل ہیں اور مرزا زین الدین احمد خاں ادب اور عروض وقوافی کے ممتاز ماہر ہیں تو یہ کہنا بالکل درست معلوم ہوتا ہے کہ غفرانمآبؒ بذات خود ایک مدرسہ نہیں بلکہ عربی زبان اور دینی علوم کی ایک پوری یونیورسٹی تھے جس کا ہر شاگرد پھر خود اپنے شعبہ میں تعلیم کا ایک مدرسہ اور تصنیف کا ایک ادارہ بن گیا۔

ذیل میں ان کے شاگردوں کے نام مختصر تعارف کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان العلماء مولانا سید محمد رضواں مآبؒ جناب غفرانمآبؒ کے بڑے صاحبزادے آپ اپنے والد بزرگوار کی علمی تربیت کا نمایاں مرقع تھے اور جناب غفرانمآبؒ کے بعد وہ ریاستِ علمیہ کے سچے معنی میں تاجدار ہوئے۔ (۲) مولانا سید علی صاحب غفرانمآبؒ کے دوسرے بیٹے تھے سب سے پہلے اردو زبان میں مذہبی علوم کے منتقل کرنے کا آپ کو خیال پیدا ہوا اور مکمل تفسیر قرآن دو جلدوں میں تحریر فرمائی یہ اردو زبان میں دُنیائے شیعیت کی سب سے پہلی تفسیر ہے۔ (۳) مولانا سید حسن جناب غفرانمآبؒ کے تیسرے بیٹے اردو زبان میں علمِ کلام کی سب سے پہلی کتاب باقیات

الصالحات کے مصنف (۴) چوتھے بیٹے مولانا سید مہدی عنفوان شباب میں باپ کی زندگی میں انتقال کیا۔معقول ومنقول میں بلند پایہ رکھتے تھے۔(۵) جناب سید العلماء سید حسین علیین مکاں اپنے وقت کے اعلم دُنیا تھے (۶) محقق کاظم مرزا کامل علی صاحب جناب غفرانمآبؒ کے قدمائے تلامذہ میں سے تھے۔مولانا احمد علی صاحب محمد آبادی نے اپنی کتاب سفر السعادۃ میں اپنے حالات میں ان کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ طالب علمی میں جب وہ لکھنؤ آئے تو پہلے غفرانمآبؒ کے شاگرد رشید مرزا کاظم علی صاحب سے ملے اور کچھ عرصہ تک ان سے تعلیم حاصل کی پھر انہیں کے ذریعہ سے جناب غفرانمآبؒ تک پہونچے اور ان کے شاگرد ہوئے۔(۷) مرزا محمد خلیل جناب غفرانمآبؒ کے بڑے عزیز شاگرد تھے ان کے انتقال پر اپنے تأثرات کا اظہار غفرانمآبؒ نے عماد الاسلام کے دیباچہ میں کیا ہے (۸) علامۃ العلماء حاج سید احمد علی محمد آبادی معقولات ومنقولات میں بہت بلند پایہ تھے عربی اشعار بھی نظم فرماتے تھے جو جناب مفتی میر محمد عباس صاحب کی ظل ممدود میں درج ہیں۔نیز عربی نثر بھی ادبی رنگ میں تحریر فرماتے تھے۔آپ نے اپنا سفرنامہ حج وزیارات ''سفرا لسعادۃ'' کے نام سے لکھا ہے جس میں اپنے اور نیز اپنے استاد جناب غفراں مآبؒ اور استاد زادوں کے مختصر حالات بھی درج فرمائے ہیں۔یہ جناب مولوی علی میاں صاحب کامل کے والد بزرگوار تھے (۹) مفتی محمد قلی صاحب موسوی نیشاپوری کنتوری، جناب مولانا حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملۃ کے جد امجد تھے۔علم کلام میں خاص پایہ رکھتے تھے۔تحفہ کے متعدد ابواب کی رد میں "تَشْئِيْدُ الْمَطَاعِنِ" "تَقْلِيْبُ الْمَكَائِدِ" اور'' سیف ناصری'' وغیرہ آپ کی کتابیں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔(۱۰) سبحان علی خاں صاحب آپ الہ آباد کے کمبوہ خاندان کے مورث اعلیٰ تھے۔حکومت اودھ میں وزیر کے درجہ پر بھی تھے۔فن کلام ومناظرہ کی تکمیل جناب غفراں مآب صاحب سے کی تھی آپ کی کتاب ''وجیزہ'' رد اہلسنت میں بہت بلند پایہ ہے (۱۱) مرزا فخر الدین احمد خاں معروف بمرزا جعفر صاحب (۱۲) مولوی سید یاد علی

صاحب نقوی نصیرآبادی آپ نے فارسی زبان میں تفسیر تحریر فرمائی جو ہندوستان میں شیعوں کی پہلی فارسی تفسیر ہے (۱۳) میر مرتضیٰ صاحب مصنف رسالۂ ''اسرار الصلاۃ'' (۱۴) سید غلام حسین صاحب (۱۵) سید محمد باقر صاحب واعظ۔ (۱۶) سید شاکر علی صاحب (۱۷) سید علی صاحب (۱۸) حاجی سید نظام الدین حسین صاحب (۱۹) مرزا جواد علی صاحب (۲۰) حکیم مرزا علی شریف صاحب محشی کتب کلامیہ وطبیہ ومصنف رسالۂ طبیہ (۲۱) سید مرتضیٰ صاحب (۲۲) مرزا محمد رفیع عرف مرزا مُغل صاحب غافل (۲۳) مولوی سید بہاؤالدین صاحب (۲۴) مولوی سید اصغر ابن سید بہاؤالدین صاحب (۲۵) حکیم مرزا علی صاحب (۲۶) سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب کنتوری عربی ادب اور شاعری میں یکتائے زمانہ تھے آپ نے اساس الاصول کا اردو ترجمہ کر کے ہماری زبان میں اصول فقہ کا بھی ایک ذخیرہ فراہم کیا (۲۷) مرزا اسماعیل صاحب جو زیارات سے مشرف ہونے کے بعد سے تبلیغ دین کے لئے حیدرآباد تشریف لے گئے (۲۸) مرزا محمد علی صاحب سفر زیارت کے بعد مکۂ معظمہ گئے پھر واپس نہیں آئے (۲۹) سید سجاد علی صاحب جائسی آپ نے عماد الاسلام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا (۳۰) مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب آپ ادب اور عروض وقوافی کے فن میں کامل تھے (۳۱) مولوی سید اعظم علی صاحب (۳۲) ملا علی نقی قزوینی (۳۳) مولوی سید علی نقی ابن سید بہاؤالدین صاحب (۳۴) مولوی سید بنیاد علی صاحب (۳۵) میر خدا بخش صاحب مختار آفرین علی خاں (۳۶) مولوی مُنو علی خاں جو سُنی سے شیعہ ہوئے تھے (۳۷) سید امان علی صاحب (۳۸) مولانا سید عبدالعلی دیوکھٹوی جو فیض آباد کے خاندان پیش نماز کے مورث اعلیٰ ہیں (۳۹) مولانا سید محمد صاحب ابن سید عبدالعلی صاحب مذکور (۴۰) مولوی سید کلب علی صاحب ابن عبدالعلی صاحب مذکور (۴۱) مولوی سید اشرف علی صاحب بلگرامی۔ غالباً عربی کتاب رَوْضُ الْجِنَانِ فِیْ مُشْتَھَی الْجِنَانِ آپ ہی کی تصنیف ہے۔

مبلغین کا تقرر

آپ نے مختلف اطراف میں ہدایت وتعلیم دین کے لئے مبلغین کے تقرر کی ابتدا بھی فرمادی تھی ۔ چنانچہ مولانا عبدالعلی صاحب اور ان کے صاحبزادے فیض آباد تشریف لے گئے مرزا اسماعیل صاحب حیدر آباد دکن گئے ۔امروہہ سے محلہ گزری کے مولوی سید محمد عبادت صاحب نے لکھنؤ جا کر جناب غفرانمآبؒ سے امامت جماعت کا اجازہ حاصل کیا اور مسائل شرعیہ کی تعلیم کے لئے جناب غفرانمآبؒ نے شیخ حرؒ عالمی کی کتاب بدایۃ الھدایہ مرحمت فرمائی کہ اختلافی مسائل میں احتیاطی احکام کی مومنین کو تلقین فرمائیں سبحان علی خاں صاحب مرحوم کے خاندان سے الہ آباد میں خدمات دینیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔

وفات

لکھنؤ میں پینتیس برس کامل اس جہاد زندگی میں مصروف رہ کر تقریباً ستر برس کی عمر میں ۱۹/رجب ۱۲۳۵ھ کو رحلت فرمائی اور اپنے بنا کردہ امام باڑے کی صحنچی میں دفن ہوئے۔

مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی نے تاریخ نظم فرمائی جو درج ذیل ہے:

فقیہ و مجتہد وعالم و مروّج دیں
شریف مکۂ علم و کمال وفضل و تقا
ضیاء دیدۂ دروازہ مدینۂ علم
عزیز مصر سیادت،سپہر مجد و علا
نہ دید چشم فلک مثل آں مجدّد دیں
کہ شاہد اند بفضل و بزرگیش اعدا
جمال در خور علم وکمال داشت از اں
کہ بد ز روز ازل مہبطِ فیوض خدا

بآبیاری ارشاد آں سحاب فیوض
دمید در گل ناچیز ہند لیش گلہا

رسید چوں شب تاسع عشر ز ماہِ رجب
سفربہ روضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جاں کاہ شیعیاں یکسر
بہ سوز سینہ نمود ند ماتمش برپا
چوایں مصیبتِ عظمٰی در اہل دیں روداد
بدل گزشت کہ تاریخ آں کنم نشاں
سروش غیب ہماں وقت ناگہاں فرمود
ستون دین بزمیں اوفتاد واویلا
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

سلسلۂ نسلِ غفران مآبؒ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَهُ الْحَمْدُ وَالصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ

چونکہ اکثر مصنفینِ کتبِ انساب اس کے طلبگار ہوتے ہیں کہ ان کو جناب غفران مآبؒ کی اولاد کے متعلق تفصیل سے بتایا جائے اور ہر ایک کے لئے الگ الگ لکھنا دشوار ہوتا ہے لہٰذا کچھ مجملات پر اکتفاء کر کے ان کی فرمائش کی تعمیل کی جایا کرتی ہے جو ان کے لئے ناکافی ثابت ہوتی ہے لہٰذا اب اس رسالہ میں جہاں تک کہ اس وقت معلومات باقی ہیں محفوظ کر دیئے جاتے ہیں تاکہ بعد کے مصنفین کے لئے سرمایہ بن سکے۔ وَلِيَكُوْنَ تَذْكِرَةً لِاُولِى الْاَلْبَابِ۔

علی نقی النقوی

۲۲/ج ۱ ۱۳۷۸ھ

(۱)

جناب غفرآن مآب آیۃ اللہ سید دلدار علی اعلیٰ اللہ مقامہٗ

جناب غفرآن مآب مولانا سید دلدار علی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے زوجہ اولیٰ سے جو نصیر آباد کی تھیں، پانچ صاحبزادے تھے اور دو صاحبزادیاں۔

۱۔ سلطان العلماء آیۃ اللہ سید محمد رضوان مآبؒ جو بڑے قبلہ وکعبہ کہلاتے تھے۔

۲۔ سید المفسرین آیۃ اللہ سید علی طاب ثراہ۔

۳۔ آیۃ اللہ سید حسن طاب ثراہ۔

۴۔ آیۃ اللہ سید مہدی طاب ثراہ۔

۵۔ سید العلماء آیۃ اللہ سید حسین علیین مکان جو جناب میرن صاحب قبلہ کے نام سے مشہور تھے اور چھوٹے قبلہ وکعبہ کہلاتے تھے۔

صاحبزادیوں میں ایک زکیہ بیگم اور ایک سلمیٰ بیگم دونوں عالمہ تھیں جن کا لاولد انتقال ہوا۔

زوجۂ ثانیہ سے تین صاحبزادیاں ہوئیں۔ دو لاولد فوت ہوئیں۔ تیسری لطف النساء بیگم جو علم وتقویٰ میں ممتاز تھیں جن کی قبر حسینیۂ جناب غفران مآبؒ میں نمایاں ہے اور اس پر نام کا پتھر کندہ ہے۔

جیسا کہ جناب قدوۃ العلماءؒ نے حالات خاندانی میں تحریر فرمایا ہے: ان کے صاحبزادے مولانا سید عباس صاحب تھے جن کی شادی دختر مولانا سید عبدالحسین صاحب ابن سلطان العلماءؒ کے ساتھ ہوئی ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا نصیرالدین صاحب ابن ممتاز العلماءؒ کو منسوب ہوئی اور لاولد رہیں اور صاحبزادے جناب مولانا بڈھن صاحب مشہور حدیث خوان تھے۔

مولانا سید عباس صاحب کی ایک دوسری زوجہ سے بھی ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی مولانا سید عنایت حسین صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ بھی لاولد رہیں۔

سید بڈھن صاحب کی ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا سید زاہد حسن صاحب کو منسوب ہوئیں۔

(۲)

جناب سلطان العلماء رضوان مآبؒ

جناب سلطان العلماء کے بہت سے صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں جن میں سے حسب ذیل معلوم ہیں:

۱۔ مولانا سید محمد باقر صاحب جو شریف الملک کے لقب سے ملقب اور منصف الدولہ کے

خطاب سے مشہور تھے۔[۱]

۲۔ خلاصۃ العلماء آیۃ اللہ سید مرتضیٰ ثانیٔ علم الہدیٰ۔[۲]

۳۔ آیۃ اللہ سید صادق۔

۴۔ مولانا سید عبداللہ۔

یہ چاروں صاحبزادے زوجۂ اولیٰ سے تھے جو سید میاں صاحب نصیر آبادی کی ہمشیرہ تھیں۔

۵۔ ملک العلماء آیۃ اللہ مولانا سید بندہ حسین مغفرت مآبؒ۔

۶۔ مولانا سید غلام حسین۔

یہ دونوں بزرگوار ایک ماں کے بطن سے تھے۔

۷۔ تاج العلماء آیۃ اللہ سید علی محمد۔

آپ کی والدہ خواہر مولانا سید محمد تقی صاحب حدیث خوان تھیں۔

۸۔ ڈپٹی مولانا سید علی اکبر صاحب۔

۹۔ مولانا سید محمد علی صاحب۔

۱۰۔ مولانا سید عبدالحسین صاحب۔

ان کے علاوہ صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل ان کی اولاد کے ذکر کے ساتھ صاحبزادوں کی اولاد کے تذکرہ کے بعد آئے گی۔

(۳)

جناب منصف الدولہ مولانا سید محمد باقر

جناب منصف الدولہ کے زوجۂ اولیٰ سے جو خاندان قاضی سید ہاشم علی صاحب پرشد پوری سے تھیں، ایک صاحبزادے تھے مولانا سید محمد جعفر صاحب امیدؔ جن کی شادی ہمشیرہ مولانا نواب سید مہدی حسین صاحب ماہرؔ کے ساتھ ہوئی۔ ان کے خلف الصدق جناب مولانا سید محمد کاظم عرف بندہ

کاظم صاحب جاوید تھے جن کالا ولد انتقال ہوا۔

دوسرے انہی زوجہ سے ایک صاحبزادی قمر النساء بیگم صاحبہ تھیں جو جناب زبدۃ العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ کو منسوب ہوئیں۔[۳] جن سے بس ایک صاحبزادی ہوئیں جو جناب فردوس مکان سید العلماء سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ کو منسوب ہوئیں۔ ان کا اور ان کی اولاد کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

جناب منصف الدولہ کی دوسری صاحبزادی زوجہ ثانیہ سے تھیں جن کے صاحبزادے مولانا سید عنایت حسین صاحب تھے۔

جناب سید عنایت حسین صاحب کی پہلی شادی بنت سید عباس صاحب کے ساتھ ہوئی تھی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ دوسری شادی جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہٗ کے صاحبزادے مولانا سید حسن صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن کی ایک صاحبزادی زوجۂ سید محمد شفیع صاحب نصیر آبادی ہیں جن کے بیٹے شمس الحسن صاحب کراچی میں ہیں۔

جناب منصف الدولہ کی تیسری صاحبزادی کنیز بتول بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی پر شدیپور میں مولانا نجف علی صاحب کے ساتھ ہوئی۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

(۴)

خلاصۃ العلماء آیۃ اللہ سید مرتضیٰ

خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب کی زوجۂ اولیٰ سے جو بنت جناب سید حسن صاحب ابن غفرانمآب تھیں ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو جناب عماد العلماء میر آغا صاحب قبلہ کے لئے نامزد ہوئی تھیں مگر نا کتخدائی کی حالت میں انتقال ہوگیا۔

زوجہ ثانیہ سے حسب ذیل صاحبزادگان ہوئے:

۱۔ مولانا سید سبط محمد صاحب مرحوم۔[۴]

۲۔ مولانا سید اصطفا عرف لڈن صاحب خورشیدؔ۔ [۵]

۳۔ مولانا جناب محمد سخا عرف منّن صاحب۔

مولانا سید سبط محمد صاحب کی زوجۂ اولیٰ سے جو جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب مرحوم کی صاحبزادی تھیں حسب ذیل اولاد ہوئیں:

۱۔ مولوی سید علی جعفر صاحب جن کی ایک صاحبزادی ہیں جو منظر صاحب فرزند خطیب اعظم مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کی اہلیہ ہیں۔

۲۔ مولانا سید حسن جعفر عرف منجھلے صاحب حدیث خوان۔ [۶]

ان کی اولاد سیتاپور میں رہی اور اب پاکستان میں ہے۔ یہ خود کبھی سیتاپور کبھی بہرائچ اور کبھی لکھنؤ میں رہے۔ آج کل پاکستان میں ہیں۔

۳۔ سید حسین جعفر صاحب۔ بسلسلۂ ملازمت سرکاری الہ آباد میں مقیم رہے۔ ان کے پسماندگان اب پاکستان میں ہیں۔

۴۔ ایک صاحبزادی جو نواب مولوی سید نظیر حسین عرف بڑے صاحب ابن نواب سید مہدی حسین صاحب ماہرؔ کو منسوب تھیں۔ یہ موجود ہیں اور عمر کے لحاظ سے اس وقت بزرگ خاندان ہیں۔

مولانا سید سبط محمد صاحب کی دیگر ازواج سے حسب ذیل اولاد تھیں:

۱۔ مولوی حسن عسکری صاحب۔

۲۔ مولوی حسن مہدی عرف مدّو صاحب۔

۳۔ مولوی ناصر حسین صاحب۔

۴۔ مولوی منصور حسین صاحب۔

ان تمام کی اولاد سیتاپور میں رہی جس کی تفصیل معلوم نہیں۔

ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں تھیں۔ دو کی شادی سیتاپور میں ہوئی اور ایک لکھنؤ میں اپنی خالہ

کے بیٹے سے منسوب ہوئیں۔ ایک کا ناکتخدائی کی حالت میں اپنے والد مرحوم کے انتقال کے تیسرے دن انتقال ہو گیا۔

جناب لڈن صاحب خورشیدؔ مرحوم کے زوجۂ اولیٰ سے جو جناب میر مہدی حسین صاحب ماہرؔ مرحوم کی صاحبزادی تھیں تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید علی احمد عرف چھبّن صاحب۔

۲۔ مولوی اغن صاحب۔

۳۔ مولوی بنّے صاحب اخترؔ مرحوم۔[۷]

ان سب کا لا ولد حالت میں انتقال ہوا۔

ایک دوسری زوجہ کے بطن سے چوتھے صاحبزادے نبن صاحب موجود ہیں جو محلہ حسن پوریہ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ ان کے صاحبزادگان کجّن صاحب اور ان کے بھائی اور بہنیں ہیں۔ یہ بھی ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔

جناب سید محمد سخا صاحب کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا علی رضا صاحب مرحوم جو مسجد نئے محل میں رہتے تھے ان کی اولاد موجود ہے۔

۲۔ سید مہدی رضا عرف ننھن صاحب مرحوم جنھوں نے عمر کا کافی حصہ بسلسلۂ کاروبار بمبئی میں گزارا آخر میں لکھنؤ آ کر لا ولد انتقال کیا۔

ان کے علاوہ کئی صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بڑی جناب سید صاحب تاجر بید مشک [۸] کو منسوب ہوئی تھیں۔ ان کے کئی صاحبزادے تھے جن میں سے اب ایک سید صادق رضا صاحب [۹] موجود ہیں۔

منجھلی بکّو صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں اور چھوٹی جناب مولانا سید عابد علی صاحب کو۔ یہ دونوں لا ولد رہیں۔

(۵)

آیۃ اللہ سید صادق

مولانا صادق صاحب کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک کا لاولد انتقال ہوا۔ دوسری صغریٰ بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی مولوی سید الطاف علی صاحب ولد لطف علی صاحب سے ہوئی۔ ان کے ایک صاحبزادے ہوئے اور ایک صاحبزادی،

صاحبزادے مولانا سید محمد صالح صاحب تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے:

۱۔ مولانا سید محمد ناصح عرف بدن صاحب۔

۲۔ مولوی سید محمد یعقوب عرف بکو صاحب

۳۔ مولوی سید شجاعت حسینؒ عرف شجن صاحب۔ [۱۰]

یہ سب ہی لاولد رہے۔

صاحبزادی جناب باقری بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی میر حسن صاحب برادر میر عطا حسین صاحب جائسی سے ہوئی۔ ان کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ ابوالقاسم عرف میاں صاحب جو خوش نویس تھے۔

۲۔ سید صادق علی عرف چھنگا صاحب حسینؔ۔

۳۔ سید مجاور حسین عرف مجن صاحب تمناؔ۔

اور ایک صاحبزادی تھیں جو جناب جاویدؔ صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں۔

سوا چھنگا صاحب کے باقی سب لاولد رہے۔ چھنگا صاحب کی کئی صاحبزادیاں موجود ہیں جن میں سے بعض صاحب اولاد ہیں۔

(۶)

مولانا سید عبداللہ

مولانا سید عبداللہ کی اہلیہ خاندان قاضی سید ہاشم علی صاحب پرشد پوری سے تھیں۔ ان کی ایک صاحبزادی جناب سکینہ بیگم صاحبہ تھیں جن کی شادی میر واجد علی صاحب پرشد پوری سے ہوئی جن کی تین صاحبزادیاں تھیں۔

۱۔ جو میر اولاد حسین صاحب پرشد پوری کو منسوب ہوئیں۔ ان کے صاحبزادے مولوی سید یوسف علی صاحب تھے جن کے فرزند سید ناصر صاحب پرشد پور میں موجود ہیں۔

۲۔ جو سید غضنفر علی صاحب عرف غفو صاحب پرشد پوری کو منسوب ہوئی تھیں یہ لاولد رہیں۔

۳۔ جناب ماجدہ بیگم صاحبہ۔ یہ بھی لاولد رہیں۔

(۷)

ملک العلماء سید بندہ حسین مغفرت مآبؒ

جناب ملک العلماء آیۃ اللہ سید بندہ حسین کے چار صاحبزادے تھے:

۱۔ جناب بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین عرف علّن صاحب قبلہ۔

۲۔ جناب ملاذ العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ۔

۳۔ جناب مولانا سید رضا حسین صاحب مرحوم جن کا لاولد انتقال ہوا۔

۴۔ مولانا سید محمد مسیح عرف نواب حسین صاحب۔ ان کا بھی لاولد انتقال ہوا۔ ان کے علاوہ صاحبزادیاں جن کا تذکرہ بعد کو آئے گا۔

جناب علّن صاحب قبلہ کے متعدد صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید ظفر مہدی عرف جفّن صاحب مرحوم جو لاولد رہے۔

۲۔ جناب رئیس العلماء مولانا سید محمد عرف آغا صاحب۔ [۱۱] یہ بھی لاولد رہے۔

۳۔ ابوالمعارف مولوی سید دلدار علی عرف منے آغا صاحب راز اجتہادی۔ [۱۲] آپ کے صاحبزادے سکندر آغا صاحب پاکستان چلے گئے ہیں لاہور میں ہیں۔

۴۔ مولوی سید رضی صاحب ہدفؔ مرحوم [۱۳] جن کے کم عمر بچے ہیں جو جوہری محلہ میں اپنی پھوپھی صاحبہ کے ساتھ رہتے ہیں۔

اسی طرح متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں:

۱۔ جن کا انتقال کربلائے معلّٰی میں ہوا۔

۲۔ جو جناب مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلّن صاحب کو منسوب ہوئی تھیں۔ ان کی اولاد ماشاءاللہ موجود ہے جس کا ذکر آئے گا۔

۳۔ ایک صاحبزادی نا کتخدا رہیں جو اب جناب سید رضی صاحب ہدفؔ مرحوم کی اولاد کی پرورش کر رہی ہیں۔

جناب بچھن صاحب قبلہ کے تین صاحبزادے تھے۔

۱۔ جناب مولانا سید محمد طاہر عرف ملّا صاحب مرحوم۔

ان کے صاحبزادے اشرف العلماء مولانا سید ابوالحسن عرف ابّو صاحب قبلہ محلہ پاٹا نالہ، لکھنؤ میں سکونت رکھتے ہیں اور بحمداللہ صاحب اولاد ہیں۔

۲۔ جناب مولوی سید علی اسد عرف سید صاحب مرحوم۔

ان کے صاحبزادے سید محمد اطہر صاحب کاشفؔ اجتہادی ہیں اور دو صاحبزادیاں: ایک جناب مولانا ابّو صاحب قبلہ کو منسوب ہوئیں۔ [۱۴] جن کی اولاد ہے۔

اور دوسری خاندان جناب مولانا میر سید علی صاحب محدث میں سید محمد عباس صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں جن کی اولاد بھی ہے۔

۳۔ جناب الحاج مولانا سید عابد علی صاحب۔ [۱۵] ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں ہیں۔

ایک صاحبزادی جناب سید صادق علی صاحب پرشدپوری [۱۶] کو منسوب ہوئیں۔ جن کے

صاحبزادے سید حبیب حیدر صاحب فراقؔ ماشاء اللہ موجود ہیں اور صاحبزادی جناب مولانا سید محمد عرف میرن صاحب قبلہ کو منسوب ہوئیں جن کے بطن سے جناب مولانا سید حسن صاحب سلمہٗ اور دیگر اولادیں ہیں۔

جناب ملاذ العلماء کی دوسری صاحبزادی[۱۷] جناب کہف العلماء آیۃ اللہ سید ابن حسن صاحب قبلہ مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے قائم الملۃ مولانا سید قائم مہدی صاحب ہیں اور ایک صاحبزادی ہیں جو نا کتخدا ہیں۔

تیسری صاحبزادی جناب سلطان المجتہدین آیۃ اللہ سید سبط حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے مولانا سید محمد باقر صاحب شمسؔ، سید محمد زمان صاحب، سید محمد عسکری صاحب مرحوم اور سید محمد رضا صاحب ہیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔

جناب ملک العلماء کی صاحبزادیوں میں ایک جناب سید حسن رضا صاحب جائسی کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب کہف العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے ہیں مولانا سید قائم مہدی صاحب جو ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں اور ایک صاحبزادی ہیں جو نا کتخدا ہیں۔

جناب ملک العلماء کی دوسری صاحبزادی سید امیر احمد صاحب پرشد پوری کو منسوب ہوئیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہوئے۔ ایک کا عالم شباب میں انتقال ہوگیا۔ دوسرے کرار احمد صاحب موجود ہیں۔

(۸)

مولانا جناب سید غلام حسین

جناب سید غلام حسین صاحب کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی مولانا سید رمضان علی صاحب جائسی کو منسوب ہوئیں۔ ان کے صاحبزادے سلطان المجتہدین مولانا سید سبط حسین

صاحب قبلہ تھے۔ جن کو جناب ملاذ العلماء بچھن صاحب قبلہ کی صاحبزادی منسوب ہوئیں جن سے چار صاحبزادے ہوئے:

۱۔ مولانا سید محمد باقر صاحب شمس۔

۲۔ سید محمد زمان صاحب۔

۳۔ سید محمد عسکری صاحب مرحوم۔[۱۸]

۴۔ سید محمد رضا صاحب۔

یہ سب لوگ پاکستان چلے گئے اور کراچی میں مقیم ہیں۔

دوسرے ازواج سے متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہوئیں جن میں سے ایک مولوی سید جواد صاحب کربلائے معلّٰی میں مقیم رہے۔ ایک مولوی سید غلام عباس صاحب مرحوم تھے جنھوں نے اپنے والد ماجد کی حیات میں انتقال کیا۔ ان کی بیوہ اور اولاد جائس میں ہیں۔ ایک صاحبزادی مولانا آغا سید صاحب کو منسوب ہوئیں جن کا تذکرہ بعد کو آئے گا۔

غلام حسین صاحب کی چھوٹی صاحبزادی جناب مولانا سید سخاوت حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے تھے۔

۱۔ جناب مولانا کاظم حسین صاحب قبلہ فلسفی سابق وائس پرنسپل ناظمیہ کالج لکھنؤ۔[۱۹] جن کے ایک اکلوتے فاضل صاحبزادے مولانا سید زکریا صاحب کا نوجوانی میں باپ کی پیرانہ سالی کے عالم میں انتقال ہوا اور ایک صاحبزادی ہیں جن کی اپنے انتقال سے کچھ ہی مدت پہلے مرحوم نے شادی کردی تھی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ الہ آباد میں ہیں۔

۲۔ جناب مولانا سید وجاہت حسین ناظم صاحب جن کا لا ولد انتقال ہوا۔

ان کے علاوہ صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بڑی صاحبزادی مولانا سید محمد مسیح عرف نواب حسین صاحب ابن ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب کو منسوب ہوئی تھیں جو لاولد رہیں۔

دوسری صاحبزادی جناب مولانا سید محمد عرف آغا جون صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا ذکر بعد میں آئے گا۔

تیسری مولوی سید محمد حسین صاحب نصیر آبادی کو منسوب ہوئیں جو لاولد رہیں۔

چوتھی سید خیرات حسین صاحب نصیر آبادی کو منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے تھے۔

پانچویں جائس میں منسوب ہوئیں۔ یہ بھی لاولد رہیں۔

(۹)

تاج العلماء آیۃ اللہ سید علی محمد

جناب تاج العلماء کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید علی احمد عرف کلّن صاحب جن کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولوی سید احمد حسین صاحب

۲۔ مولوی سید اکرام حسین صاحب

یہ دونوں بھائی لاولد رہے۔

۳۔ سید اعجاز حسین صاحب جو صاحب اولاد ہیں۔

ان کے علاوہ تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک جناب سید صاحب ابن ملاذ العلماء کو منسوب ہوئیں جن کے فرزند سید محمد اطہر صاحب کاشفؔ ہیں اور دوسری مولانا الطاف حسین عرف جگّن صاحب نبیرۂ مولانا سید علی صاحب محدث کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے سید محمد عباس صاحب تھے جو حال میں مکان منہدم ہونے سے انتقال کر گئے اور ایک صاحبزادی موجود ہیں۔

اور تیسری صاحبزادی جناب مولوی کلّن صاحب کی جناب سید عابد حسین صاحب برادر منشی احمد حسین صاحب مرحوم (جوبلی کالج) کو منسوب ہوئیں۔

۲۔ جناب تاج العلماء کے دوسرے صاحبزادے مولوی بنّن صاحب تھے جن کے ایک

صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی جو جناب مولانا میر سید علی صاحب محدث مصنف مجالس علویہ کے پوتے جناب مولوی چھبن صاحب کو منسوب ہوئیں۔ ان کے چار صاحبزادے ہیں:

۱۔ مولانا الطاف حسین عرف جگن صاحب

۲۔ مولانا سید محمد ذکی صاحب

۳۔ سید محمد رضی صاحب مرحوم

۴۔ سید محمد نقی صاحب

ان کے علاوہ چھ بہنیں ہیں۔

(۱۰)

جناب ڈپٹی مولانا سید علی اکبر صاحب

جناب ڈپٹی علی اکبر صاحب کے متعدد صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید علی غضنفر صاحب مرحوم۔ [۲۰] آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

۲۔ مولوی ڈاکٹر سید علی مظفر صاحب مرحوم۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک رتال وجفار مولوی سید علی اصغر عرف گجن صاحب۔ [۲۱] آپ کی اولاد پاکستان میں ہے۔

دوسرے مولوی سید علی اظہر عرف منجھو صاحب۔

۳۔ مولانا سید ابو جعفر صاحب۔ آپ کے متعدد صاحبزادے ہیں:

۱۔ مولانا سید علی شبر صاحب جو محلہ شیش محل لکھنؤ کے پیشنماز ہیں۔

۲۔ سید علی افسر صاحب۔ سرکاری ملازم ہیں۔

۳۔ سید علی طاہر صاحب

۴۔ مولانا سید علی ماہر صاحب۔

۴۔ مولانا سید علی گوہر صاحب مرحوم۔[۲۲]

آپ کے صاحبزادے مولوی سید علی یاور صاحب صدرآجتہادی ہیں جن کے متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

۵۔ مولانا سید علی منور صاحب مرحوم۔

آپ کے صاحبزادے مولانا سید علی انصر صاحب ہیں اور زوجۂ ثانیہ سے بعض صاحبزادے کم سن ہیں۔

۶۔ مولانا سید علی داور صاحب صدرالافاضل۔[۲۳]

آپ کی ایک صاحبزادی موجود ہیں۔

۷۔ سید علی اختر عرف گلن صاحب مرحوم۔

۸۔ سید علی سرور صاحب مرحوم۔

ان کے علاوہ جناب ڈپٹی صاحب کی متعدد صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک جناب مولانا سید سبط محمد صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں جن کے صاحبزادے مولانا سید حسن جعفر صاحب عرف منجھلے صاحب وغیرہ ہیں۔جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

دوسری صاحبزادی جناب علامۂ ہندی اعلیٰ اللہ مقامہٗ کو منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا ذکر بعد کو آئے گا۔

تیسری صاحبزادی جناب مولانا سید زوّار حسین صاحب ابن جناب عماد العلماء میر آغا صاحب قبلہ کو منسوب تھیں جن کی اولاد کا ذکر بعد کو آئے گا۔آپ کا بیوہ ہونے کے بعد عقد ثانی خطیب اعظم مولانا سید سبط حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے ساتھ ہوا تھا جن کے ایک صاحبزادے منظرؔ صاحب ہیں۔

سید محمد علی صاحب کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید ابوالقاسم عرف ابّن صاحب مرحوم جن کا لاولد انتقال ہوا۔

۲۔ مولانا سید حسن مجتبیٰ عرف منے صاحب مرحوم۔ ان کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ سید محمد سلطان صاحب صاحبِ اولاد ہیں۔

۲۔ سید محمد طاہر عرف شاہد حسین۔

۳۔ مولوی سید محمد طالب عرف تبّن صاحب مرحوم۔

ان کے علاوہ تین صاحبزادیاں تھیں:

ایک جناب سید محمد حسین عرف پیارے صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے سید نواب حسین عرف نوابو صاحب کراچی میں ہیں۔

دوسری صاحبزادی جناب مولانا سید وجاہت حسین ناظم صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کا لاولد انتقال ہوا۔

تیسری زوجۂ ثانیہ مولانا سید ریاض الحسن صاحب تھیں۔

(۱۲)

مولانا سید عبدالحسین صاحب

سید عبدالحسین صاحب کے چار صاحبزادے تھے:

۱۔ مولوی سید محمد ذکی صاحب۔ [۲۴] آپ کے صاحبزادے جناب سید محمد رضی صاحب شگفتہؔ ہیں [۲۵] جو اَب کراچی میں ہیں اور ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔

۲۔ مولوی سید محمد شفیع صاحب۔ ان کے ایک صاحبزادے تقی صاحب ہیں جو مسجد تحسین علی خان کے مؤذن ہیں اور ایک نقی تھے جن کا کم عمری میں انتقال ہوگیا اور ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی سید غلام حیدر صاحب سیمابؔ جائسی ابن مولوی سید ساجد حسین صاحب فہیمؔ جائسی کے ساتھ

ہوئی تھی۔

۳۔ سید جواد صاحب۔

۴۔ سید ابوالحسن صاحب۔

ان کے علاوہ ایک صاحبزادی تھیں جو مولوی سید عباس صاحب نبیرۂ جناب غفران مآبؒ کو منسوب ہوئی تھیں۔ ان کے صاحبزادے جناب بڈھن صاحب مرحوم حدیث خوان تھے جن کی صاحبزادی مولانا سید زاہد حسین صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں۔

سید عباس صاحب کی ایک صاحبزادی بھی تھی جو مولانا سید نصیر الدین ابن ممتاز العلماء جناب سید تقی صاحب کو منسوب ہوئیں اور لا ولد رہیں۔

(۱۳)

جناب سلطان العلماء کی صاحبزادیاں

جناب سلطان العلماء کی متعدد صاحبزادیاں بھی تھیں اور سب ہی نے علوم دینیہ کی تحصیل کی تھی، جن میں سے ایک امۃ الزکیہ بیگم عرف بنو بیگم صاحبہ تھیں جن کے ایک صاحبزادے تھے جناب حافظ مولانا سید عسکری صاحب اور ایک صاحبزادی جناب بیگمی صاحبہ۔

جناب مولانا سید عسکری صاحب کا عقد جناب سید العلماء علیین مکان کی صاحبزادی سے ہوا تھا جن سے تین صاحبزادیاں متولد ہوئیں:

۱۔ مبشرہ بیگم صاحبہ۔ یہ وطن میں بیاہی گئیں اور ان کے صاحبزادے مولوی سبط عسکری صاحب تھے جو لاولد رہے۔

۲۔ سیدہ بیگم صاحبہ۔ ان کا عقد جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ کے ایک صاحبزادے جناب مولانا سید حسن صاحب کے ساتھ ہوا جن کی اولاد کا ذکر بعد کو آئے گا۔

۳۔ طاہرہ بیگم صاحبہ۔ ان کا عقد جناب ممتاز العلماء کے ایک دوسرے صاحبزادے مولانا

سیدعلی صاحب کے ساتھ ہوا۔ان کی اولاد کا ذکر بھی بعد میں ہوگا۔

۴۔ جناب بیگمی صاحبہ کا عقد مولانا سید زاہد علی صاحب نصیرآبادی کے ساتھ ہوا جن سے تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

۱۔ جناب شہربانو بیگم صاحبہ جن کے صاحبزادے مولوی سید بندہ مہدی عرف میرن صاحب نصیرآبادی تھے۔

۲۔ جناب خدیجہ بیگم عرف ختن صاحبہ جو پرشدپور تحصیل سلون میں سید عبدالعلی عرف کلّن صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں۔ان کے ایک صاحبزادے مولوی سید محمد شفیع صاحب تھے جو لاولد رہے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔بڑی جناب سید ارشاد حسین صاحب پرشدپوری کو منسوب ہوئیں۔ان کے بھی کوئی اولاد نہیں اور چھوٹی صاحبزادی جناب سید محمد احسن صاحب کرولوی بی۔اے۔، ایل۔ایل۔بی۔کو منسوب ہوئیں جن کے ماشاءاللہ کئی صاحبزادے ہیں اور ایک صاحبزادی۔

۳۔ جناب بیگمی صاحبہ کی تیسری صاحبزادی مولانا سید عباس علی صاحب نصیرآبادی کے صاحبزادے سید ابوالفضل صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب سید محمد صادق صاحب نصیرآبادی ہیں۔جو ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں اور دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بڑی جناب سید اولاد حسین عرف لڈن صاحب نصیرآبادی کو منسوب ہوئیں جن کے فرزند سید آفتاب حسین صاحب مرحوم تھے جن کی اولاد موجود ہے اور ایک صاحبزادی ہیں۔یہ بھی صاحب اولاد ہیں۔

چھوٹی صاحبزادی جناب ممتازالعلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادگان جناب مولانا سید مرتضیٰ صاحب، مولانا سید کاظم صاحب اور مولانا سید باقر صاحب ہیں۔

(۱۴)

جناب سلطان العلماء کی ایک صاحبزادی امۃ الزہرا بیگم صاحبہ تھیں جو جناب عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید محمد ہادی صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب عمادالعلماء میر آغا صاحب

وغیرہ تھے جن کا ذکر بعد میں آئے گا۔

(۱۵)

ایک صاحبزادی جناب مولانا سید حسن مثنیٰؒ صاحب کو منسوب ہوئیں۔ان کی اولاد کا ذکر بھی بعد کو آئے گا۔

(۱۶)

ایک صاحبزادی نجم العلماء سید ہدایت حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادگان مولانا سید سعادت حسین صاحب اور مولانا شجاعت حسین صاحب تھے۔

(۱۷)

ایک صاحبزادی مولانا سید گدا حسنین صاحب کو منسوب ہوئیں۔ان کی اولاد کا ذکر بھی بعد کو ہوگا۔

(۱۸)

جناب غفران مآبؒ کے دوسرے صاحبزادے مولانا سید علی صاحب کی ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا سید صادق صاحب ابن سلطان العلماء کو منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور ایک صاحبزادے مولانا سید کلب حسین صاحب تھے جن کی شادی تاج محل صاحبہ سے ہوئی تھی۔

ان کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ایک طاہرہ بیگم جن کی شادی مولانا نواب میر مہدی حسین صاحب ماہرؔ کے ساتھ ہوئی۔ یہ لاولد رہیں اور ایک مطہرہ بیگم جن کی شادی جناب ماہرؔ صاحب کے بھائی مولانا جعفر حسین صاحب کے ساتھ ہوئی جن سے ایک صاحبزادی شمس النساء کلثوم بیگم صاحبہ متولد ہوئیں جن کا عقد مولانا نواب سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ کے ساتھ ہوا جو ان کے چچازاد بھائی تھے۔ان کی اولاد کا ذکر بعد میں آئے گا۔

(۱۹)

جناب مولانا سید حسن صاحب

جناب غفران مآبؒ کے تیسرے صاحبزادے جناب سید حسن صاحب کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا سید حسن مثنیؒ [۲۶] اور مولانا سید حسن مہنا جو لاولد رہے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

سید حسن مثنیؒ صاحب کے دو صاحبزادے تھے اور ایک صاحبزادی، ایک مولوی نبن صاحب جن کے صاحبزادے میاں کہلاتے ہیں دوسرے اشرف الحکماء مولوی سید علی صاحب آشفتہؔ۔ آپ کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ ایک حیدر آباد میں ہمایوں حیدر صاحب کو منسوب ہوئیں دوسری لکھنؤ میں حکیم محمد رضا صاحب کو منسوب ہوئیں۔ یہ بھی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

مولانا سید حسن مثنیؒ صاحب کی صاحبزادی ہانی بیگم صاحبہ تھیں جن کے دو صاحبزادے ہوئے کجن صاحب اور منّے صاحب اور دو صاحبزادیاں۔

کجن صاحب لاولد رہے اور منّے صاحب کے صاحبزادے علی اکبر ہیں اور تین صاحبزادیاں جن میں سے دو یکے بعد دیگرے جناب سید محمد رضی صاحب شگفتہؔ کو منسوب ہوئیں۔ ہانی بیگم صاحبہ کی صاحبزادیوں میں ایک سید محمد یحییٰ صاحب وکیل کو منسوب ہوئیں جن کے ایک صاحبزادے گیا میں موجود ہیں۔

دوسری سید ہادی حسین صاحب پرشد پوری کو منسوب ہوئیں جن کا لاولد انتقال ہوا۔

جناب سید حسن صاحب کی صاحبزادی جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ صاحب کو منسوب ہوئی تھیں اور بعد وفات شوہر اپنے خسر معظم جناب سلطان العلماء کے پاس رہیں۔ جناب سلطان العلماء کے بعد زیارت عتبات عالیات سے مشرف ہوئیں اور وہیں کچھ عرصہ تک قیام کے بعد انتقال کیا۔ [۲۷]

آپ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی جناب عماد العلماء میر آغا صاحب کے ساتھ ٹھہری تھی مگر ان صاحبزادی کا قبل شادی انتقال ہو گیا۔

جناب مولانا سید مہدی صاحب

جناب غفران مآبؒ کے چوتھے صاحبزادے جناب سید مہدی صاحب کے ایک صاحبزادے تھے جناب عمدۃ العلماء صدر الشریعۃ آیۃ اللہ سید محمد ہادی صاحب۔[۲۸] جن کے دو فرزند ہوئے:

۱۔ آیۃ اللہ سید محمد مہدی صاحب۔[۲۹]

۲۔ عماد العلماء آیۃ اللہ سید مصطفی عرف میر آغا صاحب قبلہ۔[۳۰]

ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادیوں میں ایک جناب مولانا باقر حسین صاحب پسر زین العلماء سید علی حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب نواب مولانا سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ ہوئے جن کا ذکر بعد میں آئے گا دوسری جناب مولانا سید کلب عابد صاحب جائسی کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے قدوۃ العلماء آیۃ اللہ سید آقا حسن صاحب ہوئے۔

(۲۱)

عماد العلماء، فقیہ اہلبیتؑ سید مصطفی

جناب عماد العلماء کے متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں:

۱۔ مولانا سید زوّار حسین صاحب۔ جن کے ایک صاحبزادے سید سردار حسین صاحب ہیں اور دو ۲ صاحبزادیاں ایک مولانا شاکر حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کی صاحبزادی فضلؔ صاحب ایڈیٹر نظارہ کی اہلیہ ہیں اور دوسری صاحبزادی مولانا سید سعید عالم صاحب کو منسوب ہوئیں جن سے ایک صاحبزادی متولد ہوئیں جو افتخار صاحب ابن مولانا سید حسن جعفر عرف منجھلے صاحب کے ساتھ منسوب ہوئیں۔

۲۔ مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلّن صاحب ہائی پریسٹ ریاست مرشد آباد۔[۳۱] آپ کی تین صاحبزادیاں ہیں ایک سید افسر حسین صاحب وکیل نزہیؔ کو منسوب ہوئیں دوسری سید کلب ذکی صاحب ہوشؔ جائسی کی اہلیہ ہیں اور تیسری سید سکندر آغا ابن منّے آغا صاحب رازؔ کی اہلیہ۔

۳۔ مولانا سید حسین حیدر صاحب۔ جن کے دو صاحبزادے ہیں ایک سید علی حیدر جو پاکستان میں ہیں۔ دوسرے سید باسط حیدر سلمہٗ۔

۴۔ ایک صاحبزادی جو جناب قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن صاحب [۳۲] کو منسوب ہوئیں۔ آپ کے صاحبزادے جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ مجتہد ہیں۔[۳۳] آپ کے ماشاءاللہ متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں:

۱۔ صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب جن کی شادی باقر العلوم صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی صاحبزادی سے ہوئی ہے اور ماشاءاللہ ان کے کلب جواد سلمہٗ کے علاوہ متعدد بچیاں ہیں۔

۲۔ سید کلب ہادی صاحب جن کی شادی جناب سید اختر حسین صاحب (ساکن نرہئی) کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔ ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔

۳۔ سید ناصر الدین کلب باقر صاحب۔ ان کی بھی شادی اختر حسین صاحب (نرہئی) کی صاحبزادی سے ہوئی۔ ماشاءاللہ اب صاحب اولاد ہیں۔

۴۔ مولوی سید کلب صادق صاحب۔ ماشاءاللہ مشغول تحصیل علم ہیں اور ترقی کے آثار ہیں۔

۵۔ سید کلب محسن۔ یہ ابھی کمسن ہیں۔

۶۔ ایک صاحبزادی جو مولانا سید محمد رضی صاحب نبیرۂ نجم الملۃ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کو منسوب ہوئیں۔ ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔

۷۔ دوسری صاحبزادی جو سید اقبال الظفر صاحب (ابن جناب ماتیؔ جائسی) کو منسوب ہوئیں، صاحب اولاد ہیں۔

۸۔ تیسری صاحبزادی سید شمس الحسن صاحب تاجؔ عرف میاں شمسی (ابن جناب سید اولاد حسین صاحب شاعرؔ) کو منسوب ہوئیں۔

۵۔ جناب عماد العلماء کی دوسری صاحبزادی دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین عرف اچھن

صاحب ذاخرؔ کو منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے ہوئے:

۱۔ خطیب اکبر مولانا سید اولاد حسین عرف للّن صاحب شاعرؔ۔

۲۔ حسینی شاعر سید ظفر عباس صاحب فضلؔ مدیر نظارہ۔

۳۔ ایک صاحبزادی جو جناب سید رضی صاحب ہدفؔ کو منسوب ہوئیں ان حضرات کی اولاد کا تذکرہ جناب ذاخرؔ کے ذکر کے ساتھ بعد کو ہوگا۔

۶۔ تیسری صاحبزادی جناب مولانا سید محمد صاحب ممتاز الافاضل ابن حضرت نجم الملۃ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب عماد العلماء مولانا سید محمد رضی صاحب ہیں۔ جو اب کراچی (پاکستان) میں تشریف فرما ہیں۔ آپ کی اولاد میں ماشاء اللہ صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

۷۔ چوتھی صاحبزادی جناب مولوی سید علی حسین صاحب ابن مولانا سید عبد الجواد صاحب کو منسوب ہوئیں جو لاولد رہیں۔

(۲۲)

جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان

جناب غفران مآبؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے جناب سید العلماء آیۃ اللہ سید حسین علیین مکان کے چار صاحبزادے تھے:

۱۔ جناب زین العلماء سید علی حسین صاحب۔

۲۔ جناب ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی صاحب جنت مآبؒ۔

۳۔ جناب زبدۃ العلماء معین المومنین سید علی نقی صاحب۔

۴۔ جناب مولانا سید عبد الجواد صاحب۔

ان کے علاوہ متعدد صاحبزادیاں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

(۲۳)

جناب زین العلماء سید علی حسین

جناب زین العلماء کے چار صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید باقر حسین صاحب۔ آپ کے ایک صاحبزادے مولانا سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ تھے[۳۴] اور ایک صاحبزادی۔ جناب فاخرؔ صاحب کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ نواب سید انور حسین عرف آغا جانی صاحب مرحوم۔[۳۵] جن کے صاحبزادگان نواب سید اختر حسین صاحب۔[۳۶] نواب سید افسر حسین صاحب ایڈوکیٹ[۳۷] اور نواب سید افخر حسین صاحب[۳۸] ہیں۔ یہ سب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں اور ایک صاحبزادی جو سید حسن عباس صاحب (متوطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد) کو منسوب ہوئیں۔

۲۔ مولوی سید مظہر حسین عرف جھمن صاحب، آپ کے صاحبزادے ذاکر حسین صاحب ہیں۔

۳۔ مولوی سید شاکر حسین صاحب مرحوم۔ آپ کی صاحبزادی سید ظفر عباس صاحب فضلؔ مدیر نظارہ کی اہلیہ ہیں۔

ان کے علاوہ جناب فاخرؔ صاحب کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں جن میں سے ایک سید ممتاز احمد صاحب ساکن کلیان پور ضلع سیتاپور کو منسوب ہوئیں اور دوسری جناب مولانا سید حسین حیدر صاحب ابن حضرت عماد العلماء طاب ثراہ کو منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا۔

جناب مولانا باقر حسین صاحب کی صاحبزادی صفدری بیگم صاحبہ تھیں جن کا عقد جناب مولوی سید وارث حسین صاحب جائسی سے ہوا۔ آپ کے صاحبزادے دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین عرف اچھن صاحب ذاخرؔ مرحوم تھے جن کے تین صاحبزادے ہوئے:

۱۔ خطیب اکبر مولانا سید اولاد حسین عرف للّن صاحب شاعرؔ۔[۳۹]

آپ کے ماشاء اللہ متعدد صاحبزادے ہیں ایک مہدی نظمیؔ جو گھر والوں میں شنّے کہلاتے ہیں۔ ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔ دوسرے شمس الحسن صاحب تاجؔ جو شمسی کہلاتے ہیں اور جناب عمدۃ العلماء مدظلہٗ کے داماد ہیں۔ تیسرے شیرو۔ چوتھے شفّو اور ایک صاحبزادی جو مولانا عبّن صاحب کاملؔ برادر خطیب اعظم مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے صاحبزادے وقّن صاحب کو منسوب ہوئیں۔[۴۰] ان کی اولاد موجود ہے۔

۲۔ حسینی شاعر سید ظفر عباس صاحب فضلؔ، مدیر ''نظارہ''۔ جن کے ماشاء اللہ متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

۳۔ ایک صاحبزادی جو جناب سید رضی صاحب ہدفؔ اجتہادی کو منسوب ہوئیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔

یہ تینوں جناب عماد العلماء کی صاحبزادی سے تھے جو جناب ذاخرؔ کو منسوب تھیں ان کے علاوہ:

۴۔ ایک ایرانی خاتون کے بطن سے مولوی سید محمد صاحب گرامیؔ ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔

۲۔ جناب زین العلماء کے دوسرے صاحبزادے مولانا سید جعفر حسین صاحب تھے۔ جن کی صاحبزادی جناب نواب سید اصغر حسین صاحب فاخرؔ مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے نواب سید انور حسین عرف آغا جانی صاحب تھے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

۳۔ مولانا سید صادق حسین صاحب متخلص بہ حقیرؔ۔ جو لاولد رہے۔

۴۔ نواب مولانا سید مہدی حسین صاحب ماہرؔ۔

آپ کے کئی صاحبزادے تھے:

۱۔ نواب مولوی نظیر حسین صاحب شیداؔ عرف بڑے صاحب۔

۲۔ مولوی سید عابد حسین عرف چھوٹے صاحب۔

ایک صاحبزادی تھیں جو جناب مولوی لڈّن صاحب خورشیدؔ کو منسوب ہوئی تھیں جن کی اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۵۔ ایک صاحبزادی جو جناب مولانا سید محمد جعفر صاحب امیدؔ کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے جناب جاویدؔ صاحب مرحوم تھے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۲۴)

جناب ممتاز العلماء سید تقی جنّت مآب

جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ کے حسب ذیل صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں:

۱۔ سید العلماء آیۃ اللہ سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ فردوس مکانؒ۔

۲۔ مولانا سید حسن صاحب۔

۳۔ مولانا سید علی صاحب۔

۴و۵۔ دو صاحبزادیاں۔

یہ سب زوجۂ اولیٰ سے تھیں۔ ان کے علاوہ:

۶۔ مولانا سید ابوذر صاحب۔

۷۔ حاجی مولوی سید یونس صاحب۔

۸۔ مولوی سید ایوب صاحب۔

۹۔ مولانا سید عبدالحسن صاحب۔

۱۰۔ مولوی سید غلام رضا صاحب۔

۱۱۔ مولانا سید نصیر الدین صاحب۔

۱۲۔ مولوی سید جابر صاحب۔

۱۳۔ حاجی مولوی سید غلام عابد صاحب۔

ان کے علاوہ کم از کم تین صاحبزادیاں۔

یہ سب مختلف ازواج اور امہات الاولاد سے تھے۔

(۲۵)

جناب سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ

سید العلماء آیۃ اللہ سید محمد ابراہیم کے فرزندان:

۱۔ آیۃ اللہ سید محمد تقی صاحب۔

۲۔ ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن عرف منّن صاحب قبلہ۔

۳۔ ایک صاحبزادی۔

یہ تینوں ایک ماں سے تھے جو جناب منصف الدولہ بہادر کی نواسی اور جناب زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے اور بعد میں بھی آئے گا۔

۴۔ ایک صاحبزادی جو اپنی ماں سے اکیلی تھیں۔

۵۔ حکیم الامۃ علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد صاحب قبلہ۔

۶۔ جناب مولوی سید رضی صاحب رضیؔ۔

۷، ۸، ۹۔ تین صاحبزادیاں۔

یہ سب ایک ماں کے بطن سے تھے جو سادات کشمیر میں سے تھیں۔ مولانا سید محمد تقی صاحب کے صاحبزادے جناب سلطان الفقہاء مولانا سید محمد عرف میرن صاحب [۴۱] اور زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب مدیر الواعظ [۴۲] ہیں۔

مولانا میرن صاحب قبلہ کے ماشاءاللہ متعدد صاحبزادے ہیں۔ جن میں سے بڑے مولانا سید علی صاحب ہیں ان سے چھوٹے مولانا سید حسن صاحب جو صدر الافاضل ہونے کے بعد نجف اشرف میں مشغول تحصیل علم ہیں اور ان سے چھوٹے کمسن ہیں۔

صاحبزادیوں میں بڑی سید رضی عباس عرف رجّن صاحب فرزند جناب سید مجتبیٰ حسن صاحب قبائی (محلہ قلعہ رائے بریلی) کو منسوب ہوئی تھیں جن کا انتقال ہوگیا۔ ماشاءاللہ ان کی اولاد موجود ہے۔

دوسری صاحبزادی سید مظفر مہدی صاحب شفیق نصیرآبادی خلف جناب سید ظفر مہدی صاحب بیرسٹر کو منسوب ہوئیں ان کے بھی ماشاءاللہ اولاد ہے۔

تیسری ردولی کے ایک صاحبزادے کو منسوب ہوئیں جو عرصۂ دراز سے رنگون میں ہیں۔ ان کے ایک بچی ہے۔

چوتھی سید رضی عباس صاحب عرف رجّن صاحب سابق الذکر کو ان کی اہلیہ کے انتقال کے بعد منسوب ہوئیں۔

باقی بعض صاحبزادیاں ابھی نا کتخدا ہیں۔

جناب مولوی آغا مہدی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا سید محمد ہادی صاحب ہیں جو لکھنؤ کی تعلیم ختم کرکے نجف اشرف گئے اور اب پاکستان میں ہیں۔

ان سے چھوٹے سید محمد تقی عرف تقو صاحب اور سید زکریا ہیں۔

صاحبزادیوں میں بڑی رسول پور ضلع رائے بریلی کے سید محمد سبطین صاحب سب انسپکٹر پولیس کو منسوب ہوئیں جو اب پاکستان میں ہیں۔ دوسری صاحبزادی سید سلامت علی صاحب پرشدپوری کے صاحبزادے کو منسوب ہوئیں۔ باقی نا کتخدا ہیں۔

جناب ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن صاحب کے صاحبزادگان:

۱۔ راقم الحروف سید علی نقی نقوی۔ [۴۳]

بندہ کے فرزند سید علی محمد سلمہٗ ابھی کمسن ہیں اور متعدد صاحبزادیاں ہیں جن میں سے بڑی الہ آباد، محلہ دریاباد میں سید نعیم الحسنین صاحب ایڈوکیٹ (ابن سید زاہد حسین صاحب عرف جدّن میر صاحب) کو منسوب ہوئیں۔

۲۔ علم الہدیٰ مولانا سید مرتضیٰ صاحب۔ [۴۴]

۳۔ نخبۃ العلماء مولانا سید کاظم صاحب۔

۴۔ صدر العلماء مولانا سید باقر صاحب۔

۵۔ مولوی سید عبدالحسن صاحب۔

جناب سید ابراہیم قبلہ کی بڑی صاحبزادی جناب مولانا سید محمد حسین صاحب ابن سید محبوب حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کا ذکر بعد کو آئے گا۔ ان کے ایک صاحبزادی ہوئی تھیں جو مولوی چھبّن صاحب ابن مولوی لڈّن صاحب خورشید کو منسوب ہوئی تھیں۔ ان کے بھی اولاد ہوئی مگر افسوس ہے کہ ان سب کا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد انتقال ہوگیا۔

دوسری صاحبزادی جناب سید باقر صاحب قبلہ کو منسوب ہوئی تھیں جن کے اولاد نہیں ہوئی۔

علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد صاحب کے چند صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں:

۱۔ مولانا حکیم سید محمد صاحب۔

آپ کے صاحبزادے سید محمد مہدی صاحب اور علی مہدی ہیں اور صاحبزادیاں ہیں جن سے ایک بہوہ ضلع رائے بریلی میں منسوب ہیں اور دوسری جناب مولانا سید مرتضیٰ صاحب (صدر الافاضل) پیش نماز محلہ جھک ملتان کو منسوب ہوئیں۔

۲۔ حکیم مولوی سید محمد یوسف صاحب۔

آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔

۳۔ حکیم مولوی سید آقا حسین صاحب۔

آپ کے صاحبزادے خوش بیان مقرر اور اچھے صاحب قلم مولانا سید نصیرالدین نقوی اور دوسرے صاحبزادے سید ظہیر حسین صاحب ہیں۔

۴۔ سید محمد حسنین صاحب۔

۵۔ سید مرتضیٰ صاحب۔

یہ سب اب پاکستان میں ہیں۔

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی جناب سید الفقہاء مولانا مفتی سید احمد علی صاحب کو منسوب ہوئیں تھیں۔ ان کی ایک صاحبزادی ہوئیں جو بڑے نواب صاحب ساکن کشمیری محلہ کے بڑے صاحبزادے تقی رضا صاحب کو منسوب ہوئیں اور ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

جناب علامۂ ہندی کی دوسری صاحبزادی جناب کجّن صاحب ابن ڈاکٹر علی مظفر صاحب کو منسوب ہوئی تھیں۔ لاہور جاکر کچھ عرصہ کے بعد بیوہ ہوگئیں۔

سید رضی صاحب رضیؔ کے متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔ یہ سب اب ملتان (پاکستان) میں ہیں۔

ان صاحبزادیوں میں جو جناب علامۂ ہندی کی حقیقی بہنیں تھیں ایک جناب ڈاکٹر سید علی مظفر صاحب کو منسوب ہوئی تھیں جن کی اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا۔

دوسری صاحبزادی پرشد پور ضلع رائے بریلی میں جناب جدّو صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے ایک صاحبزادے اور متعدد صاحبزادیاں ہیں۔

تیسری صاحبزادی اچھے صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کی ایک صاحبزادی سید محمد نقی صاحب ابن سید محمد سجاد صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کا ذکر بعد کو آئے گا اور دوسری سید علی یاور صاحب صدرؔ اجتہادی کو منسوب ہوئیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔

(۲۶)

مولانا سید حسن صاحب

سید حسن صاحب کے ایک صاحبزادے تھے۔ جناب مولانا حاجی سید محمد عرف آغاجون صاحب مرحوم۔ آپ کے صاحبزادے جناب سید محمد مہدی عرف آغا سید صاحب ہیں جن کے تین

صاحبزادے ہیں:

۱۔ جناب محسن الملۃ مولانا سید محمد محسن صاحب مجتہد کراچی۔

۲۔ سید ہادی صاحب۔

۳۔ سید احمد آغا صاحب۔

ان کے علاوہ ایک صاحبزادی ہیں جو نا کتخدا ہیں۔

(۲۷)

مولانا سید علی صاحب

سید علی صاحب (ابن جناب جنت مآب ممتاز العلماء طاب ثراہ) کے ایک صاحبزادی تھیں جو جناب سید احمد حسین صاحب (ابن جناب سید محبوب حسین صاحب) کو منسوب ہوئیں اور ان کی صاحبزادی جناب نواب سید انور حسین عرف آغا جانی صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے نزہئی کے نواب سید اختر حسین صاحب ہیں۔

(۲۸)

ممتاز العلماء کی صاحبزادی

جناب ممتاز العلماء کی دونوں صاحبزادیوں میں سے ایک جناب سید محبوب حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ جناب مولانا سید محمد حسین صاحب جو جناب فردوس مکان سید ابراہیم صاحب قبلہ کے داماد ہوئے۔ ان کی اولاد کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ سید احمد حسین صاحب۔ آپ کے دو صاحبزادے ہوئے ایک سید مقبول حسین صاحب بی۔اے۔ دوسرے سید محمود حسین صاحب جو دہلی میں ہیں۔ ایک صاحبزادی تھیں جو جناب نواب سید انور حسین عرف آغا جانی صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں تھیں جن کے صاحبزادے اختر حسین

صاحب ساکن نزہئی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۲۹)

ممتازالعلماء کی دوسری صاحبزادی

جناب ممتاز العلماء کی دوسری صاحبزادی جناب عماد العلماء میر آغا صاحب کو منسوب ہوئی تھیں جو لاولد رہیں۔

(۳۰)

جناب مولانا سید ابوذر صاحب

جناب سید ابوذر کی دو صاحبزادیاں تھیں: ایک جناب سید محمد تقی صاحب مرحوم کو منسوب ہوئی تھیں۔ ان کے ایک صاحبزادے سید حفاظت حسین عرف ببّو صاحب ہیں جن کے ماشاء اللہ کئی لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ ان کے علاوہ تین صاحبزادیاں: ایک مرزا علی خان کے احاطہ میں سید محمد ہادی صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کی دو لڑکیوں کی شادی یکے بعد دیگرے سید نصیر حیدر صاحب کے ساتھ ہوئی۔ دوسری صاحبزادی اسی محلہ اور خاندان میں سید محمد باقر صاحب کو منسوب ہوئیں جو بمبئی میں ہیں۔ ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔ تیسری محلہ رکاب گنج میں چھجن صاحب کو منسوب ہوئیں تھیں ان کے بھی ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں۔

مولوی سید ابوذر صاحب کی دوسری صاحبزادی جناب سید محمد رضی صاحب شگفتہ کو منسوب ہوئی تھیں۔ [۴۵] جن کے ایک صاحبزادی متولد ہوئیں۔

(۳۱)

حاجی مولوی سید یونس صاحب

حاجی سید یونس صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادے یوسف حسین صاحب ہیں اور تین صاحبزادیاں: ایک محبت حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں۔

دوسری ہدایت حسین صاحب کو منسوب ہوئیں۔ ان کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔

تیسری کٹرہ ابوتراب خاں میں منسوب ہوئیں۔ ان کے ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

(۳۲)

مولوی سید ایوب صاحب

سید ایوب صاحب مرحوم کے صاحبزادے سید شعیب صاحب تھے۔ آپ کی زوجۂ اولیٰ سے ایک صاحبزادی ہیں جو محمد سجاد صاحب تاجر چپل بھنڈار نظیر آباد کو منسوب ہوئیں ان کی اولاد ہے۔

زوجۂ ثانیہ سے دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

ایک کے صاحبزادے مولوی سید عبدالحسن صاحب ہیں جن کا تذکرہ اولاد جناب ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ میں ہوا۔ دوسری کا بغیر شادی انتقال ہوگیا۔

(۳۳)

مولانا سید عبدالحسن صاحب

سید عبدالحسن صاحب (ابن جناب جنت مآب سید تقی صاحب قبلہ) کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید حامد حسن صاحب۔ [۴۶] آپ کے صاحبزادے سید ساجد حسن صاحب تھے۔

۲۔ مولوی سید جعفر حسن صاحب۔ [۴۷]

۳۔ مولانا سید زاہد حسن صاحب۔ [۴۸] آپ کی اولاد ہے۔

(۳۳)

مولوی سید جابر صاحب

سید جابر صاحب مرحوم کے دو صاحبزادے سید طاہر اور سید صابر ہیں اور کئی لڑکیاں جو صاحب اولاد ہیں۔

(۳۴)

حاجی مولوی سید غلام عابد

حاجی سید غلام عابد کے صاحبزادے سید محمد عابد صاحب تھے۔ آپ کی صاحبزادی ببو صاحب (ابن سید محمد تقی صاحب) کو منسوب ہوئیں جن کے فرزند سید محمد میاں ہیں۔

(۳۵)

جنت مآبؒ کی بڑی صاحبزادی

جناب جنت مآب کی صاحبزادیوں میں ایک آیۃ اللہ سید ابوالحسن عرف ابّو صاحب قبلہ کو منسوب ہوئیں جن کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید جعفر صاحب۔ آپ کا لاولد انتقال ہوا۔

۲۔ باقر العلوم آیۃ اللہ سید باقر صاحب قبلہ۔ آپ کے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

۱۔ جناب مولانا سید محمد صاحب پرنسپل سلطان المدارس۔

۲۔ مولانا سید علی صاحب

ان دونوں صاحبوں کی ماشاءاللہ اولاد بھی ہے۔

۳۔ مولوی سید رضی صاحب جو لاولد رہے۔

۴۔ صاحبزادی جناب مولانا سید کلب عابد صاحب کو منسوب ہوئیں اور ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں:

۳۔ آیۃ اللہ سید ہادی صاحب قبلہ۔ آپ کے متعدد صاحبزادے ہیں:

۱۔ خطیب شہیر مولانا سید احمد صاحب۔

۲۔ مولانا سید حسن صاحب۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید مہدی صاحب کا عنفوان شباب اور طالب علمی میں نجف اشرف میں انتقال ہوگیا۔

۳۔ مولانا سید حسین صاحب۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سید صالح صاحب ہیں جو نجف اشرف سے فارغ التحصیل ہوکر آئے ہیں۔

(۳۶)

جنت مآبؒ کی دوسری صاحبزادی

دوسری صاحبزادی جناب جنت مآب کی مولانا علی میاں صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید علی عابد صاحب۔

۲۔ مولانا سید علی باقر صاحب۔

یہ دونوں لاولد رہے۔

تین صاحبزادیاں: پہلی کی شادی جناب سید علی جعفر صاحب ابن مولانا سید سبط محمد صاحب کے ساتھ ہوئی۔ ان کی ایک صاحبزادی موجود ہیں جو منظر صاحب (ابن مولانا سید سبط حسن صاحب) کی اہلیہ ہیں۔

دوسری کی شادی جلالی ضلع علی گڑھ میں ہوئی۔

تیسری بھی کہیں لکھنؤ کے باہر منسوب ہوئیں۔

(۳۷)

جنت مآبؒ کی تیسری صاحبزادی

تیسری صاحبزادی نصیرآباد کے ذی علم بزرگوار حاجی مولانا سید طالب حسین صاحب کے صاحبزادے سید مصطفیٰ حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے سید محمد ہاشم صاحب تھے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

مولوی محمد ہاشم صاحب کی ایک صاحبزادی تھیں جو علی جعفر عرف بسّن صاحب کو منسوب ہوئیں

جن کے تین صاحبزادے ہیں:

۱۔ سید محمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ریلوے۔

۲۔ سید علی صاحب ایم۔اے۔ نیشنل ہائی اسکول، رائے بریلی۔

۳۔ سید حسین صاحب۔

ان کے علاوہ بنّن صاحب کی صاحبزادیوں میں ایک محلہ روضہ کے علی احمد صاحب کو منسوب ہوئیں جن کی ایک صاحبزادی قدرت حسین صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے ثروت حسین ہیں اور دوسری میر امام صاحب کو جن کے صاحبزادے سید تصدّق امام صاحب ہیں۔

(۳۸)

زبدۃ العلماء معین المومنین آیۃ اللہ سید علی نقی

جناب زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ کی زوجۂ اولیٰ سے صرف ایک صاحبزادی تھیں جو جناب فردوس مکان سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ کو منسوب ہوئی تھیں اور جن کے دو صاحبزادگان جناب مولانا سید محمد تقی صاحب اور جناب ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ تھے اور ایک صاحبزادی جو مولانا محمد حسین صاحب کو منسوب ہوئی تھیں۔ان حضرات کا اور ان کی اولاد کا تذکرہ سابق میں ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ چند صاحبزادے اور صاحبزادیاں تھیں:

۱۔ مولانا سید گدا حسنین صاحب۔

۲۔ نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین صاحب۔

۳۔ مولانا سید احمد علی صاحب۔

۴۔ مولانا سید علی حسن صاحب۔

یہ دونوں لاولد رہے۔

اور صاحبزادیاں جن کا ذکر آئے گا۔

(۳۹)

مولانا گدا حسنین صاحب

گدا حسنین صاحب کے تین صاحبزادے تھے:

۱۔ مولوی سید عبدالعلی صاحب۔

۲۔ مولوی سید محمد سجاد صاحب۔

ان کے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ سید محمد نقی صاحب۔ جن کے بیٹے سید محمد اصغر صاحب ہیں۔

۲۔ سید محمد عسکری صاحب جو لاولد رہے۔

ان کے علاوہ ایک صاحبزادی ہیں جو جناب سید سلطان حسین صاحب کی اہلیہ ہیں جن کی اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

۳۔ مولوی سید باقر علی صاحب مرحوم جن کا نوجوانی اور ناکتخدائی میں انتقال ہوا۔

ان کے علاوہ ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا شجاعت حسین صاحب کو منسوب ہوئی تھیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا۔

(۴۰)

جناب نجم العلماء سید ہدایت حسین صاحب

جناب نجم العلماء سید ہدایت حسین صاحب کے زوجۂ اولیٰ سے دو صاحبزادے تھے:

۱۔ مولانا سید سعادت حسین صاحب۔ جن کے تین صاحبزادے ہوئے:

۱۔ سید سردار حسین صاحب مرحوم۔

۲۔ قیصر حسین صاحب۔

۳۔ سید یوسف حسین صاحب۔

ان کے علاوہ پانچ صاحبزادیاں۔

۲۔ مولانا سید شجاعت حسین صاحب۔ ان کے صاحبزادے سید محمد حیدر صاحب ہیں اور صاحبزادی جناب مولانا سید ریاض الحسن صاحب کی اہلیہ، زوجۂ ثانیہ کے تین صاحبزادے ہیں:

۱۔ مولانا سید دلدار حسین صاحب۔

۲۔ مولانا سید نقی حسین عرف چھٹن صاحب۔

۳۔ سید محمد مہدی عرف بو صاحب۔

یہ سب لاولد ہیں۔

ان کے علاوہ ایک صاحبزادی تھیں جو مولوی سید محمد حسن صاحب تاثیرؔ سلونوی کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادگان سید نجم الحسن صاحب اور مولوی سید سراج الحسن صاحب ہیں۔

(۴۱)

زبدۃ العلماء کی بڑی صاحبزادی

جناب زبدۃ العلماء کی صاحبزادیوں میں ایک مولوی سید عباس حسین صاحب جائسی صاحب تحصیل دار کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے مولانا سید ساجد حسین صاحب فہیمؔ جائسی تھے۔ ان کے صاحبزادے سید زاہد حسین صاحب تھے اور ایک صاحبزادی۔ یہ دونوں لاولد رہے۔

(۴۲)

زبدۃ العلماء کی دوسری صاحبزادی

دوسری صاحبزادی سید نور الحسن صاحب سلونوی کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے مولوی سید محمد حسن صاحب تاثیرؔ تھے جن کے صاحبزادگان سید نجم الحسن صاحب اور مولوی سراج الحسن صاحب ہیں۔

(۴۳)

زبدۃ العلماء کی تیسری صاحبزادی

تیسری صاحبزادی سید تصدق حسین صاحب سلونوی برادر حقیقی سید نور الحسن صاحب کو منسوب ہوئیں جن کے صاحبزادے سید ریاض الحسن صاحب موسوی ہیں[۴۹] جن کے دو صاحبزادے ہیں سید نواب اور سید علی نواب۔ باقی صاحبزادیاں ہیں جو نا کتخدا ہیں۔

(۴۴)

زبدۃ العلماء کی چوتھی صاحبزادی

چوتھی صاحبزادی جو مولانا علی حسن صاحب کی حقیقی بہن تھیں جو سید حسن مجتبیٰ عرف منّے صاحب مرحوم کو منسوب ہوئیں جن کی اولاد کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۴۵)

فرزندان مولانا عبدالجواد

مولانا سید عبدالجواد صاحب کے متعدد صاحبزادے تھے:

۱۔ ببّا صاحب۔ ان کے صاحبزادے ننّن صاحب تھے جن کے فرزند انور آغا اور حسن نواب وغیرہ ہیں۔

۲۔ سید حسن جعفر صاحب۔ جن کے دو صاحبزادے تھے سید حبیب جعفر صاحب اور سید حبیب اصغر صاحب۔

۳۔ اچھے صاحب جن کے ایک صاحبزادے موجود ہیں۔

۴۔ پیارے صاحب۔

۵۔ مجّن صاحب۔

۶۔ مولانا سید علی حسین صاحب۔

یہ دونوں آدمی لاولد رہے۔

(۴۶)

سید العلماء علیین مکان کی بڑی صاحبزادی

جناب علّیین مکان سید العلماء طاب ثراہ کی صاحبزادیوں میں ایک جو عالمہ اور فقیہہ تھیں [۵۰] جناب مولانا سید عسکری صاحب نبیرۂ جناب سلطان العلماء طاب ثراہ کو منسوب ہوئیں۔

ان کی ایک صاحبزادی ہوئیں جو جناب مولانا سید علی صاحب ابن جنت مآب کو منسوب ہوئیں۔ ان کی اولاد کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

(۴۷)

سید العلماء کی دوسری صاحبزادی

جناب علّیین مکان کی دوسری صاحبزادی یہ بھی عالمہ و فاضلہ تھیں اور سابقۃ الذکر کی حقیقی بہن تھیں ان کے انتقال کے بعد جناب سید عسکری صاحب مذکور ہی کو منسوب ہوئیں۔ یہ لاولد رہیں۔[۵۱]

حاشیے

[۱] جناب قدوۃ العلماء اعلیٰ اللہ مقامہٗ نے حالات خاندانی میں تحریر فرمایا ہے کہ: جناب منصف الدولہ مرحوم کو عزاداری اور اشاعت عزاداری میں بڑا انہماک تھا۔ ایک شبیہ کربلا بمقام مہدی گنج مسمی بہ ''مہدی گنج کی کربلا'' تعمیر کرائی اور عاشور و چہلم کو وہاں تشریف لے جاتے تھے اور جو مومنین تعزیے دفن کرنے لاتے تھے ہر تعزیہ پر مناسب وقت و مصلحت نذر چڑھاتے تھے۔ یہ کربلا نواب عظمت الدولہ کی پوتی کے قبضے میں ہے۔

[۲] معقولات میں یگانہ روزگار تھے۔ علّامہ سید حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار آپ کے خاص شاگرد تھے۔ اس علم و کمال کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں کمال رکھتے تھے اور اس فن میں میر علی صاحب کے شاگرد تھے۔

[۳] جناب قدوۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جس ساز و سامان سے ان کی شادی ہوئی خاندان میں تقریباً کسی کی نہیں ہوئی۔ بیس پچیس ہزار روپے کا جہیز تھا۔ محرم میں

خود سیاہ پوش اور ہمراہیاں سیاہ پوش اور اشیاء ہمراہی کے غلاف سب سیاہ ہوتے تھے۔ مرثیے اور نوحے خود پڑھتی بھی تھیں اور نظم بھی فرماتی تھیں۔ عاجزؔہ تخلص ہوتا تھا۔ آخر عمر میں بہ اجازت شوہر کربلا تشریف لے گئیں اور وہیں انتقال کیا۔

[۴] سیتاپور میں پیش نماز تھے۔

[۵] بڑے باکمال ماہر فن عروض اور شاعر، مرثیہ گو اور مرثیہ خوان تھے۔

[۶] ولادت ۱۸۸۲ء

[۷] ولادت ۱۳۰۷ھ تاریخی نام ''شباب آغا''

[۸] مرزا زینا کی مسجد (واقع اکبری دروازہ، چوک) کے پھاٹک سے متصل ان کی دوکان تھی۔

[۹] ان کا خصوصی جوہر یہ ہے کہ بسر معاش کے لئے محنت و مشقت یہاں تک کہ مزدوری کو بھی کبھی عار نہیں سمجھے۔ گرمیوں میں برف اور جاڑوں میں موم پھلی بیچتے انھیں اکثر لوگوں نے دیکھا ہوگا۔

[۱۰] ۱۲۹۹ھ میں متولد ہوئے۔

[۱۱] ۱۳۰۳ھ میں ولادت ہوئی۔ لکھنؤ کی تعلیم سے فراغت حاصل کر کے عراق تشریف لے گئے۔ کربلائے معلّٰی میں تحصیل علم فرمائی۔ ۱۹۱۰ء میں (تقریباً ۱۳۲۹ھ وہیں رحلت فرمائی۔)

[۱۲] ۱۶؍ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ کو ولادت ہوئی۔ شاعری میں جناب ذاخرؔ صاحب سے تلمذ ہے۔ عرصہ سے بیٹھ، نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں مقیم ہیں۔

[۱۳] ۱۳۱۹ھ میں متولد ہوئے۔ پنجاب سے منشی فاضل، الہ آباد سے مولوی و عالم اور لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں بعارضہ کینسر وفات پائی۔

[۱۴] حال میں اواخر رجب ۱۳۸۷ھ میں بعارضہ کینسر انتقال ہوا۔

[۱۵] ولادت ۱۳۰۶ھ میں ہوئی۔ مولانا سید ظہور حسین صاحب نے قطعۂ تاریخ نظم فرمایا جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

تعالی اللہ زہے فصل بہار است ۔۔۔ کہ ہر گل خندہ وہر خار خوار است

اور آخری شعر یہ تھا ؎

سن پیدائش آن ماہ تابان ۔۔۔ ہزار و سہ صد وشش در شمار است

آپ کو جناب ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب اور مولانا سید کاظم حسین صاحب سے تلمذ ہے۔ ذاکر بھی ہیں اور قادر الکلام شاعر بھی۔ متعدد بار حج مکہ معظمہ اور زیارات سے شرفیاب ہوئے۔ مدرسۂ ناظمیہ میں مدرس تھے۔ اب بعلّت علالت الگ کردیئے گئے۔ جوہری محلہ لکھنؤ میں جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ کے بیرونی مکان کے ایک حصہ میں مقیم ہیں۔

[۱۶] آپ جناب عم معظم مولانا سید محمد تقی صاحب کے برادر نسبتی۔ برادر معظم جناب مولانا سید محمد عرف میرن صاحب قبلہ کے حقیقی ماموں اور شاعری میں جناب جاویدؔ صاحب سے تلمذ رکھتے تھے۔

[۱۷] متولدہ شوال ۱۳۰۶ھ

[۱۸] یہ کراچی سے ۱۳۵۵ھ ماہ صفر میں زیارت عتبات عالیات کے لئے گئے اور وہیں روز اربعین (۲۰ صفر) عین روضۂ مقدسۂ امام حسینؑ وفات پا گئے۔

[۱۹] ۱۲۹۸ھ میں ولادت ہوئی۔

[۲۰] آپ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے ابتدائی دور کے سکریٹری نیز شیعہ یتیم خانہ کے سب سے زیادہ ہردلعزیز سکریٹری تھے جو ایتام کے ساتھ اولاد کا سا برتاؤ کرتے تھے۔

[۲۱] تقسیم ہند کے بعد لاہور چلے گئے تھے۔ ۱۳۷۶ھ میں انتقال کیا۔

[۲۲] محرم ۱۳۷۶ھ میں انتقال ہوا۔

[۲۳] خوش بیان واعظ تھے۔

[۲۴] وفات نومبر ۱۹۱۰ء

[۲۵] ولادت ۱۸۸۶ء، بمقام کاظمین (عراق)

[۲۶] آپ نے طویل عمر پائی۔

[۲۷] حالات خاندانی، نوشتۂ جناب قدوۃ العلماء طاب ثراہ

[۲۸] ولادت ۷/رجب ۱۲۲۸ھ وفات ۱۲۷۸ھ

[۲۹] ولادت ۱۲۴۸ھ وفات ۱۲۷۶ھ

[۳۰] ولادت ربیع الاول ۱۲۵۲ھ وفات ۱۱/ماہ صیام ۱۳۲۳ھ

[۳۱] ذی الحج ۱۳۰۸ھ میں متولد ہوئے۔ آپ اپنے بھانجے جناب مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعرؔ سے ایک دن چھوٹے ہیں۔ جناب ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ اور مولانا سید کاظم حسین صاحب قبلہ سے تحصیل علم کی۔ ذاکری بھی جناب ممتاز العلماء کی زیر ہدایت شروع فرمائی اور کمال کی منزل حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں نظامت مرشدآباد (بنگال) میں ہائی پریسٹ کے عہدہ پر متمکن ہوئے۔ آپ کو شاعری کا بھی ذوق رہا اور جناب ذاخرؔ مرحوم کے شاگرد ہیں اور بکثرت غزلیات، قصائد، سلام، نوحے اور مرثیے آپ کی تصنیف سے ہیں۔

[۳۲] ولادت ۲۶/ربیع الاول ۱۲۸۲ھ وفات ۱۳۴۸ھ

[۳۳] ولادت ۱۵/شعبان ۱۳۱۱ھ

[۳۴] محلۂ سرہٹی لکھنؤ میں کوٹھی بنوائی جب سے آپ کا خاندان وہیں مقیم ہے۔ ۱۹۰۷ء میں بعمر ۵۲ سال وفات پائی۔

[۳۵] ۱۹۱۸ء میں بعمر ۳۲ سال انتقال ہوا۔

[۳۶] ولادت ۱۹۰۴ء

[۳۷] ولادت ۱۹۰۵ء

[۳۸] ولادت ۱۹۱۴ء

[۳۹] ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ کو متولد ہوئے۔ اسی سال بنّے صاحب اخترؔ مرحوم (ابن جناب لڈن صاحب خورشیدؔ) متولد ہوئے تھے اور اس طرح ''شباب آغا'' ان دونوں آدمیوں کا مشترکہ تاریخی نام تھا الف ممدودہ کے دوعدد لینے کے بعد آپ کے ایک دن بعد جناب مولوی کلّن صاحب قبلہ متولد ہوئے جس کا ذکر ہو چکا اور اسی سال منّے آغا صاحب رازؔ اجتہادی متولد ہوئے اور شباب آغا آپ کا تاریخی نام ہوا۔

[۴۰] اپنے والد ماجد خطیب اکبر کے انتقال کے بعد دو تین دن کے اندر انتقال کیا۔

[۴۱] ولادت ۲۴/ماہ رمضان ۱۳۱۱ھ لکھنؤ کے مدرسۂ سلطان المدارس سے صدرالافاضل ہونے کے بعد ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں تکمیل علم کے لئے عراق تشریف لے گئے اور بحیثیت مجتہد ہندوستان واپس ہوئے۔

[۴۲] ولادت شوال ۱۳۱۳ھ

[۴۳] ولادت ۲۶/رجب ۱۳۲۳ھ۔ اپنے والد علام سے تحصیل علم فرمائی۔ پھر الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی، عالم، امامیہ سلطانیہ لکھنؤ سے صدرالافاضل، ناظمیہ سے ممتاز الافاضل اور لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سندیں حاصل کیں۔ اس کے بعد ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں بغرض تکمیل نجف اشرف گئے۔ ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مراجعت ہوئی اور لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات میں عربی وفارسی کے مدرس ہوگئے۔

[۴۴] ولادت ۱۱/ذی قعدہ ۱۳۴۱ھ

[۴۵] ۱۹۰۵ء میں عقد ہوا اور ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوگیا (حالات خودنوشت جناب شگفتہؔ مدظلہ)

[۴۶] قصبۂ جلالی ضلع علی گڑھ میں پیش نماز تھے۔

[۴۷] مسجد تحسین علی خاں چوک لکھنؤ کے ملحق مکان میں مقیم تھے اور وہیں انتقال ہوا۔

[۴۸] آپ بھی ابتدائً مسجد تحسین سے متصل مکان میں مقیم تھے۔ پھر خان بہادر نواب سید مہدی حسین صاحب کے دور میں آپ کی وہاں سے بے دخلی ہوئی تو مختلف مقامات پر رہے۔ آخر میں کٹرہ ابوتراب خاں کے ایک مکان میں انتقال ہوا۔

[۴۹] ولادت ۶/شوال ۱۳۰۶ھ

[۵۰] آپ کی بنا کردہ مسجد متصل حسینیۂ جناب جنت مآب موجود ہے جس میں ایک زمانہ میں جناب عمادالعلماء میر آغا صاحب قبلہ نماز صبح پڑھاتے تھے۔ اب اس میں میں ماہ صیام میں بعد ظہرین موعظہ کرتا ہوں۔

[۵۱] ان کا مکان پاٹانالہ لکھنؤ میں جناب زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ کے امامباڑے سے قریب اس جگہ تھا جو فیل خانہ کے نام سے مشہور تھی۔

مجدد الشریعة محیی الملة آیة اللہ العظمیٰ

سید دلدار علی صاحب غفران مآبؒ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

نسب

۲۳ واسطوں سے حضرت غفران مآب کا نسب شریف امام علی نقیؑ تک منتہی ہوتا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مولانا سید دلدار علی بن سید محمد معین بن سید عبد الہادی بن سید ابراہیم بن سید جلال الدین بن سید زکریا بن سید جعفر بن سید تاج الدین بن سید نصیر الدین بن سید علیم الدین بن سید شرف الدین بن نجم الدین بن سید علی بن سید ابوعلی بن سید ابویعلی محمد بن سید ابی طالب حمزہ بن سید محمد بن سید طاہر بن سید جعفرؒ ابن امام علی النقیؑ۔

جائس اور نصیر آباد کی وجہ تسمیہ

آپ کے تمام اجداد واسلاف ایک ممتاز حالت میں تھے۔ چنانچہ سید نجم الدین سبزواری امرائے سلاطین غزنویہ سے تھے۔ سید سالار مسعود غازی کی نصرت وحمایت کے سلسلہ میں ہندوستان آئے اور قلعہو ڈیانگر کو فتح کر کے اس کا نام جائے عیش رکھا۔ جو آج کثرت استعمال سے جائس مشہور ہے۔ اسی طرح سید زکریا نے قصبہ پٹاک پور پر قبضہ کیا اور اپنے جد محترم سید نصیر الدین کے نام سے نصیر آباد موسوم کیا۔

ولادت

جناب غفران مآب کا مسقط الراس نصیر آباد ہے۔ شب جمعہ ۱۱۶۶ھ میں یہ شرف اس سرزمین کو

حاصل ہوا۔

تحصیل علوم واساتذہ

ابتدائے عہد میں ہر روز نصیر آباد سے جائس پڑھنے کے لئے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ علوم عقلیہ کی تحصیل ہندوستان کے متبحر افراد سے کی۔ سندیلہ میں مولوی حیدر علی صاحب ابن ملّا حمداللہ شارح سلم العلوم سے اور الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے، بریلی میں مولوی باب اللہ (شاگرد رشید ملّا حمداللہ) سے اس کے بعد فیض آباد، لکھنؤ اور دیگر مقامات پر ذوق تحصیل میں پھرتے رہے۔ یہاں تک کہ نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں مرحوم (وزیر اعظم) کی امداد سے عتبات عالیات پہنچے۔ زیارت مشاہد مقدسہ کے بعد استاذ الکل علامہ محمد باقر بہبہانی کی خدمت میں استبصار اور فوائد حائریہ کا درس شروع کیا۔ ریاض المسائل آقا سید علی طباطبائی سے پڑھی۔ بعض کتب واخبار آقا سید مہدی شہرستانی سے پڑھے اس کے بعد نجف اشرف پہنچ کر بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی سے فقہ واصول کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ ۱۱۹۴ھ میں مشہد مقدس آئے اور شہید رابع سید مہدی بن سید ہدایت اللہ اصفہانی کی خدمت میں اکتساب افادات کر کے اجازۂ اجتہاد حاصل کیا۔

مراجعت

علوم عقلی ونقلی کی اعلیٰ دستگاہ کے بعد ہندوستان پلٹے اور اپنے وطنِ مالوف نصیر آباد میں قیام کیا۔ جہاں متعدد مکانات اور باغات اب تک موجود ہیں۔ ایک مسجد رفیع الشان تعمیر کرائی جس کی تاریخ ملّا محمد شوستری نے کہی:

امام سبحه اسلام درمناہج حق
امینِ مخزن اسرار ملت بیضا

که علم عقلی ونقلی بجنب دانش او
مثال قطره بود در مقابل دریا

زبوستان سیادت گل ہمیشه بہار
زحسن خلق بہشتی برائے خلقِ خدا

باسم اعظم نامش نمیر سد نامے
که نامِ اوست علی وعلی بود اعلیٰ

چو جد خود اسد الله در مقابل خصم
نرفته است ز دلداریش قدم ارجا

به ارث منصب معماری از خلیلش بود
ازان بموطن خود کعبۂ نهاده بنا

شبیه عرش بود مسجد نصیرآباد
که سنگ صفه اش آئینه است عرش نما

تبارک الله ازین مسجدے که تاریخیش
نوشته کلک قضا۔ مسجد خجسته بنا

عہد آصفی میں لکھنؤ کا مذہبی دور

لکھنؤ کی ابتدائی حالت مذہبی حیثیت سے بہت ضعیف تھی۔ آصف الدولہ کا عہد شراب اور بھنگ کا دور، ضروریات دین سے بے خبری، جاننے والے جانتے ہیں، میں مرنے والوں کی روحوں کو شرمندہ کرنا نہیں چاہتا، خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اس قلعۂ بدعت کے نیست ونابود کرنے کا سہرا صرف غفران مآبؒ کے سر رہا۔ آصف الدولہ کی روح میں جلوۂ معرفت پیدا کرنے والا یہی شخص ہے۔ برابر مواعظ میں نواہی کی مذمت اور اوامر پر زور دیا۔ معاملات شرعی میں کبھی جلالت شاہی سے متاثر نہیں ہوئے۔ مجالس وعظ میں خود نواب صاحب ممدوح بھی شریک ہوتے تھے۔ ہمارا بھولا نواب جہاں سخاوت وعدالت میں یکتائے روزگار ہوا وہاں اور عقائد میں

بھی اس بزرگ کی بدولت شہرۂ آفاق ہوا۔

بنائے اقامت جمعہ و جماعت

ہندوستان پہنچ کر اپنی عمر کا تمام حصہ اشاعت دین اور نصرت اسلام میں صرف کیا۔ اکثر کتابیں تصنیف کیں۔ اور اساتذۂ عراق کی خدمت میں بھجوائیں۔ جس کے صلہ میں مستحق اجازات ہوئے۔ میں یہاں ان اجازات سے قطع نظر کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اب ان کی ذات اس سے مستغنی ہے کہ ان اجازات کے وسیلے سے ان کے کمالات کا تعارف کیا جائے۔ فرقۂ علماء میں ان کی افضلیت مسلم ہے۔ شیعی دنیا اس بات پر متفق ہے کہ بارہویں صدی میں سرزمین ہندوستان پر یہ پہلی متبرک ہستی تھی جس نے ملت جعفری کی متزلزل بنیادوں کو از سر نو مستحکم کیا۔

رفتہ رفتہ وزیر اعظم کا سایۂ عاطفت اس قدر بڑھا کہ غفران مآبؒ نے لکھنؤ کو دارالاقامت بنا لیا۔ اور اہل وعیال کو بھی نصیر آباد سے بلالیا۔ فیوض کے چشمے جاری ہوئے۔ فرقۂ شیعہ میں یہاں کبھی نماز جمعہ جماعت نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ خود آئینہ حق نما میں لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں فاضل تبحر ملا محمد علی کشمیری ملقب بہ پادشاہ نے جو اس عہد کے مستند فقیہ تھے۔ ایک رسالہ فضیلت نماز جمعہ و جماعت میں تالیف کیا جو تمام تر احادیث ماثورہ اور ادلۂ شرعیہ سے مدلل تھا اسے نواب صاحب کے نام معنون کیا۔ اس رسالہ میں پانچ باب تھے۔ باب چہارم میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو ان کے نزدیک قابل اقتداء تھے۔ باب پنجم میں صرف وزیر الممالک نواب آصف الدولہ کی خدمت میں التماس ہے جس کو ایک موعظۂ حسنہ سمجھ کر یہاں نقل کرتا ہوں:

"بزرگانے کہ قابل امامت نماز بلاارتیاب و مقربان درگاہ رب الارباب اندواحدے را مجال طعن بر ایشان نیست و نور علم از ناصیہ جمال ایشان پیداست و فروغ صلاح عمل از چہرہ جلال ایشاں ہویداست یکے از انجملہ عاکف کعبہ مقبلی و سعید ازلی میر دلدار علی است کہ از سالکان راہ و مقربان درگاہ است بشری است فرشتہ سیرت

وآدمی قدسی سریرت که از نور عرفان واشعۂ ایمان از حلیه اش درخشاں وفروغ علم وعمل از چہرہ اش تابان رافع اعلام شعائر شرع ہدیٰ سید الانام وسرمایۂ برکت خواص وعوام زبدۂ ازکیا ے فحول جامع علوم منقول ومعقول بحری است مواج ملکی کرامت امتزاج بالاهتداء حقیق وبالاقتداء یلیق از مجتہدین کربلائے معلّے ومشہد مقدس ثامن ائمہ ہدیٰ سجل وافتاء را بمہر وتوقیع رسانیدہ واستفاضہ فقہیہ نمودہ است برمحک اعتبار ایشان طلایش کامل عیار برآمدہ تحمل مشقتہا ے دور ودراز کردہ گوہر اجتہاد بدست آوردہ سعیش مشکور ومشقتش ماجور شدہ صدق اللہ العظیم والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا وان اللہ مع المحسنین۔

صاحب نفس قدسی وملکی
فاضل ذو فنون وطبع زکی

حسن خلق وتواضعے کہ باوست
ہر دو شاہد بخوبی کہ در اوست

بحر مواج علم معقول است
قمر برج علم منقول است

رفع اللہ قدرہ الاعلیٰ
شرح اللہ صدرہ الاذکیٰ

وپرہیزگاران دیگر ہم از تلامذۂ ایشان ذوالنفس القدسیہ والخصال الملکیہ شعلہ ادراک وذکا سید مرتضی ومتقی قدسی مآثر ونقادت مظاہر مرزا محمد خلیل زائر کہ بلاشبہ قابل امامت نماز اند حقیقت وجود این بزرگان عالی مقدار اقبال سرکار دولت مدار است باب پنجم این کہ نواب نامدار سلامت چون فضیلت نماز جماعت

بنصوص قاطعه قرآن مجید واحادیث ثابت شد وحضرت سید المرسلین وحضرات ائمه معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین بتاکید امر نموده اند ومجتہدین و محدثین ومتقدمین ومتاخرین در ہر عصرے نماز جماعت می کردند واحدے از علمائے اسلام انکار فضیلت این نمی کنند وہمیشه حکام وسلاطین مروج ومعین شرع متین بوده انداگر بذات مبارک اند کے متوجه ایں امر شده در قلمرو دولت خداداد حکم بگذار دن نماز جماعت نمایند ہمه امتثال فرمان واجب الاذعان خواہند نمود وسید دلدار علی را ارشاد پیش نمازی فرمایند که مروج ملت بیضا وشریعت غرّا خواہد بود وبه بنا ے ایں امر خیر گو ے سبقت در میدان سعادت از ہمه خواہد ربود وہدایت مبارک ہم اگر نماز پنجگانه را باقتدا ے سید دلدار علی بگذارند ہر جا نماز جماعت رواج خواہد یافت ابدالآباد ثواب بروزگار فرخنده آثار عائد خواہد گردید و از باقیات صالحات بندگان عالی متعالی خواہد بود والباقیات الصالحات خیر عند ربك ثوابا وخیر املا۔

اس رسالہ کا اتنا اثر ہوا کہ نماز جمعہ وجماعت کی بنیاد پڑ گئی۔ سب سے پہلے نماز ظہرین روز جمعہ ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ میں وزیر اعظم نواب حسن رضا خاں کے مکان پر ہوئی اور حضرت غفران مآب نے اقتداء کی۔ ۲۷/رجب کو روز بعثت نماز جمعہ بجماعت ہوئی۔

مصنفات

(۱) اساس الاصول، اصول فقہ (۲) منتہی الافکار در اصول فقہ (۳) شرح باب الصوم حدیقۃ المتقین (۴) مواعظ حسینیہ (۵) شرح باب الزکوۃ حدیقۃ المتقین (۶) شہاب ثاقب ردصوفیہ (۷) مرآۃ العقول ملقب بعماد

الاسلام، جلد اول توحید جلد دوم عدل جلد سوم نبوت جلد چہارم امامت جلد پنجم معاد (۸) صوارم

الالٰہیات ردتحفہ شاہ عبدالعزیز دہلوی (۹) حسام الاسلام ردتحفہ نقض باب نبوت (۱۰) احیاء السنۃ رد مبحث معاد ورجعت از تحفہ مذکور (۱۱) ذوالفقار رد باب دوازدہم تحفہ (۱۲) رسالہ غیب ردعبدالعزیز (۱۳) خاتمہ کتاب صوارم دراثبات امامت (۱۴) رسالہ جمعہ (۱۵) حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ ملاصدر الدین شیرازی (۱۶) رسالہ درجواب محمد سمیع صوفی (۱۷) مسکن القلوب (۱۸) رسالہ استدلال در بعض مسائل فقہیہ ازمعاملات معروف بہ رسالۂ ارضین (۱۹) رسالہ درحکم اوانی فضہ وذہب (۲۰) اثارۃ الاحزان، مقتل حسین (۲۱) حاشیہ ملاحمد اللہ شرح سلم العلوم (۲۲) رسالہ اجازہ مبسوطہ بحق سلطان العلماء

اولادذکور

(۱) سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ (۲) مولانا السید علی (۳) مولانا السید حسن (۴) مولانا السید مہدی (۵) السید حسین علیین مکانؒ

تلامذہ

(۱) رئیس المتکلمین مفتی سید محمد قلی خاں (۲) مولانا سید احمد علی محمد آبادی (۳) مرزا فخرالدین احمد خاں معروف بمیرزا جعفر (۴) میریاد علی مصنف تفسیر فارسی (۵) میرتقی مصنف اسرار الصلوٰۃ واوزان الشرعیہ (۶) مرزا محمد خلیل (۷) آقا سید غلام حسین (۸) سید محمد باقر واعظ (۹) سید شاکر علی (۱۰) سید علی (۱۱) حاج سید نظام الدین حسین

(۱۲) مرزا جواد علی (۱۳) مرزا علی شریف خاں (۱۴) سید مرتضیٰ (۱۵) مرزا محمد رفیع معروف مرزا مغل متخلص بہ عاقلؔ (۱۶) سید اصغر ابن سید بہاؤالدین (۱۷) حکیم مرزا علی (۱۸) سید حمایت حسین کنتوری معروف بہ میر علی بخش (۱۹) مرزا اسمٰعیل (۲۰) مرزا احمد علی (۲۱) حکیم سید احسان علی (۲۲) سید سجاد علی جائسی (۲۳) میر کاظم علی (۲۴) میر زین العابدین احمد خاں بہادر معروف بہ میرزا محسن (۲۵) مولوی سید اعظم علی (۲۶) ملا علی نقی قزوینی (۲۷) مولوی سید علی نقی (۲۸) سید

نیاز علی (۲۹) میر خدا بخش مختار آفرین علی خاں۔

آئینہ حق نما

مولانا سید دلدار علی صاحب نے اپنے حالات زندگی خود تحریر کئے ہیں جس کا نام "آئینہ حق نما" ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ کے اکثر کتب خانوں میں محفوظ ہے۔ اس قدر دلچسپ اور سبق آموز ہے کہ بجائے خود ایک دفتر مواعظ ہے۔ مگر افسوس کہ اس وقت تک کسی بزرگ خاندان نے اس طرح توجہ نہیں فرمائی کہ اس سے تمام مومنین مستفیض ہو سکتے۔ یہی حالت امام باڑہ غفران مآب کی بھی ہے جس کی پرانی اینٹیں ہمارے لئے دفتر عبرت ہیں۔

(مرزا عزیزؔ مرحوم کی یہ دیرینہ تمنا بڑے شاندار طریقے سے مسبب الاسباب نے پوری کی اور یہ عزاخانہ نئے سرے سے بہت اعلیٰ پیمانے پر زیر تعمیر ہے۔ مسعود)

انقلاب زمانہ کے یہ کس قدر عبرت وحسرت ناک واقعات ہیں کہ جس سرزمین پر ایسی ایسی متبرک ہستیاں موجود ہوں۔ گو خاک کے ذروں ہی میں ملیں مگر ہر حالت میں قدر و منزلت کے مستحق ہیں۔

وفات

۱۹/رجب ۱۲۳۵ھ میں اس نور ہدایت کا چراغ زندگی خاموش ہوا۔ اور اپنے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔ ۶۹/سال کی عمر تھی جس کی ہر ساعت ایک ذخیرۂ معرفت اپنی آغوش میں لئے ہے۔ غازی الدین حیدر فرماں روائے اودھ کا عہد حکومت تھا۔

قطعۂ تاریخ ۱؎

مصنفۂ علامۃ العلماء مولانا سید احمد علی محمد آبادی طاب ثراہ

فقیہ ومجتہد وعالم ومروج دیں

شریف مکہ علم و کمال و فضل و تقیٰ

ضیائے دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم

عزیز مصرِ سیادت سپهر مجد و عُلا

ندید چشم فلک مثل این مجدد دیں

که شاہد اند بفضل وبزرگیش اعدا

جمال در خور علم وکمال داشت ازاں

که شد ز روزِ ازل مہبط فیوضِ خدا

بآبیاری ارشاد آن سحاب فیوض

دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا

رسید چون شب تاسع عشر ز ماہِ رجب

سفر بروضۂ رضواں نمود از دنیا

دریں مصیبت جانکاہ شیعیاں یکسر

بسوز سینه نمو دند ماتمے برپا

چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں روداد

بدل گذشت که تاریخ آن کنم اِنشا

سروش غیب ہمان وقت ناگہان فرمود

ستون دین بزمیں اوفتاد واویلا

۱۲۳۵ھ

حضرت غفران مآب رحمۃ اللہ علیہ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی لکھنوی، کراچی پاکستان

یاغفران یارضوان

ملت جعفریہ کے مشہور علماء شیخ صدوق، شیخ مفید، میر باقر داماد، بہاؤ الدین عاملی، مجلسی، بحر العلوم وغیرہ اعلی اللہ مقامہم اور دوسرے شیعہ مشاہیر مجتہدین کے حالات مدرسۃ الواعظین کے آرگن الواعظ لکھنو سے نشر کرنے کے بعد آج خود اپنے جد امجد اور مورث اعلیٰ حضرت غفران مآبؒ کے احوال پر قلم اٹھانے کا فخر حاصل کر رہا ہوں جن کی بلند شخصیت سے قوم اچھی طرح متعارف ہے، انھیں کی ذات تھی جس نے آج سے دوسو برس قبل کے عوام کو ان کی بہائم صفت زندگی کا احساس پیدا کر کے انسان بنایا اور کامل ۳۵ سال تک اس سحاب علم کے ترشحات سے قوم سیراب ہوتی رہی اور ان کی آنکھ بند ہونے کے بعد آج تک ان کی نسل میں علم وحکمت کے تجلیات جگمگاتے رہے اور اہل علم میں جو ہے وہ انہیں کے خرمن فیوض کی خوشہ چینی کر رہا ہے۔

فقیر باب اہلبیت

آغا مہدی لکھنوی

۸/شعبان ۱۳۸۳ھ

عالم کی ضرورت اور اس کا خدا کے نزدیک مرتبہ

منعم حقیقی کا ہم پر یہ رحم وکرم ہے کہ سلف سے آج تک ہر زمانہ میں ایک مجتہد جامع الشرائط عوام کے رشد وہدایت کے لئے آتا رہا اور ہر راہ نما وہ نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گیا جو زمانہ کی سرد وگرم ہواؤں سے فنا نہیں ہوسکے۔ اس نعمت عظمیٰ کی افادیت کا اعتراف سرسید احمد خاں آنجہانی المتوفی

۱۸۹۸ء ھ نے اپنے ایک مضمون میں بڑے لطف سے کیا ہے:

''مذہب شیعہ امامیہ[۱] کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری ہے''۔ غفران مآبؒ بارہویں صدی کے وہ عالم ربانی تھے جنھوں نے وطن سے بچپن میں نکل کر علم و عمل کی لازوال دولت حاصل کی اور اس قابل ہوئے کہ باب مدینۂ علم کے مزار مبارک پر مدت دراز تک جبہہ سائی کی اور فقہ و اصول کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے علمائے نجف اشرف و قم و حجاز کے فیوض سے مالا مال ہو کر لکھنؤ کو فقہ جعفری کا مرکز بنایا اور ملک و ملت کے فلاح و بہبود کا اساس قائم کیا وہ اب بھی زندہ ہیں ؎

مَوْتُ التَّقِيِّ حَيَاتٌ لَانَفَادَ لَهَا
قَدْمَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ اَحْيَاءُ[۲]

پرہیزگار کی موت وہ زندگانی جاوید ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ لوگ مرتے رہتے ہیں مگر متقی مرنے والا گروہ مردم میں زندہ ہے۔

[۳] حدیث میں ہے، پل صراط پر جب عالم و عابد ایک ساتھ ہو جائیں گے تو عابد سے کہا جائے گا کہ داخل بہشت ہو اور اپنی عبادت کا پھل حاصل کر اور عالم سے حکم ایزدی ہوگا، تم اسی جگہ ٹھہرو اور جس کی چاہو شفاعت کرو جس کی سفارش کرو گے وہ بخش دیا جائے گا۔ عالم کا قیام انبیاء کی جگہ پر ہوگا۔

فریقین کی مسلمہ حدیث ہے کہ سرکار دو عالم نے اہل علم کے لئے فرمایا میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاؑ کی طرح ہیں۔ دیکھو:

---

(۱) رسالہ تہذیب الاخلاق، ص ۶۹ مورخہ ۱۰ر محرم ۱۲۸۹ھ

(۲) یہ شعر ابو محفوظ کرخی شاعر عرب کا ہے جو مجانی الادب فی حدائق العرب تالیف نویس شیخو طبع بیروت ۱۹۰۹ء میں موجود ہے۔

(۳) قِفْ هٰهُنَا فَاشْفَعْ لِمَنْ اَحْبَبْتَ فَاِنَّکَ لَا یُشَفَّعُ لِاَحَدٍ اِلَّا شَفَعْتَ فَقَامَ مَقَامَ الْاَنْبِيَاءِ (تفسیر روح البیان بروسوی سورۂ صافات، صفحہ ۴۵۵ طبع مصر)

۱۔تفسیر روح البیان، فاضل بروسوی، جلد اول، ص ۲۴۸، طبع مصر

۲۔صفات المرأۃ شرح مراۃ العارفین، ص ۲۹۷

عوام کے لئے اس حدیث میں تشبیہ کا پہلو، ان سے رجوع اور ان کی عزت کرنا ہے نہ یہ کہ اہل علم کو نبی سمجھا جائے جیسا کہ قادیانی فرقہ استدلال کرتا ہے وجود نبوت پر۔ اس کو نہیں معلوم کہ تشبیہ میں جس سے تشبیہ دی جائے ہرگز اس کے تمام پہلو مدنظر نہیں ہوتے۔ خوبصورت کو چاند کہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس میں طلوع ، غروب، گھٹنا ، بڑھنا اور کرویت تمام باتیں پائی جائیں۔ اس قسم کا سہارا مضحکہ خیز ہے جس کو عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ علم کی فضیلت میں بعض اہل قلم نے ایک جذبہ کا استثنا کیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ہم کسی دولت مند کی برابری کی آرزو کریں تو یہ ہوگا حسد۔ مگر علم میں ترقی کرکے کسی بلند پایہ عالم کے درجۂ کمال تک پہنچنے کی آرزو حسد نہیں ہے، جمیل ہے۔ (دیکھو مَجَانِیُ الْعَرَبِ فِی حَدَائِقِ الْعَرَبِ ، ص ۴۶ طبع بیروت)
ان حقیقی علماء کے بارے میں ہے اَلرَّادُّ عَلَیْھِمْ کَالرَّادِّ عَلَیْنَا۔ معصوم فرماتے ہیں جس نے مجتہدین کو ٹھکرایا اس نے گویا ہماری مخالفت کی۔ آجکل کی اکثریت کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ جس نے منبر پر سب سے اچھی مجلس پڑھی وہ زیر منبر آنے کے بعد مولانا ہو گیا خواہ صحیح عربی عبارت نہ پڑھ سکے، قرآن کی آیتیں غلط پڑھے۔ اس طبقہ کے کردار کو عالم اور مجتہد کا رویہ قرار دے کر صف علماء کی تذلیل وتحقیر ہوتی ہے اس کا نام عراق میں روضہ خواں اور لکھنؤ میں ذاکر ہے۔

نواب آصف الدولہ مرحوم کے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ بسانے پر ہر طرف سے صاحبان کمالات کھینچ کھینچ کر آ رہے تھے اور بہت تھوڑے عرصہ میں فنون لطیفہ اور ارباب نشاط ہر طرف سے سمٹ آئے۔ دولت و مطلق العنانی کا اجتماع بغیر نتائج بد کے ضمیمہ کے کیوں کر ممکن تھا؟ مسلمانوں کی یہ حالت ہوئی کہ مادیت کا اگر ایک بادل ہٹا تو اس کی جگہ دوسرے بادل نے لی اور مہاجرین ازدام

جستہ سوئے دام می رود کا مصداق بن گئے۔ احمد کبیر[۱] کی گائے، شیخ سدو کا بکرا، ہٹیلے کا مرغ،[۲] بی بی گرج کا روٹ، میاں جلال کے کونڈے، مدار صاحب کی انکھیاں،[۳] اور بھنگ نوشی کی دعوت عام تھی۔ صوفیت کے پرشکوہ ایوانوں میں گیروے لباس سے ملبوس رہنما صرف ''یا حق'' کی صدا کو واحد عبادت قرار دئے ہوئے، نماز و روزہ سے غافل، ہاتھ میں طوطی کا پنجرا جو پناہ بخدا ان کے عقیدہ حلول و تحلیل کی بولتی ہوئی تصویر یا کردار پر خاموش گواہ تھا۔ اس ماحول میں شہر سے ۳۵ کوس دور مضافات[۴] الہ آباد کے دیہات نصیر آباد کی خاک نے منجملہ اور پیمبران حقیقت شناسی کے علامہ سید دلدار علی کو پیدا کیا جس نے انسانیت کو سدھارنے کا بیڑا اٹھایا اور فقہ جعفری کی حفاظت کی۔

آپ کے اجداد کا خدمت خلق میں ایک پر شکوہ اقدام

سلطان ابراہیم شرقی کے زمانہ حکومت کا ذکر ہے، رائے پرتاب سنگھ بہادر کی لڑکی بیاہ کر سسرال جانے والی تھی کہ کچھ لٹیروں نے برات پر چھاپا مارنا چاہا اور جان و آبرو کا خوف ہوا۔ لڑکی والوں کو سادات کے کردار اور غیرت کا یقین تھا اور وقت مصیبت میں ان کو کچھ نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ عورتوں کو عصمت دری سے بچانے کے لئے ان حضرات کے سپرد کردیں۔ اس مقام پر تاریخ کی اصل لفظیں ملاحظہ ہوں:۔

"استغاثہ بخدام والا مقام جناب شہامت انتساب تہور شعار جلالت آثار یکہ تاز میدان دلاوری و رزم پرداز معرکہ بہادری سید زکریا بن سید خضر بن تاج الدین بن نصیر الدین بروند و عروس و جمیع ناموس را بہ پردگیان سرادق سیادت سپردند۔"

فریاد کناں غیر مسلم سہی اپنے پناہ گزیں اور معزز ہندو مہمان کو بچانے میں سید زکریا نے اپنے

---

(۱) اہل طریقت کے ایک ولی جن کا وصال ۲۷۵ھ میں ہوا اس نیاز کا ذکر تحفۂ جعفری صفحہ ۲۷ میں دیکھو۔ (۲) منہ (۳) صفحہ ۳، منہ بہار ہند صفحہ ۲۱۵ / مرزا مچھو بیگ، (۴) انگریزوں نے رائے بریلی ضلع قائم کرکے نصیر آباد کو علاقہ الہ آباد سے الگ کیا۔

غلاموں اور خاندان کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ غنڈے راجپوتوں کا مقابلہ کریں۔ ایک خونریز جنگ ہوئی اور دشمن پسپا ہوئے۔ اس مقام پر تاریخ کے یہ الفاظ ہیں:۔

"نسیم فتح و ظفر پرچم لوائے سید فرشتہ سیر بوزید"

بے گناہ عورتوں کی عزت کو بچایا اور انتہائی نیک نیتی سے عورتوں کو ان کے مردوں کے سپرد کیا اور دشمن سے اپنے کردار کی تعریف کرائی۔ اس تہلکہ سے بچنے پر دوسری مصیبت آپڑی اور پرتاب سنگھ کو سیاسی ہوائے مخالف نے پرشدپور کے قلعہ میں قید کردیا سید زکریا نے اس قید و بند کو سراسر ظلم تصور کرتے ہوئے بادشاہ سے سفارش کی اور زندان بلا سے چھڑایا۔ رائے صاحب سادات کی رواداری دیکھ کر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوئے جیل سے نکلے۔ یہ پہلی خدمت دین تھی جو تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ اجداد کی خدمات کی نقشہ کشی مطولات میں ملاحظہ ہو۔ قدرت نے جس کام کے لئے غفرانمآب کو چنا تھا، وہ ورثہ تھا ان کا اور ان کے سوا کوئی شخص اس طرح خدمت دین انجام نہیں دے سکتا تھا۔

نام اور نسب

اسم گرامی سید علی عرف دلدار علی تھا اور آپ کے والد ماجد سید محمد معین نے اپنے پشت نامے پر نظر رکھتے ہوئے وہ نام رکھا جو اسلاف میں کسی کا نہ تھا۔ آپ تیئس ۲۳ واسطوں سے امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد تک پہنچتے ہیں، مورث اعلیٰ سید نجم الدین (۱) سبزوار سے سالار مسعود غازی کے ساتھ سردار لشکر ہو کر بھارت کی طرف آئے اور اپنی فتوحات سے ظلمت کدۂ ہند میں جا بجا توحید کے چراغ روشن کئے۔ قلعہ ودیانگر کو فتح کیا اور نام جائے عیش قرار دیا جو کثرت استعمال سے جائس ہوا۔ پھر اسی نسل کے چشم و چراغ سید زکریا بن خضر نے پٹاک پور پر قبضہ کیا اور اپنے دادا کے نام پر نصیر آباد

(۱) نجم الدین سبزواری فاتح ودیانگر بود ۱۴رمراۃ البلاد۔ موصوف کے تین بیٹے تھے۔ ابراہیم دہلی گئے۔ شرف الدین نے وطن میں قیام کیا۔ نصر اللہ بدایوں گئے۔ غفران مآب منجھلے بیٹے شرف الدین کی نسل میں ہیں۔

نام رکھا۔ یہ دونوں دیہات ضلع رائے بریلی میں اس وقت بھی سادات کا مسکن اور بڑا قصبہ، چھوٹا قصبہ سے مشہور ہیں۔

پیدائش اور انقلاب ذہنیت

۱۱۶۶ھ وہ مبارک سال تھا جس میں اس فتحمند خاندان میں دلدار علی کی ولادت ہوئی اور ابتدائی تعلیم اسی معیار پر ختم ہونے والی تھی جو بزرگوں کا چلن تھا۔ ایک روز آپ اپنے کھیت پر مویشی لئے ہوئے مصروف کار تھے کہ صدا آئی: دلدار علی اپنی تعلیم کو جاری رکھو اور لکھنؤ جاؤ۔

اس ندا میں غضب کا اثر تھا اور بجلی کی ایک لہر تھی جو گھرانے بھر میں دوڑ گئی اور زراعت پیشہ ماں باپ نے خوشی سے اکلوتے فرزند کا فراق گوارا کیا اور لکھنؤ بھیجنے پر تیار ہوئے۔

یہ فضل ایزدی تھا کہ والدین اپنے عزیز فرزند کے ہمنوا ہوئے اور اولاد جو ضعیفی کا سہارا ہوا کرتی ہے، نصرت دین میں جدا کرنے میں عذر نہ ہوا۔ بعض تذکروں (۱) میں ہے کہ مولوی باب اللہ اس وقت رائے بریلی میں تھے۔ بنا بریں صرف ونحو اور منطق کی تحصیل تک آپ وطن سے نزدیک تھے۔ مگر سندیلہ پہنچ کر چشم و چراغ مولوی حمد اللہ یعنی ملا حیدر علی کی مجلس درس میں داخل ہوئے اور فلسفہ وحکمت کا درس شروع ہوا۔ اس وقت آپ بیک بینی دوگوش تھے اور ذوق علم میں وطن سے دور ہونے کا مطلق رنج نہ تھا۔ ممکن ہے یہی وہ سخت وقت تھا کہ آپ نے ایک ہندو بنیئے سے یہ وعدہ کیا تھا کہ رات بھر اس کی دوکان کی حفاظت کریں اور دوکان کے پٹرے پر سونے کی اجازت دے۔ زمانہ طالب علمی کا سارا مطالعہ اور کتب بینی سڑک کی سرکاری روشنی اور بقال کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ سے ہوئی الہ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے بھی پڑھا۔ فیض آباد جا کر بحر العلوم مولوی عبد العلی سے معقولات میں ایک زبردست مباحثہ کیا اور دوررس فکر ودماغ سے طے کر لیا کہ اب ان کی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے جتنا (ہندوستان) کی زمین بے آب ہے۔ شوق کا خلوص اور تکمیل علم کی

(۱) تذکرۂ بے بہا، صفحہ ۱۴۶، از مولانا سید محمد حسین نوگانوی

بیتابی دیکھو عہد آصفی میں نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں صاحب نے سید کی آواز پر لبیک کہا۔ علم پرستی اسے کہتے ہیں، انہیں محسوس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک فقہ جعفری کا ماہر ایسا نہیں ہوا جو مجتہد کہا جائے۔ حکومت اودھ کے تعاون سے آپ نے عراق وحجاز کا قصد کیا۔ بیرون ہند کا سفر مہینوں کی صبر آزما مدت کے بعد ختم ہو کر فقہ واصول کی اعلیٰ تعلیم شروع ہوئی اور یہ مبارک سلسلہ مختلف اساتذہ کے درس خارج میں شرکت کرتے ہوئے مدت تک جاری رہا اور نواب اپنی تن آسانیاں چھوڑ کر زحمت انتظار برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ مولانا نے مشہد مقدس کے اساتذہ سے بھی فیض حاصل کیا اور ایک نہایت وسیع قطعہ ارض کی سیاحت کر ڈالی۔ تعلیم عراق کا وہ واقعہ بھی اہم ترین ابواب زندگانی میں ہے کہ آپ نے اپنی اولاد میں تا ظہور قائم آل محمدؐ اجتہاد باقی رہنے کی تحت قبہ دعا کی اور یہ جذبہ تعلیم حضرت ابراہیم خلیل سے حاصل ہوا تھا۔ شرف علم اپنی ذریت میں پہنچانا مطلوب تھا، اوقات استجابت اور اسباب قبولیت جمع تھے، عالم اور مسافر کی دعا، شب قدر کی خاص ساعت، روضۂ شبیرؑ، ناممکن تھا، مراد پوری نہ ہوئی۔ آپ کے رفیق سفر ایک دیہاتی تھے۔ انہوں نے اپنے مخالف پٹہ داروں کے مرجانے کی دعا کی۔ دونوں حاجتیں پوری ہوئیں۔ اس حقیقت کو علامہ کنتوری[1] مرحوم نے بڑے بسط کے ساتھ بیان کر کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ صدہا علماء اور مجتہد روضہ کے مجاورت میں یہ سعادت کیوں نہیں حاصل کر سکے؟ غفران مآبؒ میں کیا امتیاز تھا جو انہیں یہ شرف حاصل ہوا، اوروں کو نہ ہوا۔ یہ خادم دین عرض کرتا ہے کہ غفران مآبؒ قیام کربلا میں اقتران مشتری راس ذنب سے ٹھیک شب قدر میں ہوا جو عموماً چودہ برس کے بعد ہوا کرتا ہے۔ یہ وجہ تھی جو دعا رد نہ ہوئی، اس ساعت کا دعا کی بڑی کتابوں میں ذکر موجود ہے۔ اساتذہ میں حسب ذیل اسماء قابل ذکر ہیں:۔

(۱) آقا سید علی صاحب ریاض المسائل، المتوفی، ۱۲۲۷ھ

---

(۱) ملاحظہ ہو، انتصار الاسلام، جلد سوم، ص ۱۳۶، طبع ۱۹۱۷ء

(۲) آقا سید مہدی موسوی شہرستانی۔

(۳) آقا سید باقر بہبہانی علیہ الرحمہ آپ نے ۱۲۰۶ھ میں اس خاکدان ہستی کو چھوڑا۔

(۴) آقا سید مہدی طباطبائی جو ۱۲۲۲ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(۵) آقا سید مہدی ہدایت اللہ اصفہانی۔

ان حضرات کے دیئے ہوئے اجازات عہد شاہی کے پریس میں طبع ہو کر لکھنو کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اگر اس مقام پر نقل کر سکتا تو بر محل اضافہ اور عربی ادب کا احیاء اور اجازات کا تعارف ہوتا۔

بصرہ سے نجف اشرف تک آپ کا سفر کشتی میں ہوا تھا اور قرنا پہنچ کر ایک طوفان عظیم کا سامنا ہوا لیکن دریا کی یہ لہریں ان کے توکل کے چٹان سے ٹکریں کھا کر واپس گیئں اور قدرت نے مرکز پر پہنچا دیا۔ عراق سے آپ کیا لائے؟ علم وعمل کی غیر فانی عزت، شرف زیارت جس سے آپ کے اسلاف اپنی ہجرت اولیٰ مدینہ سے اور ہجرت ثانیہ (سبزوار) کے بعد سے مہاجرت کی گوناگوں زحمتوں میں گویا محروم رہے اور ارض شرک پر قیام کر کے کفر و الحاد سے مقابلہ کرتے رہنا ہی ان کے لئے ثواب زیارت تھا۔

علاوہ ان غیر محسوس فضل و شرف کے آپ کے ساتھ جو تبرکات تھے اب وہ ملاحظہ ہوں: (۱) تسبیح دُرِ نجف: کنٹھا تھا ۳۴ دانہ کا، جس کا ہر دانہ بیضہ کنجشک سے بڑا تھا (۲) استاد کا پیرہن جو والد ماجد کے زمانہ تک ایک صندوقچہ میں بند رہتا تھا اور ہم لوگ اس کو آنکھوں سے لگاتے تھے (۳) صحیفہ کاملہ بخط شہید اول[1] جس کے خصوصیات پر ایک مستقل عنوان کی ضرورت ہے، اس علمی یادگار کی دنیا میں نظیر نہیں ہے (۴) سرمہ کا وہ نسخہ جو کسریٰ کے خزانہ سے حضرت سید الشہداء رُوحِي فَدَاهُ تک پہنچا اور علم سینہ[2] کو سفینہ میں منتقل کرنے والے مستحق تبریک ہیں جنھوں نے باقی رکھا۔ اس سے

---

(۱) اس صحیفہ کی ورق عکس اور اس کی خصوصیات نظامی جنتری میں دیکھو۔ (۲) اس نسخہ کو مع اسناد ناچیز نے اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ 'عاؤس کی کتاب'' میں درج کیا ہے۔

آپ کی علم الابدان سے گہری دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ عناصر اربعہ آپ کے لئے سفر عتبات کی یادگار تھی۔ غرض سالہا سال کی جاں فشانی صحرانوردی اور غریب الوطنی کے بعد واپس آنے کا وقت ہوا، اور لکھنؤ پہنچ کر یقین کرنا پڑا کہ حکومت کی زبان میں وعدہ اور ایفائے وعدہ میں تباین نہیں۔ نواب آصف الدولہ کی خواہش اور حسن رضا کی استدعا پر لکھنؤ میں مستقل قیام ہوا اور حکومت کی طرف سے شہر کے قدیم علاقہ فرنگی محل سے متصل ناف شہر میں جگہ ملی جو اس وقت جوہری محلہ کے نام سے مشہور ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو پہلا بندوبست ہوا، اس کے قدیم کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خسرہ میں کیننگ اسٹریٹ تک آراضی پر مولوی صاحب لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ امام باڑہ غفرانمآبؒ اسی زمین پر واقع ہے۔

فرنگی محل کو ہمسایہ قرار دینے میں عذر نہ ہونا، آپ کے اتحاد پرور مزاج کا قوی ثبوت اور وہ اعتدال پسندی ومیانہ روی تھی جس میں آخر تک کچھ تغیر نہیں ہوا اور اپنے بلند کردار سے بتایا کہ علماء میں اتحاد واتفاق دونوں کا وجود ہے۔ لکھنؤ پہنچ کر آپ نے صحیح اسلام کی تبلیغ کی اور جہالت و مادیت کے جو قلعہ مستحکم ہو چکے تھے، ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ وہ قبیح رسوم جن کا ہم نے صدر سخن میں تذکرہ کیا، اپنی روحانیت وسچائی سے مٹائے اور اصول دین کی بنیاد قائم کی، فروع مذہب کو پروان چڑھایا۔ اس زمانہ کی ایک مثنوی سے جو لکھنؤ اور دہلی میں بار بار چھپی، یہ اشعار دیکھ کر فیصلہ ہوتا ہے کہ شہر میں بجائے نعرۂ تکبیر یہ رنگ تھا:۔

ہوتی ہے جس جگہ پہ مجلس حال
چھیڑ کر ساز گاتے ہیں قوال
اک طرف وہ بجاتا ہے ڈھولک
اک طرف ناچتا ہے یہ مردک
کبھی مارے ہے چیخ مثل حمار
کبھی چپ دم بخود ہے نا ہنجار

کبھی کہتا ہے قان اور کبھی قین
واہ کیا معرفت ہے اور یقین
بہتوں کو یہ فریب دیتے ہیں
اور زر و سیم ان سے لیتے ہیں

(مثنوی تحفہ جعفری،ص ۹۷، طبع دہلی)

علماء اسلام میں مفتی غلام حضرت جن کے نام پر غربی لکھنؤ میں مفتی گنج محلہ آج تک آباد ہے، شہری عالم اور مفتی سعداللہ، مفتی گھسیٹ خاں، مفتی نعمت خاں اور مفتی جلال جو محکمہ قضا کے صدر الصدور تھے اور دوسرے معاصروں کے ساتھ کوئی بدمزگی نہ تھی۔ خاندان کوکلتاش خاں کے میر منصور اور میر سنگی میں جب درگاہ قدم رسول نوبتہ پر مقدمہ بازی ہوئی اور ۱۰/ذیقعدہ ۱۲۱۱ھ کو فیصلہ ہوا تو اس خانہ جنگی کے ثالث آپ تھے۔ اصل دستاویز (جس پر مرقومہ بالا عالموں کی دستخطیں ہیں) کے عیون الفاظ یہ ہیں:

در کچھری عدالت العالیہ پیش مفتی غلام حضرت برائے سوال و جواب می فرستادیم مدتے آنجا قضیہ ماند عاقبت الامر بحضور جناب سید دلدار علی صاحب مصالحہ شرعیہ واقع شدہ۔

یہ دستاویز عہد آصف الدولہ کے سنی شیعہ اتحاد پر گواہ ہے اور کاغذات موجودہ متولیان کے پاس اسی فیصلہ کی بنا پر اب تک موجود ہیں، آپ کی ساری کامیابی اور مذہب حق کی ترویج کا راز مرنجان مرنج رویہ تھا جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا اور یہ خدمت خلق ان کو تورث سے حاصل ہوئی تھی۔ ابتدائے کلام میں ان کے اجداد کے خدمات گزرے۔

لکھنؤ میں فقہ جعفری کو فروغ اور ہندوستان میں پہلی نماز جماعت

غلام علی بن محمد اکمل خاں، نواب حسن رضا خاں مرحوم اور غفران مآبؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

بانی جمعہ وجماعت در اثنا عشریان در لکھنؤ او بودہ است در ہیچ شہرے از شہر ہائے ہندوستان نماز جمعہ وجماعت در مذہب امامیہ رائج نبود بلکہ کسی را گمان این ہم نبود کہ در ایران وبلاد عرب نماز جماعت در اثناء عشریان گزاردہ می شود۔ [1]

ترجمہ: لکھنؤ کے مذہب اثناءعشری میں جمعہ اور جماعت کے بانی علامہ دلدار علی تھے (قدیم) ہندوستان کے کسی شہر میں مذہب امامیہ کی جماعت اور جمعہ نہ ہوا تھا بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کے یہاں عرب وعجم میں بھی جماعت نہیں ہوئی۔

نجم الغنی دوسرے مورخ نے بھی اس اولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے جماعت میں مرزا جوان [2] بخت شاہزادہ دہلی کی شرکت کا مزید اظہار کیا ہے۔ بقول عبدالحلیم شرر ''آپ ہی لکھنؤ کے پہلے مجتہد [3] ہیں''۔ اس ولولہ انگیز موعظہ اور عالمانہ تقریر پر آصف الدولہ کا حلقہ بگوش ہونا اوران کی توبہ کی حکایت تاریخوں میں دیکھو۔ [4] شاہ حسین مرزا صفوی طوسی اپنے طویل منظومہ میں آپ کو قدیم ہندوستان کا پہلا امام جمعہ وجماعت قرار دیتے ہیں ؎

میر دلدار علی صفوہ اطیاب کرام
رکن ایماں بخدا بود عماد اسلام
عالم باعمل و مجتہد قدس نژاد
ہادی مذہب حق نائب معصوم و امام
ہازم زمرہ اتباع صنم ہائے قریش
چو پیمبر بصوارم چو غضنفر بحسام
برق وش مجمع ارباب تصوف رازد
بشہابے کہ بود ثاقب وناقد چو سہام

(۱) تاریخ عماد السعادت، ص ۱۳۷، طبع نول کشور ۱۸۶۴ء (۲) تاریخ اودھ جلد ۳، ص ۱۳۲ (۳) گذشتہ لکھنؤ ص ۱۰۲ (۴) انتصار الاسلام جلد ۳ و تاریخ العلماء وغیرہ

کردتاسیس اساسی کہ بہ تحقیق اصول
بہر اصحاب خطا نیست دراں جائے کلام
مجتہد پیش از او کس نشدہ بود بہ ہند
جمعہ و وعظ و جماعات بہ او یافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہان ز فیوضش گردید
نہج اثنا عشری یافت زاورونق تام[1] ﴿۱﴾

زمانہ حال کے غیر شیعہ مفکر اور ارباب ادب میں گھانسی رام، ایم۔اے۔، ایل۔ایل۔بی۔۔ اور مولوی محمد ناظم بی۔ایس سی۔ ہر دو مولف عہد آصفی کو(عہد) حاتم ثانی تصور کرتے ہیں اور رقمطراز ہیں: نواب تعصب مذہبی سے پاک تھا اور دربار میں ہر مذہب وملت کے لوگ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے، علم کی قدردانی ایسی تھی کہ غفران مآبؒ مولوی[2] دلدار علی کو انھوں نے مالا مال کردیا، مولوی فضل حق خاں صفی پوری کو عہدہ آب کاری عنایت کیا۔

یہ اشارہ ان مواضعات کی طرف ہے جو ضلع رائے بریلی اور اناؤ میں بسلسلہ معافی تھے اور وہ پنشن بھی اس اجمال کی تفصیل ہے جو اولاد غفران مآبؒ میں بعض افراد تک تقسیم ہوتے ہوتے حصّہ رسد پہنچی ہے۔ مولوی منشی افضل حسین ثابت لکھنوی حیات دبیرؔ میں مرزا صاحب کے اجداد کی علم دوستی اور ان کے دینی گردوپیش کی تصویر کشی میں لکھتے ہیں:۔

پہلا خط غفران مآب حجۃ الاسلام مولانا السید دلدار علی صاحب قبلہ أعلی اللهُ مَقامَهُ فِي الجِنانِ کا مورخہ ۱۲۱۶ھ ہے، جس کو میں لفظ بہ لفظ مع ترجمہ تبرکاً لکھتا ہوں کہ ہندوستان میں یہ سب سے پہلے مجتہد ہوئے ہیں ان کی وجہ سے ہندوستان کے تمام شیعوں میں دینداری پھیلی ہے، اکثر اہل علم شیعوں کے خاندان انہیں کے خانوادہ کے تعلیم یافتہ اور شاگرد ہیں۔ ان کی تحریر کو شیعہ آنکھوں پر رکھتے ہیں۔

---

(۱) تذکرۃ المحققین فارسی طبع میرٹھ ۱۹۳۱ء (۲) روح ادب، حصہ سوم ص ۲۰۱

جناب مرزا صاحب کرم فرمائے دوستاں مستجمع الطاف و احسان عالی مراتب والامناقب مرزا غلام حسین صاحب دَامَ مجدُہٗ۔

بعد سلام مسنون الاسلام واضح رائے شریف باد کہ مبلغ پانصد روپیہ منجملہ زکوٰۃ و خمس کہ بدست مسمّی غلام حیدر فرستادند رسید انشا اللّٰہ تعالی بمستحقین مومنین تقسیم کردہ خواہد شد زیادہ والسلام مرقومہ چہارم شہر رمضان ۱۲۱۶ھ سید دلدار علی ۱۲۱۰ھ حیات دبیرؔ، ص ۹۔ ﴿۲﴾

مرزا صاحب کے بزرگوں کے لکھنؤ آنے پر اپنے تعارف میں وطن کی نجابت اور عالی نسبی پر ایک استشہاد تیار کرنا پڑا جس پر غفران مآب کی دستخط ہے۔ منشی صاحب موصوف کتاب مذکور میں لکھتے ہیں: اس پر شہنشاہ عالم دہلی کی مہر ثبت ہے اور عبارت میں لکھا ہے کہ ان کے بزرگ شرفاء شیراز سے تھے اور مابدولت کی سرکار میں عہدۂ جلیلہ پر سرفراز وممتاز تھے۔ اس کے بعد حجۃ الاسلام مولانا سید دلدار علی مجتہد اول لکھنؤ اور مرزا کاظم علی صاحب محدث اور حسن رضا خاں نائب صوبہ اودھ، ص ۶ پر ذکر ہے۔

تبلیغی جدّو جہد

آپ کو لکھنؤ پہنچنے پر قوم کی اندرونی اصلاح اور ان میں ذوق علم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دو زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ صوفیت اور اخباریت کی گھٹائیں تھیں جو فریقین پر چھائی ہوئی تھیں، اور مسلمان پسے جارہے تھے۔ یہ وہ تصوف نہ تھا جس کا پس منظر محبت اہل بیتؑ ہو بلکہ انسان کو وہ ڈرونا لباس پہنایا تھا اور وہ گھنونے رویّے اختیار کئے تھے جس کو دین سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ گردش قلم اور زورتقریر نے معلوم نہیں کتنے معرکے سر کئے۔ ابھی یہ جراثیم کلیۃً فنا نہ ہوئے تھے، کہ نواصب نے دہلی سے سر اٹھایا اور تحفۂ اثنا عشریہ وجود میں آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کا حلقۂ تلامذہ وسیع ہوچکا تھا اور مبدءِ فیاض نے علم کی بہتات کے ساتھ کثرت نسل کا شرف بھی عطا کیا۔ اپنے باپ

کے اکلوتے بیٹے کو پانچ فرزند برابر کے عطا ہوئے اور تحفۂ مسروقہ کے ابواب کی تقسیم شاگردوں اور اولاد میں ہوئی۔ متعدد جواب تیار ہو گئے اور عصبیت کے اس چراغ کو گل ہوتے ہی آپ نے اپنی حیات ہی میں دیکھ لیا۔ عزاداری کی خدمت میں جو قلم فرسائی کی اور اپنے مواعظ میں زبان سے جو نصرت کی اس کے علاوہ امام باڑہ تعمیر کیا، جو بحمدہ اپنی روائتی شان وشوکت کے ساتھ آج بھی شہرۂ آفاق ہے۔ سب سے پہلے ذاکری کو فروغ دیا اور فاضل جلیل میر اکبر علی کو موقع دیا کہ وہ روضہ خوانی کریں۔ ضِیَاءُ الْاَبْصَارِ آپ کے عہد کی وہ پہلی اردو کتاب ہے جس میں واقعہ کربلا کی معتبر روایات ملتی ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے اور فاضل مصنف نے دیباچہ کلام میں مبارک تحریر کا تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ۲۱/ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ کو مرزا اکبر علی نامی ایک شخص جناب کی خدمت میں حاضر تھے اور اپنے ہم نام ورفیق سید اکبر علی ابن سید فضل علی رضوی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ حدیث پڑھتے ہیں۔ جناب نے فرمایا: ہمارے یہاں پڑھوایئے۔ آپ نے کتابیں نہ ہونے کا عذر کیا۔ جناب نے اپنے کتب خانہ سے کتابوں کی مدد دی اور ضِیَاءُ الْاَبْصَارِ اردو میں چودہ تذکروں پر مرتب ہو کر تیار ہوئی۔ دیباچہ کتاب کی ابتدا اس طرح ہے:

نَحْمَدُكَ يَامَنْ جَعَلَ الدُّنْيَا الْفَانِيَةَ لِاَوْلِيَائِهٖ دَارَ سِجْنٍ وَمِحْنَةٍ وَبَلَاءٍ۔ ﴿۳﴾

میرے کتب خانہ لکھنؤ میں خطی نسخہ کامل موجود ہے۔ مولانا سید محمد سجاد عرف لڈن صاحب مناظر مرحوم ان کے احفاد میں مشہور ہستی گزرے ہیں ان کے تلامذہ[۱] لکھنؤ اور پاک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مناظرے

آپ نے آصف الدولہ مرحوم کا آخری دورِ حیات اور نواب سعادت علی خاں مغفور کی پوری زندگی دیکھی۔ سیاسی انقلابات افراد کے عروج وزوال کے نقشے ملاحظہ کئے۔ نواب مجسمہ عقیدت سہی پھر بھی اپنے وقت کے فرمانروا ہیں، ان کی صحبت میں ہمہ وقت لطف ومحبت کہاں؟ کبھی مزاج

(۱) ترجمہ اردو نہج البلاغہ، ج ۳ ص ۲۶۳۔

سلطنت برہم، کبھی اہل دربار چیں بجبیں۔ اس پُرخطر ماحول سے دو چار ہونا زندگی کے کرشمے تھے جن کا آئے دن سامنا رہا کرتا تھا اور حضرت اَمِیْرُ الْمُؤمِنین صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ کا فرمانا: ''بادشاہ[1] کا ندیم ایسا ہے جیسے شیر سوار دیکھنے والے (اس کے مقرب ہونے پر) رشک کرتے ہیں لیکن وہ اپنی جگہ کی نزاکت سے اچھی طرح واقف ہے۔'' اس ماحول میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بزم حکومت کی نشست میں کسی مسئلہ کا جواب ڈر کر دیا ہو یا کسی حاشیہ نشین اقتدار سے مرعوب ہوئے ہوں۔ مناظروں کی نوبت آئی۔ نواب کے استاد سے بار بار مکالمہ ہوئے۔ خدا نے وہ ہردلعزیزی پیدا کی کہ بزم سلطانی کے لوگ بھی کمالات کا دم بھرتے تھے۔ ذیل میں ایک مسئلہ پر گفتگو بہت ہی قدیم حوالہ سے درج کی جاتی ہے۔ کتاب کا یہی حصّہ بدنصیبی سے بوسیدہ اور شکستہ تھا سوء اتفاق دیکھو کہ ہندو پاک کے کسی کتب خانہ میں مجھے یہ کتاب آج تک دستیاب نہ ہوئی، ورنہ سطروں کے تلف شدہ الفاظ کی جگہ آپ پوری عبارت دیکھتے پھر بھی تقریب مطلب کے لئے پیش شدہ جزو عبارت کافی اور چھوٹے ہوئے الفاظ کو پر کرنا ایک معمہ سے زیادہ مشکل تو نہیں ہے۔ میرے تحفظ آثار قدیمہ کے جذبہ اور حزم واحتیاط کا آپ فیصلہ کریں۔

ورق شکستہ کی بعینہٖ نقل

۔۔۔۔۔۔مظہر العجائب میں ہے ایک دن مولوی سدن اور مرزا قتیل اور۔۔۔۔۔۔۔نواب سعادت علی خاں نے میر دلدار علی صاحب سے مجتہد۔۔۔۔۔۔۔کمالیت وصحت میں تردد ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس کے بہت ۔۔۔۔۔۔۔انسان میں چشم گوش۔۔۔۔۔۔۔۔اُن میں عمدہ۔۔۔۔۔۔۔موجود ہیں الفاظ اور روایات وغیرہما کی تکرار بے شمار ہے۔۔۔۔۔۔۔محتمم الاسقاط ہوئیں۔۔۔۔۔۔قرآن اشرف الکلام ہے،۔۔۔۔۔۔فرمایا اگر قرآن اشرف الکلام ہے انسان اشرف المخلوقات ہے۔۔۔۔۔۔وسیلہ جلیلہ، ص ۴۶، چھاپہ۔۔۔۔۔۔۔

---

(۱) نصیحت ۲۶۳

یہ ۱۳۵۴ھ ہجری کے میرے مطالعہ کا ایک افادہ تھا جو اگر نقل نویسی میں کامل ہوتا تو اس زمانہ کے ادبا میں خدا جانے اور کس کس کا نام معلوم ہوتا۔ مرزا محمد حسن قتیلؔ جن کی وفات غفران مآب کی وفات سے ۳برس پہلے ۱۲۳۳ھ میں ہوئی اور رقعات مرزا قتیل فارسی ادب میں ان کی یادگار موجود ہے اور مولوی سدن المتوفی ۱۲۲۹ھ اتالیق و استاد نواب تھے۔ جن کے بھائی کا نام مولوی مدن تھا۔ تاریخ اودھ اور اردو ادب میں یہ نام محتاج تعارف نہیں ہے۔ موخر الذکر کا اصل نام مولوی مجید الدین تھا اور دونوں بھائی محلہ شرقی شاہجہان پور کے رہنے والے تھے امیرؔ مینائی کا مشہور شعر انہیں پر ہے،

بڑھائی شیخ نے ڈاڑھی (اگرچہ) سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

حاصل شدہ ورق کے رہے سہے الفاظ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں بعض آیات کی تکرار کیوں ہے؟ اس کو کتاب خدا سے خارج کیوں نہ کر دیا جائے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کے جواب میں آپ نے فرمایا پیکر بشری میں آنکھوں اور کانوں اور ہاتھ پیر کا مکرر ہونا، پھیپھڑے اور گردوں کا مکرر ہونا، انگلیوں کا دس عدد ہونا، بالوں کا بے شمار ہونا اگر حسن ہے تو سورہ رحمن کلام الٰہی میں فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ (پس تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) کا بار بار آنا اور مرسلات پ۱۹، میں وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ (اس دن جھٹلانے والوں کے لئے ویل ہے) کا کئی کئی دفعہ ہونا اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ۔ (میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں) کی سورہ شعراء میں تکرار صحیح اور برمحل ہے۔ یہ جواب اس مجمع کے روبرو ہے جو استعداد علمی سے دور تھا، اور مشاہدات اس کے لئے تشفی بخش تھے۔

اطلاع:۔ مطبع مظہر العلوم پیر بخارا لکھنؤ کی فہرست کتب پڑھنے سے معلوم ہوا کہ کسی علم نواز شاعر نے مثنوی باغ ایمان و چراغ ایمان غفران مآب کے ایک عیسائی سے مناظرہ کو سوال و جواب

کی شکل میں ترتیب دیا، اور چھپوایا، میری نظر سے کبھی یہ نوادر نہیں گزرے۔ لکھنؤ میں یہ دفینہ آپ کو ملے گا۔

سلطنت اودھ میں غفران مآب کی حیثیت

شمس العلماء محمد حسین آزاد المتوفی ۱۹۱۰ء شعراء لکھنؤ کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں، میر علی صاحب لکھنؤ کے مشہور مرثیہ خواں پر عتاب شاہی ہوا اور میر صاحب نے لکھنو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ انشا کو خبر ہوئی۔ اسی وقت سعادت علی خاں کے پاس پہنچے۔ نواب نے متحیر ہو کر پوچھا: خیر باشد پھر کیوں آئے؟ انہوں نے ایک غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے،

دولت بنی ہے اور سعادت علی بنا
یارب بنا بنی میں ہمیشہ بنی رہے

پھر کہا حضور غلام جو اس وقت رخصت ہو کر چلا تو دل نے کہا کہ اپنے دولھا دولھن کی عروس سلطنت کو دیکھوں حضور واقعی کہ بارہ ابھرن سولہ سنگار سے سجی تھی۔ سر پر جھومر، وہ کون مولوی دلدار علی صاحب۔ کانوں میں جھمکے وہ کون دونوں صاحبزادے۔ گلے میں نولکھا ہار، وہ کون خان علامہ غرض اسی طرح چند زیوروں کا نام لے کر کہا کہ حضور غور جو کرتا ہوں تو ناک میں نتھ نہیں۔ دل دھک سے ہو گیا کہ اللہ سہاگ کو قائم رکھے۔ یہ کیا؟ نواب نے پوچھا پھر وہ کون؟ کہا: حضور نتھ، میر علی صاحب بعد اس کے کیفیت مفصل بیان کی۔ نواب نے ہنس کر کہا کہ ان کی دور اندیشیاں بیجا ہیں، ایسے صاحب کمال کو فخر لکھنؤ سمجھتا ہوں، غرض اس شہرت بے اصل کے دفعیہ کے لئے ترقی کا پروانہ، اور پانچ سو روپے کا خلعت لے کر وہاں سے پھرے۔ (آب حیات)

اس بیان میں دونوں صاحبزادوں سے مراد غفرانمآب کے پانچ بیٹوں میں سلطان العلماء اور سید العلماء مراد ہیں جو اپنے علمی کمالات میں والد علاّم کے سامنے مرجع خلق ہو چکے تھے آزاد خیال شعراء اور اکابر ادب بھی غفران مآب کو قوم کا راس و رئیس سمجھتے تھے۔

(جناب غفران کی صد سالہ یادگار پر علامہ کنتوری کا ایک حقیقت افروز اعلان)

۱۳۳۵ھ میں تمام ہندوستان نے غفران مآب کے روز وفات پر مجلسیں کیں اور ملک کے چپہ چپہ سے اظہار عقیدت ہوا۔ اس وقت علامہ سید غلام حسنین کنتوری نے 'اخبار اثناء عشری' دہلی کے صفحات میں اپنے تاثرات سے اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ ممدوح کے یہ مقالات کتابی صورت میں آج موجود ہیں اور علامہ اپنے ولولہ انگیز نوٹ میں رقم طراز ہیں:

غفران مآبؒ نے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کر دیا اور ایسی روشنی جس کو آج ایک مہینہ کم سو برس گزرے روز وفات سے مرحوم غفران مآب کی، مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علمائے دین موجود ہیں۔ کَثَّرَ اللہُ اَمْثَالَھُمْ (اللہ ان جیسوں کو زیادہ کرے) یہ انہیں کی ذات کا فیض ہے۔

(انتصارُ الاسلام جلد سوم ص ۱۲ / از علامہ کنتوری المتوفی ۱۳۳۷ء)

باقیات الصالحات

غفران مآبؒ کے آثار باقیہ میں تالیفات، اولاد اور تلامذہ کے علاوہ حسب ذیل باقیات الصالحات بھی ہیں:

۱۔ سرزمین لکھنؤ پر سب سے پہلے آپ نے کتب خانہ قائم کیا جس کے بعد دیگر اہل علم میں لائبریریاں قائم ہوتی رہیں اور اسی اولیت کی برکات ہیں کہ اس وقت مرکز پر ایک لاکھ کتابوں سے کسی طرح کم نہ ہوں گی اور لکھنؤ کے علمی ذخیرے نظر امتیاز سے دیکھے جاتے ہیں۔ زمانہ سرد و گرم ہواؤں سے اصل کتب خانہ غفران مآب تو باقی نہیں مگر ان کی خصوصیات اور عظمت رفتہ کے نقوش کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ کو ریاست رام پور کے عزاخانہ میں جو تبرکات ہیں، اس میں ایک پارہ قرآن بخط کوفی دیکھا جو امام رضا علیہ السلام کے خط مبارک کی طرف منسوب ہے اور اس پر عبارت ہے، ازمملوکاتِ والدی ماجدی جناب سید دلدار علی صاحب اسٹیٹ میں یہ پارہ

کہاں سے آیا، کس کے دور اقتدار میں پہنچا، مجھے خبر نہیں، عبارت مذکور کے نیچے غفران مآب کے تیسرے صاحبزادے سید المفسرین مولانا سید علی صاحب قبلہ کی مہر سیاہی خام ہے یہ ہمارے لخت دل تھے جو آخری متولیان کی غفلت سے ادھر منتقل ہوئے یالِلْعِلْمِ وَضِیْعَتِه۔

(۲) امام باڑہ جس سے قوم میں مجلسوں کی بنیاد قائم ہوئی اور اسی ارض پاک پر غفران مآب کی آخری آرام گاہ اور مزار بھی ہے۔ غربی صحنچی وہ مقدس مقام ہے جہاں السپ کمیٹی کے فیصلہ پر حکومت کی نظر ثانی ہونے کے سلسلہ میں جب جناب نجم الملۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مرحوم المتوفی ۱۳۶۰ھ کا عدالت عالیہ میں اظہار ہو رہا تھا تو، سرکار ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۶۱ھ قبر غفرانمآبؒ حضیرہ کے پاس مصروف دعا تھے، اس عزاخانہ پر صفیؔ مرحوم، ناصریؔ المتوفی ۱۳۴۹ھ، عزیزؔ المتوفی ۱۹۳۵ء کی نظمیں طول کلام کے خوف میں ترک کی جاتی ہیں۔ شیعی دنیا میں شام غریباں کی مجلس اسی عزاخانہ کی یادگار ہے جس سے قوم کا بچہ بچہ واقف ہے۔

(۳) دوسرا امام باڑہ جو نصیر آباد میں ہے اور وطنی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔

(۴) مسجد نصیر آباد اس خانہ خدا کا قطعہ تاریخ دیوان ناسخ سے نقل کیا جاتا ہے۔

ولد زہرا و دلدار علی
کامل اندر اجتہاد و اتقا
ساخت چوں مسجد شدہ تاریخ آن
مسجد اقصائے ثانی شد بنا
۱۲۲۷ھ (۴)

(۵) عرب میں نہر آصفی اور بھارت کے مواضعات رائے بریلی واناؤ میں جابجا وہ کنوئیں قابل ذکر ہیں جو واٹر ورکس کی بنیاد قائم ہونے سے پہلے خلق خدا کے سیراب ہونے کے لئے آپ کی یادگا

ہیں۔ان مواضعات [۱] کی آمدنی ۱۳۳۶ھ تک چھ سو روپے ماہوار تھی۔۔نہر آصفی پر تاریخ شیعہ حصّہ دویم میں بحث ہوچکی ہے۔

(۶) روضۂ حضرت [۲] سید الشہداء رُوحِی فِدَاہُ کی تعمیر میں حصّہ اور نواب اودھ کے زر و مال کی ترسیل، یہ وہ پہلا قدم تھا جس کو ان کی اولاد نے اور بڑے پیمانہ پر پہنچایا۔

تلامذہ

شاگردوں کی فہرست دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنہوں نے غفران مآب کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا وہ ایک دوسرے سے جداگانہ علوم وفنون میں ممتاز تھے اور چونکہ غفرانمآبؒ ملک میں معمارِ اول تھے اس لئے ان کے میکدۂ علم کے جرعہ نوش کسی دوسرے در سے تو آشنا نہ ہوئے۔ ہر شخص صرف ان کا شاگرد تھا اور وہ علوم کے بحر بیکراں تھے، جنہوں نے طلبہ کی صلاحیتیں دیکھ کر جس کو جس فن سے مناسبت دیکھی اس کو اس فن کا مجتہد بنایا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر شاگرد نے غفران مآب کی انگلی پکڑ کر ادب کی راہ پر چلنا سیکھا۔

(۱) مولانا مفتی سید محمد قلی صاحب قبلہ نیشاپوری کنتوری جن کو کلام و مناظرہ سے بے پناہ شوق تھا، تَشْیِیْدُ الْمَطَاعِنْ اور تَقْلِیْبُ الْمَکَائِدِ وغیرہ وہ معرکہ آرا تصنیفات ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔آپ تلامذہ میں خصوصی عظمت کے حامل تھے، میرٹھ میں مفتی قرار پائے [۳]، اور اسی اختصاص کا ثمر تھا کہ آپ کی آخری آرام گاہ بھی استاد کا وہ مشہور عزاخانہ ہے، جہاں سپرد خاک ہونے کی تمنا ہر دل میں تھی آپ کے علمی کمالات تواترث میں ابھی تک باقی ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو حیات رضوان مکان، صفحہ ۱۲ ر تصویر عالم پریس لکھنؤ (۲) کتاب الخطوط عربی و فارسی، ص ۶۰، مکتبۂ ممتاز العلماء از روئے فہرست قدیم عہد واقف (۳) ضربت حیدریہ، ص ۳۳۸

قطعہ تاریخ از مفتی میر عباس (رح)

چوں فاضل مفتی پسندیدہ خصال
بگذشت ز عالم بہ یزداں پیوست
برمرقد او نوشتہ شد تاریخش
ایں قبر مقدس محمد قلی است[۱]

۱۲۶۰ھ ﴿۵﴾

(۲) علامہ سید احمد علی محمد آبادی: فقہ واصول اور معقول ومنقول میں بلند درجہ پر فائز تھے۔ان کے تلامذہ کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوا۔ بڑے بڑے افاضل مجلس درس سے منتخب روزگار ہو کر نکلے۔ ادبی کمالات میں خود ان کے چشم و چراغ اور خلف الصدق مولوی علی میاں کامل مرحوم ومغفور اور ان کے شاگرد حضرت صفی لکھنوی جنہوں نے ایک طویل عمر کے بعد اس دنیا کو چھوڑا افق ادب کے وہ تابندہ ستارے ہیں جن سے دنیائے شعر وسخن کسب ضیا کر رہی ہے۔محمد آباد گہنہ اب تک علم وفضل اور مشرقی کمالات کا گہوارہ ہے۔

(۳) جلالت مآب سبحان علی خاں: علم کلام ومناظرہ میں ید طولیٰ ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے سیاست داں تھے۔حسن تدبیر اور عقل ودانش سے عہدہ نیابت وزارت تک پہنچے۔خدمت خلق کا جذبہ رگ وپے میں تھا۔ان کے دور نیابت میں روپیہ کا بیس سیر گیہوں[۲] بازار میں بکتا تھا۔آپ کے خاندان میں کمبوہ افراد الہ آباد میں مقیم تھے۔آپ کے تصنیفات میں ایک دیوان اور ذخیرہ علمی یادگار رہے۔الہ آباد اور گردونواح میں آپ ہی کی ذات سے دینی خدمات کی بنیاد قائم ہوئی۔موصوف کے بعض تالیفات کے خطبے حضرت سلطان العلماء کے انشاء کردہ ہیں۔یہ تعاون تبرکاً ہوا کرتا تھا۔

---

(۱) تجلیات،ص۳۱۹،(۲) تاریخ اودھ نجم الغنی جلد چہارم صفحہ ۱۲۲ و ۱۴۶

(۴) مرزا محمد خلیل ارشد تلامذہ میں تھے۔ زہد وورع نے اس قدر بلند کیا کہ درجہ خردی سے خلت پر فائز ہوئے۔ آپ کے تصانیف میں سے کوئی بھی دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہی۔ تذکرۃ العلماء، ص ۱۴۵، میں حالات زندگی دیکھو۔

(۵) سید محمد باقر واعظ ایک وسیع النظر اور قادر الکلام خطیب تھے، جن کو اہل علم مجلسی دوراں، کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

(۶) مرزا محمد رفیع عرف مرزا مغل غافلؔ: آپ کو فن طب میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ استاد کی طرف سے تراجم کی خدمت تفویض ہوئی تھی، چنانچہ بحار الانوار کی دسویں جلد کا فارسی ترجمہ آپ کی یادگار ہے۔ اس شہکار کا نسخہ خطی ۶/ جمادی الآخر ۱۲۴۹ھ کا لکھا ہوا بخط علی رضا ابن آغا صادق کا تب بہترین شکل وشمائل میں کتب خانہ ممتاز العلماء واقع عقب مسجد تحسین چوک لکھنؤ میں موجود ہے۔

(۷) مرزا فخر الدین احمد خاں معروف بمرزا جعفر آپ کو علم نجوم میں کمال حاصل تھا اور اس فن میں بھی وہ استاد کے کنز مخفی کی یادگار تھے۔ اس میں شک نہیں یہ علم عہد غفرانمآبؒ سے پہلے ہندوستان میں آچکا تھا۔ غفران مآب نے اپنے تلامذہ کو حدود باطل پہچنوائے اور وقت ضرورت استعمال کی اجازت دی۔ لکھنو میں جتنے صاحبان کمال گزرے اور اس فن میں جتنے تراجم اور تالیفات مدوّن ہوئے وہ اسی نقش اول کے رہین منت تھے۔ لکھنؤ میں اس فن کے آخری ماہر اور یادگار تالیف اَلْوَاحُ الْجَوَاهِرِ افلاطون کا اردو ترجمہ ہے جو مولوی ابوالحسن بن میر مہدی کا رشحۂ کلک ہے۔ اور ۱۳۰۵ھ ہجری میں مطبع اعجاز محمدی لکھنؤ سے نشر ہوا۔ یہ باکمال مولانا سید ابوالحسن صاحب مرحوم مصنف "حجج قاطعہ" کے علاوہ ایک گوشہ نشیں بزرگ تھے جن کی زندگانی صرف اسی فن میں ختم ہوئی۔ مرزا صاحب نے استاد کے سامنے رحلت کی۔ تذکرہ بے بہا، ص ۲۸۱ میں ان کا مفصل حال ہے۔

(۸) مولوی سید یاد علی نقوی نصیر آبادی: آپ نے فارسی زبان میں تفسیر قرآن لکھی جو بھارت میں فرقہ امامیہ کی پہلی فارسی تفسیر ہے

(۹) سید مرتضیٰ: آپ کی تالیف اَسْرَارُ الصَّلوٰۃِ تحقیق، تدقیق اور استعداد فقہ پر گواہ ہے۔ سفر حج میں بمقام فخ انتقال کیا۔ شفیق استاد نے یہ صدمہ بھی برداشت کیا۔ تذکرہ بے بہا صفحہ ۲۰۳ر میں ان کا حال ملاحظہ ہو۔

(۱۰) حکیم مرزا علی شریف: آپ ایک طبیب حاذق ہونے کے ساتھ جامع معقول و منقول تھے۔ علم کلام وفن طب کی کتابوں پر آپ کے حواشی باقیات الصالحات سے ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر اَطِبّاء کا سلسلہ آپ کی طرف پہنچتا ہے۔ غفران مآبؒ کے طبی ذوق سے افاضل طلّاب نے جو ثمرات ونتائج مرتّب کئے وہ خدمت خلق کا ایک ناقابل انقطاع سلسلہ ہے۔

(۱۱) مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش کنتوری بلند مرتبہ انسان تھے۔ استاد کی تالیف اَسَاسُ الْاُصُولِ کا اردو ترجمہ ان کی اصولی قابلیت پر گواہ ہے۔ اس فن میں آپ پہلے شخص ہیں جس نے غیر مانوس مسائل کو اردو کا جامہ پہنایا، اور اپنے افراد خاندان کو دعوت علم وعمل دی اور وہ وقت آیا، کہ کنتور اور جرول کے علمی ادبی تالیفات مطبع عین الفیوض کے نشریات ایک مستقل باب ہے جس کی تشریح میں طول کلام زنجیر پا ہے۔

(۱۲) مولانا مرزا اسمٰعیل: آپ تکمیل کے بعد عتبات عالیات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حیدرآباد دکن میں قیام کر کے تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔

(۱۳) مولانا مرزا محمد علی صاحب مرحوم: آپ بھی تحصیل کے بعد عراق وحجاز کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے اور حج سے مشرف ہو کر آخر تک مکہ معظّمہ میں ٹھہرے رہے اور دین حق کی تبلیغ میں عمر بسر کی۔

یہ دونوں بزرگ وہ تھے جنھوں نے استاد کے دینی خدمات کے اظہار میں وہاں کے اہل علم اور بادیہ نشین اعراب کو مطّلع کیا اور نجدیت کی بادسموم میں اپنے تئیں زندہ رکھا۔

(۱۴) مولوی سید سجّاد علی صاحب جائسی: آپ نے عِمَادُ الْاِسْلَام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا۔

(۱۵) مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن: آپ ادب اور فن عروض وقوافی میں یکتا تھے۔

(۱۶) مولوی منو خاں صاحب: تبدیلیٔ مذہب نے آپ میں جو ولولہ اور جوش پیدا کر دیا تھا، اس کی معاصرین میں نظیر نہ تھی۔

(۱۷) مولانا سید عبد العلی صاحب دیوکھٹوی: آپ فیض آباد کے خاندان پیش نماز کے مورث اعلیٰ تھے۔

(۱۸) مولوی سید محمد صاحب:

(۱۹) مولوی سید کلب علی صاحب:

پسران مولانا عبد العلی صاحب مرحوم۔ ہر سہ بزرگواران نے فیض آباد اور گردونواح کے چپہ چپہ میں اپنی آواز پہنچائی اور ترویج مذہب حقہ سے ضلع بھر کو معمور کیا۔ تذکرہ بے بہا، ص ۲۱۳ میں سیرت موجود ہے۔

(۲۰) مولانا مرزا کاظم علی صاحب محقق: آپ غفرانمآب کے ابتداء زندگی کے طلاب میں تھے، اور آپ کو مولانا الحاج سید احمد علی صاحب کے استاد ہونے کا فخر حاصل تھا۔ آپ کے حالاتِ علم وکمال سفر السعادہ میں موجود ہیں۔ آپ کی نظر مبارک سے گذرے ہوئے شیعہ کتب دینیات کی قدر و قیمت کا مرزا قتیلؔ (۱) نے شاندار طریقے پر ذکر کیا ہے تذکرہ بے بہا، ص ۳۹۵ میں حالات زندگی آپ دیکھ سکتے ہیں۔

منشی افضل حسین صاحب ثابتؔ ان کے حال میں لکھتے ہیں: مرزا صاحب ایک مشہور عالم اخباری شیعہ تھے، مرزا دبیرؔ نے ان سے بھی پڑھا تھا، فتح الدولہ مرزا محمد رضا برقؔ مصاحب خاص شاہ اودھ انہیں کے فرزند ارجمند تھے جو ناسخؔ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے علم وفضل کی تمام لکھنؤ میں دھاک تھی اور زہد وورع کا شہرہ تھا، انہیں کے اخلاق حمیدہ کی

---

(۱) رقعات مرزا قتیلؔ، رقعہ نمبر ۱۲۵ ص ۸۴، طبع نظامی، کانپور ۱۲۹۰ھ

نسبت مرزا جعفر علی (فصیحؔ) مرحوم مثنوی نان ونمک میں فرماتے ہیں ؎

عالم عامل فقیه لوذعی
ہادی کامل امام یلمعی
ابر رحمت آفتاب مکرمت
کو کب دری سحاب مکر مت
مالک اقلیم زہد و اتقا
حکمران کشور حلم و حیا
حامی دیں ماحی کفر و ضلال
سرگروه عالمان با کمال
گلشنِ شاداب گلزاز علی
طالب حق میرزا کاظم علی﴿۲﴾

فن طب میں وہ طبیب حاذق اور جسمانی ریاضت میں بھی وہ قوی ہیکل جوان اور سپہ گری کے فن سے واقف تھے۔ یہ نکتہ شیخ امام بخش ناسخؔ کے قطعہ تاریخ سے واضح ہوتا ہے، تذکرہ بے بہا، ص۲۹۶، فاضل نوگانوی نے بھی ان کا حال نذر قرطاس کیا ہے۔ اگر طول کلام کا محل ہوتا تو، میں حالات میں مزید صفحات سیاہ کرتا۔ ناسخؔ کا قطعہ تاریخ یہ ہے۔......

روضۂ عالیه میرزا کاظم است
آدمی چیست که شاید ملک آنجا خادم
بریاضت چوں ابوذر بتقاوت سلماں
ہمچو رستم بشجاعت بسخاوت حاتم
خود فرقان بسرو ورع احادیث به بر

زانکه اوبودباقلیم شریعت حاکم
بود درصنعت موجود وجود صانع
متفکر متدبر متامل دائم
بہررائے حکما بود حکیم حاذق
علم او بود زاسقام صحیح و سالم
خشک نان پارۂ شائگان تناول میکرد
ہمچو ماہ رمضاں بود ہمیشہ صائم
نفرت ازجملۂ لذّات جہاں فرمودہ
آنچہ لازم نبود خود بگرفتہ لازم
گفت روح القدس درفکرسنین فوتش
یاالٰہی بجناں باد بہ موسیٰ کاظم﴿۷﴾

۱۲۴۹ھ

(۲۱) میر خدا بخش آپ غفران مآب کے ان شاگردوں میں تھے جو عزاداری کے شغف میں صرف مشہور ہی نہیں بلکہ کربلائے تال کٹورہ ان کی حسینؑ دوستی کی تصویر آج تک لکھنؤ میں موجود ہے۔ اس مقدس عمارت کی بنیاد ۱۲۳۲ھ میں شفیق استاد کی زندگی ہی میں قائم کر چکے تھے، اس کربلا سے پہلے وطن مالوف میں دو کربلائیں بن چکی تھیں اور اس کی تاسیس کے بعد یہ مبارک سلسلہ عہد شاہی ختم ہونے تک تیزی سے جاری رہا، اور شہر میں جا بجا بلند مینار اور رفیع قبہ نظر آئے حتیٰ کہ خود نصیر الدین حیدر بہادر شاہ اودھ نے عالی شان کربلا بنوائی مگر جو مقبولیت تالکٹورہ کو حاصل ہے کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ میر خدا بخش کا اخلاص اور غفران مآب کی طرف سے ان کے انتساب کا یہ ثمر تھا کہ دوسری صدی نصف سے تجاوز کر چکی ہے اور کربلا کی رونق میں یوماً فیوماً اضافہ ہے۔ عاشور اور چہلم اور ۲۱/ ماہ صیام

کے یومِ غم اسی کربلا میں ہوتے ہیں۔ روضہ رواق اور خیمہ گاہ میں اب تک لاکھوں مجلسیں ہوچکیں اور کثیر تعداد میں اموات مومنین کربلا کی وقف زمین پر سپردخاک ہیں۔ رواق کے شمال ومشرق کے گوشہ میں بانی کربلا کی قبر ہے جس پر کوئی کتبہ نہیں۔ ان کی اولاد جرول وکنتور میں موجود ہے۔ اس کربلا پر سیر حاصل اور تاریخی بحث ہم نے اپنی کتاب تیرہویں صدی کے لکھنؤ میں کی ہے۔

(۲۲) سید غلام حسین: آپ نے بھی غفران مآبؒ کی حیات میں دنیا چھوڑی رَوْضَةُ الصَّالِحِیْنَ ان کی تصنیف اور تذکرہ بے بہا، ص ۲۶۷ میں حالات زندگی ہیں۔

(۲۳) سیّد شاکر علی۔

(۲۴) سیّد علی

(۲۵) الحاج نظام الدین حسین: تذکرہ بے بہا، صفحہ ۴۲۲ میں ان کا حال دیکھو۔ جناب علیین مکان ان کو طرد المعاندین میں فاضل معاصر کی لفظ سے یاد کرتے ہیں۔

(۲۶) مرزا جواد علی

(۲۷) سیّد بہاء الدین

(۲۸) سیّد علی اصغر

(۲۹) مولوی سید اعظم علی

(۳۰) ملا علی نقی قزوینی

(۳۱) مولوی علی نقی ابن بہاء الدین

(۳۲) مولوی بنیاد علی

(۳۳) مولوی امان علی

(۳۴) مولوی اشرف علی بلگرامی

(۳۵) مولوی محمد عبادت امروہوی۔

اطلاع:۔امامیہ مشن کے نشر کردہ مختصر سوانح حیات غفران مآبؒ میں تلامذہ کے ۱۴ نام ہیں جس میں سید مرتضیٰ اور حکیم مرزا علی نمبر ۲۰ و ۲۵، بظاہر مکرر ہیں۔ اس فہرست میں ہم نے آپ کے پانچوں صاحبزادوں کو بمفاد ؎

جگر جگر ہے دگر دگر ہے

شمار نہیں کیا ہے۔

اعتذار و اطلاع

آئینۂ حق نما[1]، تَذْکِرَۃُ الْعُلَمَاء، شَذُوْرُ الْعِقْیَانِ، مِرْاٰۃُ الْبِلَادِ وغیرہ جن قدیم ماخذ سے حالات غفران مآب ترتیب دیئے گئے ہیں، ان کے علاوہ بکثرت جرائد، قومی اخبارات ’الواعظ‘ ۱۹۲۴ء میں ’المرشد‘ بغداد سے عربی میں کامیاب سیرت نگاری ہوئی۔ رجب ۱۳۴۹ھ ماہنامہ ’مُبلّغ‘ لکھنو نے غفران مآب نمبر نکالا۔ ایک ادیب نے اپنی بھرپور علمی طاقت سے عربی میں معمہ ترتیب (دیا) جو اس عنوان سے ہے۔ لُغَزٌ[2] فِیْہِ اسْمُ مُولَانَا دِلْدَار عَلِی۔ میں یہ عربی جواہر پارے ایک سلک میں منسلک ہوں۔ اس کے بعد میں اتحاد بین المسلمین کو ٹھیس لگانے والی طاقتوں نے جب سر اٹھایا اور غفران مآب کی ذات پر حملے کئے تو مشیرؔ[3] نے دنداں شکن جواب دیئے اور شخصیت ممدوح کو اجاگر کیا۔ یہ وہ کمی تھی جس کا ایک سیرت پر اثر نہیں پڑسکتا مگر مجھے دلی افسوس ہے کہ اس تذکرہ میں غفران مآبؒ کا عربی منظوم کلام پیش نہیں کیا جاسکا جو اپنے مقام[4] پر موجود ہے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ پاکستان بساؤں گا۔ خداوند عالم ان مخطوطات کو ظلمت کدہ ہند میں اپنی حفاظت و حراست میں رکھے۔ قوم میں آسمان کے تاروں کی طرح بکثرت انجمنیں اور ادارے ہیں اور قائم ہوتے رہیں گے مگر ہیئت علمیہ ایسی نہ قائم ہوئی جو علمی آثار کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل

---

(۱) حاجی داؤد لائبریری کراچی میں قلمی اور مکتبہ ممتاز العلماء لکھنؤ میں عہد مصنف کا خطی نسخہ سفید کاغذ زرد بارڈر موجود ہے۔

(۲) کتاب الخطوط، ص ۲، ۶۰ (۳) کتاب، ص ۱۶۸ (۴) بیاض، خطوط نمبر ۱۱۶، ص ۸

کرے۔ غفران مآب کی مکمل سیرت سفر ہند کے بغیر مرتب نہیں ہوسکتی۔

مبلّغین اور واعظین کا تقرّر

تلامذۂ غفران مآب کی فہرست پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۴۰ شاگرد جن کے نام واقعہ نگار ضبط وتدوین میں لا سکے، کسی ایک شہر کے باشندے نہ تھے۔ دور دراز مقامات سے نقل وحرکت کر کے مجلس درس میں آئے تھے اور ان میں کا ہر فرد جب فارغ التحصیل ہوکر اپنے وطن پہنچا تو تبلیغ دین میں وقف تھا، پھر بھی اشاعت مذہب حقّہ میں مبلّغین کی صوبہ وار ضرورت تھی۔ چنانچہ فیض آباد میں مولانا سید عبدالعلی صاحب دیوکھٹوی تشریف لائے جو خاندان پیش نماز فیض آباد کے مورث اعلیٰ ہیں، الہ آباد میں سبحان علی خاں جو علمی کمالات کے علاوہ ایک اعلیٰ سیاست داں اور عہدہ وزارت پر بھی سرفراز رہے، امروہہ ضلع مرادآباد میں غفران مآب سے اجازہ حاصل کرنے کے بعد مولانا سید محمد عبادت [۱] صاحب مرحوم جمعہ و جماعت میں مشغول ہوئے، کنتور ضلع بارہ بنکی میں مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب، حیدرآباد دکن میں مولانا مرزا اسمٰعیل صاحب، میرٹھ میں مولانا مفتی سید محمد قلی صاحب نیشاپوری کنتوری، بلگرام میں مولانا اشرف علی، [۲] مکہ معظّمہ میں مولانا مرزا محمد علی صاحب تاحیات مقیم رہے اور تعارف فقہ جعفری میں مطلق غفلت نہ کی، لاہور سے جب مولانا سید ابوالقاسم قمی [۳] نے جناب سلطان العلماء سے امامت جماعت کا اجازہ حاصل کیا، تو پنجاب میں خدمات دینیہ کی بنیاد قائم ہوئی۔ اور سندھ میں مولانا حشمت علی شاہ صاحب مرحوم و مغفور خیر اللہ پوری (تحصیل ناردوال ضلع سیالکوٹ) نے جو صاحب لَوَامِعُ التَّنْزِيلِ کے تلامذہ میں تھے، ہدایت کے چراغ روشن کئے اور پورا ہندوستان مذہب وملت کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔

---

(۱) خلاصہ شمس التواریخ، ص ۱۷۱، از حکیم نواب علی طبع گلزار ابراہیم (۲) عربی کی مشہور کتاب رِيَاضُ الْجِنَانِ فِي نَيْلِ مُشْتَهِي الْجِنَانِ آپ کے ہمنام ایک دوسرے عالم اشرف علی بن عبدالولی ۱۲۷۷ھ کی طبع شدہ تالیف ہے جس کے مصنف غالباً حضرات بواہیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۳) دیکھو سوانح قاسمی طبع لاہور جو مولانا سید علی صاحب قبلہ حائری مرحوم ومغفور کے زیر سرپرستی شائع ہوئی۔

عراق عرب میں خود غفران مآبؒ کے بیٹے مولانا سید علی صاحب قبلہ عتبات کی زیارت کو روانہ ہوئے اور موت کے ہاتھوں کربلا کی پاک زمین میں سپرد خاک ہوئے۔ ان کی یادگار کتاب تفسیر تَوْضِیْحُ الْمَجِیْدِ جو عہد شاہی میں بڑی تقطیع پر دو ضخیم جلدوں میں بہ زبان اردو طبع ہوئی۔ مُفسّر علّام کی وفات اور عدم موجودگی سے غیر شیعہ پریس میں چھپی اور افسوس کہ تحریف کی زد میں آ گئی۔ مولوی سید مہدی بن نجف علی نے تذکرۃ العلماء کے صفحات میں اس تلخ حقیقت کا اعلان کیا، حاجی داؤد ناصر لائبریری میں موجود ہے۔

وفات حسرت آیات

کامل ۳۵ برس تک اس سحاب علم کے ترشحات سے قوم سیراب ہوتی رہی۔ ۲۳ ر جمادی الاولیٰ[1] ۱۲۳۵ھ کو جبکہ آپ کی عمر میں پورے دو مہینے بھی باقی نہ تھے، وصیت نامہ لکھ کر اپنے خلف اکبر سلطان العلماء سید محمد (رضوان مآب) کو قائم مقام کیا۔ کتاب اَلْوَصْلُ بَعْدَ الْفَصْلِ میں یہ دستاویز ناظرین کو نظر آئے گا اور اس کے بعد ہی ۱۸ ر رجب گذار کر انیسویں شب کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے امام باڑہ کے غربی حجرہ میں سپرد خاک ہوئے۔ وصیت نامہ کے علاوہ جو اجازہ بڑے بیٹے حضرت سلطان العلماء کو دیا اس میں یہی وصیتیں ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وَعَلَيْكَ بِالِاسْتِخَارَةِ اللهِ تَعَالٰی سِيَّمَا فِي مَهَامِ الْأُمُورِ وَعِظَامِهَا فَإِنَّ الِاسْتِخَارَةَ سَبِيْلُ الرِّضَا وَعِصْمَةٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَ نُوْرٌ بَيْضَاءُ بِهٖ فِي ظُلُمَاتِ الْحَيْرَةِ وَهُدًى يَهْتَدِي مِنْ حَيْرَةِ الضَّلَالَةِ۔ تم پر استخارہ بھی فرض ہے خصوصاً اہم اور بڑے کاموں میں اس لئے کہ استخارہ رضائے باری کی راہ اور لغزش سے بچنے کا ضامن اور ایک نور ہے جو حیرت کی اندھیری میں روشنی پہنچاتا ہے اور ایسا ہدایت کرنے والا ہے جو گمراہی میں راہنمائی کرتا ہے۔

اطلاع۔ احکام اموات میں جو فرائض، تجہیز و تکفین کے موقع پر ہیں، ان کے علاوہ غفران

---

(۱) حیات رضوان مکانؒ

مآبؒ نے قرآن مجید کے چند آیات شیشم کی تقطیع پر لکھوا کر اپنی قبر میں چہرہ کے سامنے رکھ دینے کی وصیت کی تھی اس کو میں اَلْبَلَدُ الطَّيِّبُ کے آخر میں خود سید العلماءؒ کے دست مبارک کا افادہ بچشم خویش دیکھ کر درج کیا ہے اور یہ بظاہر علم سینہ تھا۔ چونکہ عام اموات سے اس کا تعلق انہیں علماء سے خاص معلوم ہوتا ہے اس لئے اور نیز بخوف طول نظرانداز کیا، ان کی وفات سے ملت اسلامیہ کو عظیم نقصان پہنچا۔

۱۹/رجب ۱۲۳۵ھ میرے خیال میں ۱۰/جنوری ۱۸۲۰ء سے مطابق ہے، ہندوستان کے محققین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس میں ان کے مساوی علم وعمل کا مادہ موجود ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ غفران مآب ہی تھے جس نے ملک میں تبلیغ دین کی بنیاد ڈالی۔ وہ غفران مآب ہی تھے جس نے صوفیت و وہابیت و اخباریت کے مستحکم قلعہ منہدم کر کے امت مسلمہ کو دعوت اتحاد دی۔ اسی مراجعت انام کا اثر تھا، کہ ان کی وفات پر تمام جماعتیں اور گروہ مرثیہ خواں ہوئے۔ اسلامی ادارے مدتوں نوحہ گاہ بنے رہے، ہر درس گاہ میں عرصہ دراز تک صف ماتم بپا رہی اور تمام شعراء اور ادباء کے دماغ ہفتوں، مہینوں بلکہ برسوں ان کے تعزیتی اشعار اور مادہائے تاریخ کے لئے وقف رہے۔

قطعہ تاریخ

دنیائے ادب کے مشہور شاعر اور انشاء پرداز سید محمد اسمٰعیل منیرؔ کی دو تاریخیں ان کے تاثرات کی تصویر کشی کرتی ہیں:۔

(۱)

قبلۂ اہل حدیث و کعبۂ اہل کلام
روح قدسی، پیشوائے جن و انساں ہائے ہائے
جامع معقول و منقول، اشرف ابرار عصر
اعلم و افقہ، پناہِ اہل ایماں ہائے ہائے

نائبِ پاکِ ائمہ، بحرِ زہد و علم و فضل
میر دلدارِ علی، ہادی دوراں ہائے ہائے
اورع و اتقیٰ، کلیم اوجِ طورِ اجتہاد
ہست تصنیفات او بیحد و پایاں ہائے ہائے
رنگ شبہات و خلل را آئینہ ملت زاد
بود صبح شرع را مہر درخشاں ہائے ہائے
دربہشت رود نزد اہل بیتِ مصطفیٰ
شہرعلم وعقل و دیں گردید و یراں ہائے ہائے
نظم کرد م مصرعہ تاریخ رحلت اے منیرؔ
وارث علم پیمبرؐ اوجِ ایماں ہائے ہائے ﴿۸﴾
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

دیگر

مقتدائے عارفانِ حق ملاذِ مومنین
ناصراسلام و دیں،حامی شرع اعتقاد
چھوڑ کر یہ عالم فانی گئے سوئے بہشت
ہوگئی روح مطہر خلعت رحمت سے شاد
دوسری تاریخ میں نے اور موزوں کی منیرؔ
ہائے بدر پاک دیں، مہر سپہر اجتہاد
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

(ازکلیات منیرشکوہ آبادی،ص۵۹۶،المتوفی ۱۲۹۰ھ مطبع ثمر ہند لکھنؤ)

ازواج و اولاد

خلاّق عالم نے غفران مآب کو اولاد ذکور میں پانچ بیٹے عطا کئے اور سب مجتہد ہوئے اور ان کی اولاد میں بھی مجتہدین ہوتے رہے۔ غفران مآبؒ نے اناث میں ایک دختر چھوڑی جو اپنے بھائیوں میں مختلف البطن تھیں۔ شرح اولاد امجاد ملاحظہ ہو:۔

(۱) سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب خلف اکبر و قائم مقام غفران مآبؒ۔

(۲) سیّد المفسرین سیّد علی مفسر قرآن جنہوں نے مسجد تحسین علی خاں چوک لکھنو کو اغیار کے تسلّط سے واگذار کیا اور باقی عمر جوارِ سیّد الشُّہداءؑ رُوحِی فِدَاہُ میں بسر ہوئی، وفات ۱۲۵۹ھ

(۳) سید حسن: منجملہ تصانیف علم تجوید پر آپ کا وہ جامع رسالہ ہے جس نے ملک میں فن قرأت کا اساس قائم کیا۔ دنیا علم و عمل سے بہت دور ہو چکی، آج خوش الحان کو قاری کہا جاتا ہے، حالانکہ قاری علم تجوید کے ماہر کو کہتے ہیں جو تلاوت میں 'س' اور 'ث' میں فرق پیدا کر سکے۔

(۴) سید مہدی جو زہد و ورع تحقیق و تدقیق میں بے عدیل تھے اور جناب کے سامنے ۱۲۳۱ھ میں رحلت ہوئی، آپ کی رحلت کے دن سورج گہن تھا۔

(۵) سید العلماء سید حسین علیین مکان: بڑے بھائی کے سامنے مرجعیت حاصل تھی۔ غفران مآبؒ کے پائین پا حضیرہ میں انہیں کا مزار ہے جس پر ایک چوڑا چکلا سنگ مرمر نصب ہے۔ یہ پانچوں فرزند زوجۂ اولیٰ کے بطن سے اور حقیقی بھائی تھے جن میں کبھی اختلاف نہیں ہوا اور نمازوں میں دوسرے کی اقتدا کرتا تھا۔

(۶) صاحبزادیوں میں صرف ایک لڑکی تقیہ بیگم کنیز کے بطن سے تھیں جن کی شادی وطن مالوف میں ہوئی اور مرحومہ نے ایک لڑکی نقیہ بیگم چھوڑ کر رحلت کی جو سید جواد صاحب کو منسوب ہوئیں۔ اولاد کا حال شجرہ خاندانی میں موجود ہے جس کے لئے متعدد صفحات درکار ہیں۔

نوٹ:۔ غفران مآب کی زوجۂ ثانیہ نیکا بی بی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ لاولد فوت ہوئیں۔

شکریہ اور شکایت ایک اہم اکتشاف

مجھے روحانی مسرت ہے کہ علماء شیعہ پاکستان کے گذشتہ اجلاس کراچی ۵/جنوری ۱۹۶۴ء کے خطبہ استقبالیہ میں جد مرحوم شمس العلماء سید محمد ابراہیم اعلے اللہ مقامہ کا تمثیلی عنوان سے ذکر آیا مگر واقعات صحیح نہ تھے جس کا بار مجلس استقبالیہ پر نہیں، حالات کی طرف رہنمائی کرنے والے کی ذہنی عادت یا لاعلمی، تہی دستی جس نے حقیقت کا رخ بدل دیا اور مقدمہ بلا فصل کو امام باڑہ آصفی کی واگذاری کا لباس پہنایا۔ یہ خطبہ کتابی شکل میں بڑی بھاری تعداد میں چھپا اور شیعہ اخبارات نے اول سے آخر تک چھاپا اور قوم کا بچہ بچہ ممدوح کی باعمل ذات سے ایک بار پھر واقف ہوا۔ میرے لئے مناسب نہ تھا کہ ہنگامی صورت میں اختلاف کرتا۔ شکستہ خاطر ہونے کے بجائے تشکر و امتنان کی نگاہ سے اس اقدام کو دیکھا۔

"در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست"

(معاف کرنے میں ایسی لذت ہے جو انتقام لینے میں نہیں ہے)

میری تشفی کے لئے یہ کافی ہوا کہ خود صدر اسلام میں باب ماضی ایک ایسے سرطان کی گرفت میں تھا کہ صادق آل محمد رُوحِي فِدَاہُ کو کہنا پڑا غَيِّرُوْا كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى هٰذَا ۔ ہر چیز کو تبدیل کرو حتیٰ کہ اس کو۔ اختلافات جو سماجی اور ثقافتی زندگی کے لئے تباہ کن ہیں، وہ کسی زمانہ میں بھی مستحسن نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ خدا وہ وقت لائے کہ جناب مرحوم کے حالات بھی نشر کرسکوں۔ حضرت قدس سرہ کے حالات كِتَابُ كَرِيْمٍ فِي تَرْجَمَةِ اِبْرَاهِيْم کے نام سے ابتداء شباب میں قدیم طرز تالیف پر مرتب کرسکا ہوں، اس کے بعد حسب ذیل جرائد میں میرے قلم یا تعاون سے چھپے ہیں: (۱) ریاضی جنتری ۱۹۳۱ء، چوک، لکھنو (۲) صادق جنتری، رکاب گنج، ۱۹۳۳ء (۳) اخبار 'سحاب' جوہری محلہ لکھنؤ مورخہ ۹/اپریل ۱۹۴۹ء (۴) فہرست کتب جمعیت خدام عزا بابت ۱۹۴۷ء۔

حال میں welfred Scawen Blunt لندن کا ایک خط مورخہ ۱۲/جنوری ۱۸۸۵ء سمندر

پار کے محافظ خانے چھاننے پر جناب مرحوم کے نام پر دستیاب ہوا ہے جس میں چرچل اول اور دوسرے یورپین کے نام اور مصر میں انگریزوں کی پالیسی کا بڑے شرح و بسط سے ذکر ہے۔ ۲۵۴ سطروں کا کون ترجمہ کرے؟ اتنا سرمایہ کہاں؟ یہ مواد یکجا ہو؟ ایک شیعہ گریجویٹ کو ترجمہ کے لئے نقل دی گئی تھی جو آج تک واپس نہ ہوئی۔ قوم کے کتنے خزانہ وہ تھے جو بے توجہی کی نذر ہو کر لٹ گئے۔ ذوق سلیم کہتا ہے کہ جب تک سیرت میں یہ اضافات اور اصل دستاویزات کی نقول شامل نہ ہوں دم نہ لوں ؎

ہمدم چھٹے عزیز چھٹے اور وطن چھٹا
سب چھوٹ گئے مگر نہ مذاقِ سخن چھٹا

آپ جناب غفران مآبؒ کے پروتے تھے اور صرف دو پشت کے فاصلہ سے غفران مآب تک نسب شریف پہنچتا ہے۔ وہ صحیح جانشین اجداد ہیں۔ آج کی جوان نسل کی طرف سے کردار علماء کا سوال ہوتا ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب ایک ملک سے دوسرے ملک میں آج کے ایسے ریڈیو وغیرہ کے رابطے نہ تھے اور خبر رسانی جوئے شیر لانے کے برابر تھی، اس وقت پوری دنیا پر نظر رکھنا انہیں مفکرین کا کام تھا جو تن من دھن سب کچھ اپنے مقاصد کی نذر کر چکے تھے۔ نائب امام وہ تھے۔

تصانیف

غفران مآبؒ کے قلمی خدمات بڑی اہم حیثیت رکھتے ہیں جبکہ وہ معلم اول تھے۔ ان سے پہلے ملک میں نہ کوئی (امامیہ) کتب خانہ تھا، نہ کہیں تعلیم گاہ۔ وہ جو کچھ عراق وحجاز سے لائے اس کی حیثیت یہ نہ تھی کہ اس کو کتب خانہ سمجھا جائے۔ لکھنؤ پہنچ کر علوم وفنون کی کتابیں فراہم کرنے میں ان کو زیادہ سے زیادہ زحمت ہوئی اور جب اپنی نظر انتخاب سے اصول دین پر قلم اٹھایا تو بیشتر مصادر مآخذ کتابت کی غلطیوں اور لکھنے والے کی لغزش قلم سے نا قابل اعتبار تھے۔ پہلے صحت کی، پھر میدان تالیف میں قدم رکھا اور جو کچھ لکھا وہ سابقین سے بڑھ نہ گیا تو کم بھی نہ تھا۔

(۱) عِمَادُ الاِسْلَام: اصول دین پر پانچ بڑی جلدیں تیار کیں جو علم کلام کا اعلیٰ شاہکار ہے اور جناب قُدوۃُ العلماء کے اہتمام سے زیادہ ترچھپ چکی ہے۔ امامت ومعاد زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے، عُمدۃُ العلماء نے اس اہم خدمت دین کی اشاعت پر توجہ کی تھی مگر بڑے سرمائے اور اشتراک عمل کی ضرورت تھی جس کا فقدان تھا۔ ان باوقار مجلّدات میں سے اس وقت میرے سامنے کِتَابُ الْعَدْلِ ہے جو جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ میں عمادالاسلام پریس، لکھنؤ سے فل اسکیپ سائز پر چھپی، زبان عربی ہے۔

(۲) شَهَابٌ ثَاقِبٌ: صوفیوں کی رد میں بڑی ضخیم تالیف ہے جو طبع نہیں ہوسکی، موضوع پر اس سے بہتر عربی میں کتاب نہیں۔

(۳) ذُوْ الْفِقَار: تحفہ کے بارہویں باب کی رد، لدھیانہ میں ارسطو جاہ کے پریس میں چھپی۔

(۴) صَوَارِمُ الِالٰهِيَاتِ: تحفہ کی رد میں یہ کامیاب شاہکار بھی معرض تحریر میں آیا، مکتبہ ممتاز العلماء میں علاوہ قلمی نسخوں کے کلکتہ کا طبع شدہ ایڈیشن بھی ہے۔

(۵) حُسامُ الْاِسْلَامِ: تحفہ کے باب نبوّت کا جواب۔

(۶) تَتِمَّةُ صَوَارِمِ در امامت۔

(۷) اِحْيَاءُ السُّنَّةِ: باب ہشتم کتاب مذکور کی رد، اور مبحث معاد ورجعت میں ہمارا نظریہ۔

(۸) رسالہ غیبت: نواصب کی رد میں، بڑی تشفی بخش کتاب، شاہی مطبع میں چھپی۔

(۹) اَسَاسُ الْاُصُولِ: اخباریوں کی رد میں بے پناہ تصنیف جو ۲۵ رصفر ۱۲۶۲ھ مطبع حاجی ولی محمد لکھنؤ میں طبع ہوئی، مکتبہ ممتاز العلماء میں اصل نسخہ بحمدہ موجود ہے۔

(۱۰) مَوَاعِظِ حُسَيْنِيَّه

(۱۱) شَرْحِ حَدِيقَةِ الْمُتَّقِيْن: طہارت صوم وزکوٰۃ میں، تین جلدیں بہ زبان فارسی

(۱۲) رسالہ جمعہ

(۱۳) حَاشِیَۃُ صَدْرَا

(۱۴) بَحثُ مُثنَّاۃٍ بِالتَّکْرِیرِ

(۱۵) مُنْتَهی الاَفکَارِ: اصول فقہ کی ایک ٹھوس کتاب جو انجمن یادگار علماء لکھنؤ نے تصویر عالم پریس میں طبع کی، پریس سے اس کی بھی تکمیل نہیں ہوئی۔

(۱۶) اِثَارَۃُ الاَحزانِ علیٰ قَتِیلِ العَطشَانِ: عربی کا بلند پایہ مقتل۔

(۱۷) مُسَکِّنُ القُلُوبِ عِندَ فَقدِ المَحبُوبِ: انبیاء و اوصیا کے مصائب و آلام ضخیم عربی کتاب۔

(۱۸) حَوَاشِیِ حَمدِ اللّٰہ: عہد شاہی کے نسخۂ مطبوعہ پر آپ کے تبصرے۔

(۱۹) اِجَازَۃٌ بِحَقِّ سُلطَانِ العُلَمَاءِ: علم حدیث اور رجال کے حقائق اور وصایا اپنا سلسلۂ روایت۔

(۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی۔

(۲۱) رِسَالَۃُ اَرَضِینَ: جس میں مختلف قسم کی اراضی کی ملکیت کے احکام ہیں جسے اَرضِ مَفتُوحَۃٍ عَنوَۃٍ یعنی جو زمین بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضہ میں آئے یا وہ اراضی جو بطور جاگیر بادشاہ وقت سے حاصل ہو۔

(۲۲) رِسَالَۃٌ ذَهَبِیَّۃٌ

(۲۳) رسالہ ردّ نصاریٰ

(۲۴) مَطَارِق

(۲۵) رِسَالَۃُ اَدعِیَۃِ کَفَن: تمام تصنیفات مکتبۂ ممتاز العلماء لکھنؤ میں موجود ہیں۔

(۲۶) اَسئِلَۃٌ وَاَجوِبَۃٌ: یہ گرانقدر تصنیف صوفی حضرات کے سوالات پر غفران مآبؒ کے بسیط جوابات ہیں، بزبان فارسی، ۲۶x۲۰_۱x۴، ۵۰ صفحات قلمی نسخہ میرے کتب موقوفہ

مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ وہ بے شمار استفتاء اگر یکجا کئے جائیں جو آپ نے مسند شریعت پر پہنچ کر مختلف استفسار کرنے والوں کے جواب میں حوالۂ قلم کئے اور دستخط کردہ مسائل کے تمام جوابات ضبط تحریر و تدوین میں آئے تو کئی جلدیں تیار ہو جاتیں، یہ بکھرے ہوئے موتی جس کی ضرورت کے تھے اس کے دامن امید میں رہے اور مرکز پر اس کی کوئی نقل کبھی نظر نہ آئی۔

اطلاع: غفران مآبؒ کے پانچ بیٹوں میں تین صاحبزادوں کی اولاد میں سلسلہ اجتہاد اور علم اب تک باقی ہے۔ ۱۳؍سال پہلے اس کتابچہ کے پہلے اڈیشن میں ۲۵ نام اولاد امجاد کے پیش کئے تھے جن میں بعض کی وفات ہوئی اور بعض نے طالب علمی ختم کر کے اس خلاء کو پورا کیا۔ چنانچہ اس وقت جو اہل علم وکمال و مجتہدین رشد و ہدایت، تالیف وتصنیف، جمعہ و جماعت، وعظ و نصیحت اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں، ہند و پاک عراق و ایران میں ۲۶؍افراد ہیں اور بزرگ خاندان قومیات میں اپنی عمر صرف کرنے والے سید محمد رضی صاحب شگفتہ کراچی میں ہیں اور کل اولاد غفران مآبؒ کا اگر چہ تخمینہ نہیں ہوا مگر بچہ و مرد و عورت پانچ سو نفوس تو یقیناً ہوں گے جو ممالک اسلام کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی عارضی قیام کئے ہوئے ہیں اور مورث اعلیٰ کے تبرکات والد ماجدؒ کے پاس خلف اکبر ہونے کی حیثیت سے نسلاً بعد نسل محفوظ تھے اور اب اس خادم دین کے پاس کلاہِ غفران مآبؒ، قباء علیین مکان، عباء فردوس مکان اور ان حضرات کی خطابی مہریں سلاطین اودھ و عہد انگریزی کے تمغۂ فرامین اور ان حضرات کے خطی نسخہ اور تصانیف کے اصل مسودہ صاحب جواہر الکلامؒ کے مکاتیب بحمد اللہ کامل حفاظت سے موجود ہیں اور کتب خانہ جو وقف ہے اس میں شامل ہیں۔

حال میں ایام عزا کے مجالس میں بسلسلہ اسلام اور علماء ایک پمفلٹ بالکل غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر شائع ہوا جس میں تحریر تھا کہ معاذ اللہ غفران مآب نے محسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ کے کفر کا

فتویٰ دیا۔ جب مشتہرین سے خط و کتابت میں تصانیف غفران مآب کا حوالہ طلب کیا گیا تو انہوں نے تصانیف کا حوالہ دینے کے بجائے مسموعات (سنی ہوئی باتوں) کی نشان دہی کی اور ایک عظیم شخصیت کو سوءِ ظن سے بچایا جس کا میں شکر گزار ہوں۔

غفران مآبؒ کا جن کتابوں میں نام ہے

قارئین کرام پونے دوسو برس ہونے چاہتے ہیں اس طویل مدّت میں عربی، فارسی، اردو، سندھی کتب میں کہاں کہاں ان کا نام نامی ہوگا، اس کے شمار کے لئے ایک کارکن کمیٹی کی ضرورت تھی جو اپنی رپورٹ مجھ تک پہنچاتی۔ میں نے بیٹھے بیٹھے جو غور کیا تو صرف ۲۵ کتابیں یاد آسکیں، طلبہ اور مصنفین کو کام کا طریقہ بتانے کے لئے یہ ناقص عنوان مدد دے گا۔

(۱) منطق کی باوقار کتاب حمداللہ، عہد شاہی کی چھپی ہوئی سپید کاغذ اس کے حواشی پر نام موجود ہے۔

(۲) مِعْرَاجُ الْعُقُولِ، شرح دعائے مشلول فاضل سید مرتضیٰ زنگی پوری نے اگرچہ اختلاف کیا ہے اور اس کا جواب عربی زبان میں چچا جان اَعلَی اللہُ مَقامَہُ نے بھائی صاحب مرحوم کے نام سے دیا، میں نے اپنی طالب علمی میں خود جناب کی زبان سے اس کے مقامات سنے اور ایک فلسفی کی تحریر کا اصولی کے قلم سے جواب تصانیف شیعہ میں گرانقدر اضافہ ہے۔

(۳) بَرَاهِيْنِ سَابَاطِيَة. مطبوعہ قدیم صفحہ ۲۳

(۴) نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَفْضِيْلِ رَسُوْلِ الْاَمِيْن ، مفتی میر عباس صاحب چھاپہ صفحہ ۳۰ و ۴۳

(۵) اَحْسَنُ الْوَدِيْعَةِ مُسْتَدْرِكُ رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ، عربی طبع نجف اشرف

(۶) اَلْمُرْشِدُ، عربی مجلہ بغداد مورخہ رمضان ۱۳۴۶ھ

(۷) مِرْآةُ الْبِلَادِ، ہاشم علی رضوی فارسی مطبوعات

(۸) نُوْرُ الْاَخْبَارِ فِي تَارِيْخِ النَّبِيِّ وَآلِهِ الْاَخْيَارِ ، مولوی علی نقی حائری فارسی ص ۱۱ طبع بمبئی

(۹) تَذْکِرَۃُ عُلَمَاءِ ھِنْدِ، مولوی رحمن علی طبع کراچی، ص ۱۸۶

(۱۰) عُلَمَاءِ عَھدِ بَنْگش، مترجمہ حکیم شرف الزماں طبع ۱۹۶۹ء، ص ۱۶۸ طبع پاکستان

(۱۱) تَنْزِیہُ الْاَنْسَابِ، جلد دوم مولوی ماہ عالم، ص ۵۷ نور المطابع

(۱۲) کَشْفُ الظُّلُمَاتِ عَنِ الْآیَاتِ الْبَیِّنَاتِ، مولوی سید محمد مہدی، ص ۴ طبع ۱۹۳۵ء

(۱۳) کلیات منیرؔ شاہ آبادی

(۱۴) عِمَادُ السَّعَادَۃِ، ص ۱۵۶، طبع مطبع نول کشور ۱۸۶۴ء

(۱۵) آب حیات، منشی محمد حسین آزادؔ

(۱۶) انتصار الاسلام، علامہ غلام حسنین کنتوری

(۱۷) کتناپ، میاں مشیرؔ مرحوم طبع اثنا عشری پریس لکھنؤ، ص ۱۱۶

(۱۸) رقعات مرزا قتیل، طبع قدیم فارسی

(۱۹) زَادُ الصَّالِحِیْنَ، مولوی سید محمد مہدی سرسوی، ج ۸ ص ۲۳۹

(۲۰) ذَرِیْعَۃُ اِلٰی تَصَانِیْفِ الشِّیْعَۃِ، ج ۱ ص ۱۹۱ عربی طبع نجف اشرف

(۲۱) تاریخ اسلام، ذاکر حسین دہلوی، ج ۵، اردو ص ۴۷

(۲۲) تاریخ اودھ، نجم الغنی حصہ سوئم، ص ۱۳۲، نول کشور

(۲۳) تحفہ احمدیہ، بحث زکوٰۃ، ج ۱، مطبع مرتضوی لکھنؤ

(۲۴) بادشاہ بیگم، محمود عباسی، طبع کراچی، ص ۱۳۷،

(۲۵) ملاقات امام، مولانا سید محمد مجتہد امروہوی مرحوم، ص ۱۶۱۔

(۲۶) تذکرہ ناصر الملۃ از ملا احمد حسن کاظمینی مرحوم نظامی پریس۔

تاریخ ھائے وصال علماء کرام

ذیل میں اولاد غفران مآبؒ کے مشاہیر علماء کی ایک فہرست حاضر ہے تا کہ ارباب عقیدت اس

تاریخ، تلاوت قرآن سے مقدس ارواح کو شاد کریں۔ اس سلسلہ کی کتابیں چھپنے پر نماز شب میں ان حضرات کے ناموں کے ذکر کی اطلاع آچکی اور جن حضرات نے ۱۹؍رجب کو ایصال ثواب کی مجلس کی وہ بھی میرے شکریہ سے برتر ہے۔ توقع ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ کی تاریخوں کو فراموش نہ کریں گے:۔

۱۹؍رجب: استاذ الکل سید دلدار علی غفران مآبؒ، برصغیر کے پہلے مجتہد جن کی تبلیغ اور نسل امام باڑہ، مسجدین اور تصانیف اب تک باقی ہیں، ان کی لائف کا دوسرا اڈیشن حاضر ہے۔

۱۷؍صفر: سید العلماء سید حسین علیین مکاں — اَوْرَاقُ الذَّهَبِ عربی لائف کا ایک نسخہ کراچی میں موجود ہے۔

۲۲؍ربیع الاول: سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ۔ بسیط سوانح حیات پیش کی جاچکی۔

۲۴؍رمضان: ممتاز العلما فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ، آپ کا ٹرسٹ لکھنؤ میں پرا میسری نوٹ مسجد امام باڑہ، مقابر کی صورت میں ہیں۔ اِحیاءُ الآثار سوانح عمری کا نام ہے۔

۲؍رمضان: زبدۃ العلماء معین المومنین سید علی نقی مرحوم ومغفور۔۔۔۔ خطوط غالب 'اردوے معلیٰ' میں ص ۲۸۹، ۲۸۶، مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۸ء میں ذکر ہے۔

۲۰؍جمادی الاولیٰ: شمس العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکان — اذان میں کلمہ بلافصل آپ کی جدوجہد سے جاری رہا کرنیل نیوبری کے احتجاج سوانح میں دیکھو۔

۱۷؍صفر: ملاذ العلماء سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ — فلسفہ وحکمت میں یگانہ روزگار۔ مولانا سید ظہور الحسن میران پوری بارہوی وغیرہ کے استاد۔

۴؍ربیع الآخر: تاج العلماء سید علی محمد مرحوم — لاتعداد کتابوں کے مصنف اردو کے پہلے حامی اور ترجمہ قرآن ان کی یادگار ہے، عبرانی زبان پر بھی عبور تھا۔

۱۱؍رمضان: عماد العلماء میر آغا مجتہد — مسئلہ مسائل میں ڈاک یکّہ پر جاتی تھی۔ جب تک

زندہ رہے برصغیر میں علماء عراق کی تقلید نہیں ہوئی۔ ''چراغ ہند گل'' (۱۳۱۳ھ) تاریخ ہے۔

۲۷/رجب: بحر العلوم سید محمد حسین عرف علّن صاحب قبلہ — ذاکری کو علمی لباس پہنایا.........

۵/محرم: فردوس مقام مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ — اپنے دادا کے وقف خاص کو مرتے دم تک وقف عام نہ کہا اور بورڈ آف ٹرسٹیز کو تسلیم نہیں کیا حتی کہ بورڈ نے، ۵۰ سال بعد تلافیٔ مافات کی۔ مختصر لائف تَذْكِرَةُ الْمُتَّقِيْنَ قوم کے سامنے لائی گئی، مولانا سید ثاقب حسین صاحب امروہوی پروفیسر جوبلی کالج ارشد تلامذہ میں موجود ہیں، آپ نے مَعَالِمُ الْاُصُوْلِ کا اردو ترجمہ کیا۔

۷/ربیع الآخر: قدوۃ العلماء سید آقا حسن مجتہد — شیعہ کانفرنس، شیعہ یتیم خانہ، قوم میں بیداری کی روح پھونکنے والے، ماہنامہ معالم اور ہفتہ وار الناطق کے بانی۔

۱۶/شعبان: سید محمد باقر مجتہد — اپنے دور کے ہر صدر الافاضل کے استاد جامعہ سلطانیہ کے مدرس اعلیٰ۔

۲۹/ذیقعدہ: مولانا سید ابوالحسن 'پرنسپل' مدرسہ واعظین — مولانا سید انیس الحسنین، مولانا حافظ کفایت حسین، مولانا محمد بشیر انصاری، مولانا لقاء علی حیدری وغیرہ کے استاد۔

۸/جمادی الآخر: سید سبط حسین — مجتہد اعظم اور فن طب کی بہت بڑی ہستی، ذیابیطس کے ماہر، شعر و سخن میں میر زمانہ۔

۲۶/شعبان: شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مجتہد — قدیم ذاکری کے خاتم، لحن داؤدی کے واحد مظہر، شیعہ کانفرنس کو صدارت کی عزت دی، آپ کا کتب خانہ اور گھر ۸/ربیع الاول کے یوم غم میں فرقہ وارانہ فساد میں جلا دیا گیا۔

۲۷/رجب: مولانا سید محمد عرف میرن صاحب قبلہ — کراچی میں تلامذہ آپ کے موجود ہیں۔

۱۷؍جمادی الاول: عمدۃ العلماء سید کلب حسین ــــ ذاکر شام غریباں و امام جمعہ مسجد آصفی۔ ان کی خطابت سے چپہ چپہ ملک کا آشنا ہے۔

اولادِ غفران مآبؒ کے فرائض

(۱) جملہ افراد خاندان کو اس بات پر خاص توجہ کرنا چاہئے کہ ہماری کیا تعداد ہے؟ ہر نسل کا بزرگ اپنے لواحقین کے نام اور پتہ لکھ کر حضرت شگفتہ لکھنوی کی خدمت میں بھیج دے۔

میرے دوست سید محمد شبیر صاحب نقوی کو سامرّہ میں ایک بزرگ درویش صفت ملے اور اپنا نام احمد علی بتاتے ہوئے کہا کہ وہ اولاد غفران مآبؒ سے ہیں اور مدت دراز سے عربستان میں آباد ہیں، لیکن پہچاننے سے قاصر رہا مگر انکار بھی نہیں کر سکتا۔

(۲) نئی نسل میں آبائی تعلیم کا رجحان پیدا کرنا اور اپنے وظیفہ سے کم از کم ایک طالب علم کو عراق روانہ کرنا اور اس کی تکمیل کو کامیاب بنانا۔

(۳) ان حضرات کی شخصیت پر غلط آوازوں کا جواب دینا اور صحیح سیرت پیش کرنا اور تصحیح سے بجائے آزردہ خاطر ہونے کے خوش ہونا۔ جیسے منصف الدولہ بہادر کی کربلا وہ مقدس عمارت ہے جو بعد میں کربلائے عظمت الدولہ سے مشہور ہوئی۔ یہ سمجھنا کہ دیانت الدولہ کی کربلا منصف الدولہ کی کربلا ہے غلط ہے۔

نتیجہ کلام

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کتنے مقامات پر میں نے منقولات کو حوالہ دے کر چھوڑ دیا ہے اور عبارتیں نقل نہیں کر سکا۔ اجازات غفران مآبؒ اور ان کے معاصرین کے حالات اور ترک کردہ مقامات اگر اس مختصر لائف میں یکجا کرتا تو دو سو صفحہ ہو جاتے۔ کاغذ اور سامان طباعت کی ہوش ربا گرانی میں بھلا کہاں ممکن تھا۔ جو سبق ہم کو اس سیرت کے پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں، ان میں سب سے بڑا درس سنی شیعہ علماء کا اتحاد عمل ہے۔ ایک دستاویز پر علماء فریقین کی دستخطیں ہوتی تھیں

اور نہ ضرورت مند کو مغایرت محسوس ہوتی تھی، نہ وہ حضرات کسی کی تصدیق میں پہلو تہی کرتے تھے۔صوفیت کی رد اور اخباری طبقہ کا انتباہ، نواصب کی تحریروں کا ابطال ایک علیحٰدہ شئے، آپس کا باہمی مسئلہ ہے۔ سچے مسلمان وہی تھے جو شیر و شکر تھے۔ یہ اضافات بھی ہنگامی صورت میں ناچیز کے قلم سے اس وقت ہوئے ہیں جب تین کتابیں بیک وقت زیر طبع ہیں اور میں حمد معبود پر قلم روکتا ہوں۔تحریر میں بسط نہ ہوسکا تو ایک ملیح آبادی کا شعر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا نتیجۂ فکر ہے ؎

کام ماگر تر نہ شداز آب مقصد غیب نیست
زانکہ اولاد حسینم تشنگی میراث ماست﴿۹﴾

۱۶/صفر ۱۳۹۶ھ

آئینۂ حق نما

حالات غفران مآبؒ میں یہ ضخیم کتاب زیادہ سے زیادہ مشہور اور فارسی کا قدیم شاہکار ہے جو خود ان جناب نے سیرت علماء کے مطابق بزبان غیر سپرد قلم فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سیرت نگار فہرست تصانیف میں اس کو شمار نہیں کرتے مگر جدامجد جناب سید العلماء علیین مکانؒ نے اپنے سگے بھتیجے عمدۃ العلماء سید محمد ہادی رحمہ اللہ کو جو اجازہ مرحمت کیا اس میں اپنے والد علام کے ذکر تصانیف میں آئینۂ حق نما کو ۲۳ واں شاہکار قرار دیا ہے اور مناظروں پر مشتمل ہونے کی خصوصیت کو نمایاں الفاظ میں ذکر کیا ہے۔اس کتاب کے چند نسخہ اطراف ملک میں تھے۔ جناب زبدۃ العلماءؒ کا خطی نسخہ زنگی پور میں مولانا سید محمد یوسف صاحب مرحوم کے بزرگوں کے پاس یادگار صحیفہ اور ایک نقل جناب فردوس مکانؒ نے اپنے کسی مخلص مولوی حسین مرزا نامی کو دی اور بھی نقول علمی مراکز میں ہوں گے۔

امام باڑہ غفران مآبؒ پر میرا مقالہ اخبار 'خطیب' کراچی عمدۃ العلماء نمبر جلد ا، شمارہ ۱۱، صفحہ ۳۰ر پر چھپا۔طول کلام کے خوف سے اسکی بھی نقل سے معذور ہوں۔

غفران مآبؒ کے دیسہ کی مجلس میری اوائل عمر عہد جناب علّن صاحب قبلہ مرحوم تک ۱۹؍رجب کو ہوتی ہے اور لکھنؤ کے رواج کے مطابق گھروں پر شیر مالیں تقسیم ہوتی تھیں۔عزیزوں میں جو اس سال فوت ہو جائے اس کی بیوہ کو تبرک پہنچنا لازم تھا۔ جناب کے بعد مجلس مسمّیٰ ہو کر رہ گئی۔

ایک زلزلہ افگن مگر تحقیق طلب خبر

گذشتہ ۶۰ برس کے علمی خدمات میں یہ اطلاع مجھے تڑپا کر رہ گئی کہ بالاکوٹ کے سید احمد شہید جو ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے، آزادی کا سودا لے کر وطن چھوڑ کر مسلمانوں کو بلند کرنے میں جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ ان کا سلسلہ نسب کچھ پشتوں کے بعد جناب غفران مآب کے اجداد تک پہنچتا ہے۔ اس مجاہد اعظم پر جو کتابیں پاکستان میں لکھی گئی ہیں اس کو اگر میرے عزیز ترین بھتیجے مولوی سید علی لکھنؤ یونیورسٹی سے نہ پا سکے اور میں بستر مرض پر آخری منزل میں ہوں، زمانہ ترقی کرتا جا رہا ہے، میں نہ سہی تو میری نسل میں باقر حسین، (بی ایس سی) اور عابس حیدر (شپ اونرز) کالج سے نکل کر میدان تحقیق میں قدم رکھیں تو فضل خدا سے دور نہیں یا علی آصف اور ان کا کوئی بھائی یا نا ئیجیریا کا چھوٹا بچہ مسلم یا علی فراز ہزار جلدوں کی کتب بینی کرنے کے بعد انشاءاللہ سید احمد شہیدؒ کی اس تقریر تک پہنچیں جس میں انھوں نے قوم کو بیدار کرنے میں مولانا دلدار علیؒ کا نام لے کر ہمت بڑھائی تھی۔ یاد رہے علم محدود نہیں ہے۔ ملک میں تحقیقات کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ مصنف کو خدا پر بھروسہ اشد ضروری ہے۔

آغا مہدی

۲۷؍ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

النجف ۷۔ ۱۴۲ / ۱۷، فیڈرل بی ایریا، کراچی

آل غفران مآبؒ کی قبریں

یہ عنوان باب ماضی کی یاد اور تاریخ کو زندہ رکھنے کا وہ زریں باب ہے جو میرے دماغ کی

پیداوار نہیں ہے، رب کا تصور اور ان کی بلند و بالا ذہنیت کی تصویر کشی ہے، جس کو قرآن حکیم نے بھی اپنی تفسیروں میں اشارہ کیا ہے اور سورہ تکاثر ثبوت میں موجود ہے۔ عرب کے دو قبیلے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کے جذبے میں کہہ رہے تھے کہ ہم تم سے بہتر ہیں اس لئے کہ (قبرستان چلو اور شمار کرو ہماری قبریں تمہارے قبیلے کے قبروں سے بہت زیادہ ہیں) یہ دعویٰ ان کا بڑی حد تک صحیح تھا۔ اسلام نے مسلمانوں کی تعداد بڑھانے پر زور دیا۔ چار نکاحوں کی ہر شخص کو اجازت دی اور نکاح منقطع کی کوئی حد نہیں۔ اپنی قوت اور امکانات کے لحاظ سے متعہ کیجئے۔ قرآن حکیم کے شروع ہونے والے پاروں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ کوئی ناسخ متعہ کا آج تک کسی مخالف نے پیش نہیں کیا۔ علاوہ عقلی اور نقلی مصلحتوں کے سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ مسلمان اکثریت حاصل کریں۔ منصوبہ بندی ایک فریب اور انسانیت کش قانون ہے جس کو سادہ لوح دنیا اختیار کرتی جاتی ہے۔ انسانیت کی بقا عقلی مقصد ہے۔ مگر یہ بھی روشن حقیقت ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ وہ کس زمین پر دم توڑنے والا ہے۔ عرب کی دنیا محدود زمین پر آباد تھی۔ وہ قبروں کو شمار کر سکتے تھے۔ ہم جس بلند و بالا ذات پر قلم اٹھا رہے ہیں اس کی اولاد پر اگر غور کرتے ہیں تو دنیا کے اکثر شہروں میں انتقال کر کے دفن ہو چکی ہے۔ اور وہ صرف امام باڑہ غفران مآبؒ اور حسینیہ ممتاز العلماءؒ چوک، لکھنؤ میں محدود نہیں۔ چنانچہ بڑی کاوش کے بعد جب ہم فکر رسا سے کام لیتے ہیں۔ تو حسب ذیل شہروں میں یہ حضرات دفن ہیں:۔

مکہ معظمہ

اس مقدس زمین پر مولوی سید غلام عابد صاحب مرحوم و مغفور سپرد خاک ہیں جو صرف حج کی عزت حاصل کرنے پر وہاں فوت ہوئے۔ جہاں تک میری یاد ساتھ دیتی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں والد ماجد نے خواب دیکھا کہ ایک میدان میں دو جنازے کثیر مجمع کے ساتھ نظر آرہے ہیں کہ ایک تابوت مومنین کے اژدہام میں قریب ہے اور ایک دور سے نظر آرہا ہے۔ اس بات کے عرض کرنے کی

ضرورت نہیں کہ پچھتر برس پہلے حاجیوں کے قافلے طیارے پر تو جاتے نہ تھے، بحری سفر کے بعد قاتر، گدھے اور اونٹوں پر قافلہ روانہ ہوتا۔ مولوی صاحب موصوف کے ساتھ لکھنؤ کے مسافروں نے ڈاکٹر مرزا اعجاز حسین صاحب مرحوم، ساکن حیدر گنج لکھنؤ کے بڑے بیٹے تھے۔ کچھ عشرہ محرم گذرنے پر خبر آئی کہ یہ دونوں صاحبان انتقال کر گئے اور اس پاک زمین پر دفن ہوئے۔ یہ تھی تعبیر میرے والد کے خواب کی قریبی تابوت سے مراد میرے والد کے چچا کا جنازہ تھا۔ اور دور کے تابوت سے مراد ان کے ہم عصر اور دوست ڈاکٹر صاحب کے بیٹے کی میت تھی۔ مولوی صاحب موصوف بڑے مقدس اور متقی انسان، ان کا قیام میرے قدیم مکان سے دیوار بیچ تھا۔ وہ بڑے نماز گزار سن رسیدہ لحیم شحیم مرد مومن تھے۔ امام باڑہ کی روز عاشور وقت عصر کی مجلس کتاب دیکھ کر وہی پڑھتے تھے۔ ۱۹۰۴ء کے فرقہ وارانہ فساد میں نہ پہنچ سکے تو والد ماجد کے حکم سے میں نے پہلی مرتبہ ذاکری کا شرف حاصل کیا۔ اور اس زمانے کی مقبول کتاب مجالس شیعہ اردو سے ذوالجناح کا درخیمہ پر آنا پڑھا۔ خداوند عالم ان مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ ان کے بیٹے مولوی سید محمد عابد صاحب اس مکان کے رہنے والے باقاعدہ ذاکر تھے اور مدرسہ سلطان المدارس کے معلم اطفال رہے۔ اس زمانے کے سینکڑوں شاگرد چھوڑے۔

عراق

نجف اشرف و کربلائے معلیٰ میں تو اولاد غفران مآبؒ کے کئی مقدس نفوس اور کچھ بچے اولاد غفران مآبؒ کی طالب علمی میں سپرد خاک ہوئے۔ جس میں پہلے مولانا سید علیؒ صاحب جن کی اردو تفسیر تَوْضِیْحُ الْمَجِیْدِ آج موجود ہے۔ آپ غفرانمآبؒ کے بڑے بیٹے سے سن مین چھوٹے صاحبزادے تھے۔ زیارت کو روانہ ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا اور آج ان کی اولاد لکھنؤ اور کراچی میں موجود ہے۔

دوسری قبر معین المومنین زبدۃ العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ کی اہلیہ محترمہ قمر النسا بیگم کی ہے جو

میری دادی کی والدہ تھیں اور سلطنت اودھ کے اقتدار میں عراق پہنچ کر انتقال ہوا، حضرت حبیب ابن مظاہر کے پائین پا دفن ہوئیں۔

بحر العلوم سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ مجتہد مرحوم کے بیٹے سید محمد عرف آغا جو تحصیل علم میں لکھنؤ سے روانہ ہو کر گئے تھے، یہ میرے بچپن کا زمانہ ہے اور میں مرحوم کو پہنچانے کے لئے (ہائے کراچی! میں اس مقام پر چھوڑنے گئے تھے جو زبان پر ایک ضرب ہے!!) چار باغ اسٹیشن گیا تھا۔ اس وقت حاضرین میں سہارنپور کے خواجہ محمد مختار احمد صاحب کو میں نے پہلے پہل دیکھا تھا۔ گاڑی چھوٹی اور وہ مدتوں تک تحصیل علم میں مشغول رہے۔ ان کی مالی حالت خاندان میں سب سے بہتر تھی۔ خوش پوشاک تھے اور طلباء ان کو رئیس العلماء کہتے تھے۔ تکمیل سے پہلے اسی مقدس زمین پر عالم شباب میں انتقال کیا۔

ان کے علاوہ میرے دور میں مولانا سید محمد باقر صاحب قبلہ اور ان کے خاندان کے بہت سے افراد دفن ہیں۔ کچھ کی لاشیں ہندوستان سے کربلا گئیں۔

کراچی

قدیم ہندوستان کا ساحل سمندر پر وہ چھوٹا سا شہر ہے جس کو کراچی بندرگاہ کہا جاتا ہے اور عراق کے زائر بمبئی سے روانہ ہو کر جہاں جہاز ٹھہرتا۔ اور زائر ہندوستان کی آخری بستی سے گذر کر بحیرہ عرب روانہ ہوتا، جو ایک عظیم الشان شہر ہے اور پورے ہندوستان سے لوگ ہجرت کر کے وطن بنا چکے اور تمدن وتہذیب کے لحاظ سے یورپ کے شہروں سے مقابلہ کرتا ہے۔ اس قدیم بستی میں ستر سال سے پہلے ایک قبر اس کیفیت سے قرار پائی کہ میری حقیقی پھوپھی اپنے پورے گھر کی موت کے بعد لکھنؤ چھوڑ کر کربلا روانہ ہوئیں۔ یہ ۱۳۲۷ھ کا واقعہ ہے اس وقت شمس العلماء سید ابن حسن صاحب مرحوم اور بہت سے افراد خاندان سفر زیارت میں طول ہو کر مقیم تھے کہ یورپ کی جنگ عظیم شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ سب کو لکھنؤ پہنچنا پڑا۔ محترمہ راضیہ بیگم صاحبہ جوار امامؑ سے واپس ہونے پر

تیار نہ ہوئیں جب کوئی عزیزان کا اس سرزمین پر باقی نہ رہا، ایک قافلے کے ساتھ مجبوراً واپس ہوئیں۔ کراچی تک تو اس قافلے کی واپسی کا علم ہے۔ اس کے بعد خبر نہیں کہ کون کون ساتھ تھا؟ شاید جہاز پر موت آئی یا کراچی پہنچنے پر وفات ہوئی اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ کہاں اور کب سپردخاک ہوئیں، آج ہم اپنے نواسے سے امریکہ فون پر باتیں کرتے ہیں، اس وقت کراچی کا کوئی رابطہ نہ تھا۔ مرنے والی کی والدہ معظّمہ یعنی میری دادی گریہ و ماتم کے لئے زندہ تھیں۔ خیال تھا کہ موسیٰ لین کے قبرستان (ایرانی) میں سپردخاک ہوئی ہوں گی جہاں اب اولادغفران مآبؒ کی بحیثیت وطن ثانی قبریں بنانا شروع ہوئی ہیں۔ (یاد رہے ہم ماضی پر قلم اٹھا رہے ہیں عصر حال کا ذکر نہیں ہے) یہ حادثہ ماہ ذی الحجہ کا والد ماجد مرحوم نے اپنی بڑی بہن کی مجلس فاتحہ خوانی آخری ذی الحجہ میں کی تھی۔ اس مجلس ایصال ثواب کا رقعہ مدرسہ سلطان المدارس کے فاضل متعلم مولانا شاہ غلام حیدر (بہار) نے مسودہ کیا۔ جو فارسی کے ماہر تھے اور میرے بڑے بھائی کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ اس عبارت میں 'صفیۂ من' تھی جس کو والد ماجد نے قلم زد کر دیا تھا اور شبہ یہ تھا کہ خیبر کی صفیہ کا بھائی مرحب تھا۔ رقعہ ذوائب میں جلد اول موجود ہے۔

بمبئی

عروس البلاد ہندوستان کا سب سے بڑا شہر بمبئی جہاں کئی بار جانا ہوا اور متعدد مجلسیں مغل مسجد اور دوسرے مقامات پر پڑھیں۔ یہاں کی دوسری مسجد اکبر حسین ضریح والے کے اہتمام سے تعمیر ہوئی اور روز بروز اس کی آبادی بڑھتی گئی۔ میرے خاص دوست آغا سروش مرحوم اس کے خزانچی اور دوسرے اہل لکھنؤ بانیان سمجھے جاتے ہیں۔ میری سوانح حیات میں آپ کو بمبئی کے ہر بس اسٹیشن کے نام ملیں گے جو ایک تاریخی یادگار ہے، سفینۂ حیات جلد اول میں بمبئی کے دوستوں کے بھی نام ہیں۔ میرے اولین شاگرد ذاکر حسین فاروقی جن کا ہاشمی مجاہد پاکستان میں دوبارہ چھپا۔ اور اب اس طبقے میں کوئی زندہ نہیں۔ اس شہر میں بھی ایک مقدس خاتون کی قبر ہے جو میرے والد کی سوتیلی بہن

تھیں۔ نام نامی صغریٰ بیگم اور شوہر ان کے باقر العلوم سید محمد باقر مرحوم و مغفور مجتہد لکھنؤ نے سفر عراق کے سلسلے میں ان کی نوجوانی کی موت پر وہاں دفن کیا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ میری پیدائش سے پہلے کا ذکر ہو، وہ میرے باپ اور چچا دونوں بھائیوں کی چہیتی بہن اور واقعہ کربلا کی دورافتادہ شاہزادی فاطمہ صغرا کی مصیبتوں میں کنیز تھیں۔ بھائیوں کے فراق میں تڑپتی ہوئی دنیا سے گذر گیئں۔ اولاد نہ تھی۔ ان کے کچھ حالات سوانح فردوس مکان میں چھپے ہیں اور کتاب کریم فی ترجمۃ ابراہیم میں اس سے زیادہ حالات اور مظلومیت آپ دیکھ سکتے ہیں، اس وقت کا ماحول وہ پرآشوب تھا کہ نہ تو بھائیوں کو ان کا ورثہ ملا، نہ کوئی یادگار پائی، نہ جہاں دفن ہوئیں اس قبرستان کا نام بتا سکتے ہیں۔ جناب باقر العلوم کی عراق سے واپسی پر میرے والد کے خلاف مقدمہ دائر ہوا۔ اب قلم روکتا ہوں۔ زندہ ہوں تو انشااللہ میں وقف کی بحث میں کچھ اور کہوں گا۔ انتظار کیجئے۔ مرا گمان ہے کہ یہ خاتون مرین لائن، بمبئی کے ایرانی قبرستان میں دفن ہیں جو زیادہ تر ایرانی صاحبان کا قبرستان ہے اور میری ابتدائی عمر میں عبداللطیف اس کے نگراں تھے۔ میں محترمہ کے ایصال ثواب میں اب بھی سورۂ توحید کا تحفہ روز پیش کرتا ہوں۔

پٹنہ

پٹنہ عظیم آباد لکھنؤ سے کلکتہ جاتے ہوئے صوبہ بہار کا بہت بڑا شہر ہے جہاں کے روسا اور عوام ایک سے ایک بڑھ کر ادب نواز ہیں۔ آخر میں ڈپٹی احمد علی خان علیم الواعظ کے خریدار اور محب خاص اہلبیتؑ جنہوں نے میرے رسالے سید الشداء کی تاریخ بڑی خوبی اور مجھ سے اپنے ذاتی خلوص کے ساتھ مرتب کی۔

مجھے پٹنہ جانے کی نوبت نہیں آئی۔ بانکے پور تک اسٹیمر میں سفر کیا تھا، بارش ہوجانے سے واپس ہوا۔ اس شہر میں لکھنؤ کے عظیم شاعر جن کی ادبی خدمات پر اہل لکھنؤ واقف ہیں، یعنی مداح اہل بیت سید اصطفیٰ خورشیدؔ دفن (ہیں) یہ میر مہدی حسین ماہرؔ صاحب دیوان کے داماد اور سید العلماء اخوی

مولانا سید علی نقی صاحب سلمہٗ کے حقیقی نانا ہیں۔ مہذبؔ لکھنوی نے مجھ سے ان کا فوٹو حاصل کر کے اپنے قلمی خدمات میں پیش کیا۔ موصوف بسلسلہ ذاکری مدعو ہوئے اور پٹنہ عظیم آباد میں انتقال کیا۔

کانپور

یوپی کا وہ شہر جو (لکھنؤ سے) ۴۹ میل (تقریباً ۸۰ کلومیٹر) پر واقع ہے۔ وہ بہت بڑی تجارت گاہ اور شیعوں کا مرکز ہے۔ میں نے سب سے پہلے لکھنؤ سے نکل کر یہاں پہلا ماہ رمضان جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں کیا، اور وہاں کی خدمات میری کتابوں میں بڑی تفصیل سے دیکھی جاسکتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے اب تک وہ رابطہ قوی سے قوی ہوتا جارہا ہے اور وہاں کی تیسری نسل میری تصانیف پر اشاعت کے ارادہ میں ہے۔ اس زمین پر صرف وہ خاتون سپردخاک ہیں جو حضرت سید محمد کاظم جاویدؔ مرحوم کی وارث قرار پائیں اور بڑے فقر و فاقہ میں اپنے عظیم ممدوح نامی کے ساتھ رہتی تھیں۔ ممدوح نامی حضرت قدوۃ العلماء کو آقا حسن بھائی کہتے تھے۔ اس سے زیادہ کا علم نہیں۔

حیدرآباد دکن

سلطنت عثمانیاں کے پایۂ تخت حیدرآباد میں میرے خاندان کے حکیم سید علی صاحب آشفتہؔ دفن ہیں جو طبابت میں اچھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔ لکھنؤ سے طبی کمالات حاصل کر کے دہلی گئے اور حکیم اجمل خاں صاحب سے شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ ملحوظ خاطر رہے کہ لکھنؤ کے حکماء مفردات سے علاج کرتے اور کشتہ سے ان کے علاج کا طرز نہ تھا۔ کبھی کسی خاص مجبوری میں کشتہ دیتے۔ آشفتہؔ صاحب مرحوم نے دہلی سے واپس آکر اپنے دواخانے کا نام 'کیمیائے اودھ' رکھا۔ ان کو نوجوانی میں کشتی سے شوق تھا، طاقتور جوان تھے۔ ابتدائے زندگی میں اس وقت کے (ہندوستانی انگریزوں کے وفادار رعایا تھے) یورپ کی پہلی جنگ عظیم جب شہر سے پہلا روزنامہ ''سیارہ'' جاری ہوا۔ اور شبیر حسن قتیلؔ نے اپنی ادارت میں زیادہ سے زیادہ روزنامہ کو شہرت دی، اس وقت آشفتہؔ مرحوم کی ایک نظم میرے خاندان کے بچوں میں جو آج بڈھے اور بڑے نامور عالم

دین سید العلماء علی نقی نامی ہیں، ان کا بچپنا تھا اور اپنی غیر معمولی ذہانت میں یہ نظم یاد کرلی۔ وہ میرے اور ان کے دونوں کے رشتے میں چچا تھے۔ نظم کا مطلع اس وقت یاد آگیا ہے:۔

دل کی لگی کو قیصر جرمن بجھا چکا
برطانیہ کے شیر سے آنکھیں لڑا چکا

اسی منظومہ کا ایک مصرعہ یہ بھی تھا:۔

کیا کرسکے گا تو میرے برٹش کے راج کا

یہ تھے آشفتہؔ کے جوانی میں افکار، پنجاب سے واپس ہوکر وہ پکے کانگریسی ہوگئے۔ 'تاریخ لکھنؤ' کے دیباچہ میں ان کی خدمات کا اشارہ میرے قلم سے ہو چکا ہے۔ آشفتہؔ مرحوم سے میری آخری سفر حیدرآباد دکن میں ملاقات ہوئی۔ وہ عیال کے ساتھ دکن میں تھے اور اسی سرزمین پر ان کا انتقال ہوا،

جرول ضلع بہرائچ

سادات کی مشہور بستی اور چھوٹی لائن پر وہ آبادی ہے، جہاں اکثر صاحبانِ کمال گزرے، شعر و سخن اور علم وادب کے نمایاں گھر، تالیفات کی مشہور کتابیں، اس دیہات کی یادگار ہیں اور ناظرین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ عراق میں برسہابرس قیام کرنے اور دینی خدمات انجام دینے والے بزرگ جو اخلاف غفران مآبؒ کے ایک مشہور فرد مولانا سید کلب باقر صاحب مرحوم تھے۔ ان کا ۱۳۲۷ھ کے حدود میں اس مقدس زمین پر قیام رہا۔ طلباء کو وظیفے، ہندی زائروں کی خدمت اور ان کے تعاون میں وہ محتاج تعریف نہ تھے۔ انگریزی سفارت خانہ ان کی بڑی عزت کرتا۔ اپنے دوران خدمت میں ہندوستان آئے اور رحلت فرما کر جرول میں دفن ہوئے، یہ قبر وہاں نمایاں طور پر موجود ہے، میرے محترم مولوی الحاج سید مسلم مہدی صاحب پیش نماز وخطیب کراچی نے بتایا، جس کا میں شکر گزار ہوں۔

نصیر آباد ضلع رائے بریلی

مولوی سید محمد ہاشم صاحب مرحوم میرے خاندان کے جلیل فرد، جو پیش نماز اور ذاکر حسینؑ تھے، جس وقت لکھنؤ میں شیعہ کانفرنس کی بنیاد صدر الصدور کے نام سے قائم ہوئی تھی، اس وقت آپ کا قیام مسجد تحسین علی خان پر تھا اور آپ نے اردو زبان میں ایک تخریج الآیات مرتب کیا تھا جو ان کے ذہن کی کاوش کا شاہکار تھا چھپ نہیں سکا، ان کی عمر وطن میں ختم ہوئی اور ان کی اولاد اور قبر نصیر آباد میں موجود ہے میں نے ان کی تقریریں محلے کی قومی انجمن میں سنیں۔ خط ان کا بہت اچھا تھا۔ اور ایک نقشہ دکانات مسجد تحسین علی خان کا رنگین میرے پاس مدتوں باقی رہا۔

جلالی، ضلع علی گڑھ

یوپی کے شیعہ علاقے میں یہ مقام کافی مشہور ہے جہاں کی قومی خدمات شیعہ کانفرنس اور شیعہ کالج کے حالات میں آجاتے ہیں۔ میرے حالات زندگی میں جلالی کے سفر کا ذکر ہے وہاں اولاد غفران مآبؒ مولوی سید حامد حسن صاحب مرد مقدس بسلسلۂ پیش نمازی آخر تک قیام پذیر رہے۔ ان کے بھائیوں میں مولانا سید زاہد حسن صاحب مرحوم اور سید جعفر حسن صاحب لکھنؤ میں رہے۔ مولوی حامد حسن صاحب کے صاحبزادے قمر العلماء ساجد حسن مرحوم مولوی سید علی باقر صاحب کے ساتھ ہی عراق سے پڑھ کر آئے تھے۔ یہ ۱۹۱۲ء کا ذکر ہے لکھنؤ اور جلالی کے قیام میں دماغی امراض میں مبتلا ہوئے اور جلالی میں انتقال کیا۔

بلرام پور

چھوٹی لائن پر مشہور ہندو ریاست جس کے کرتا دھرتا حیدر کرار، جعفر طیار مشہور شیعہ خاندان کے افراد تھے، جن کو قومیات سے بڑی دلچسپی تھی۔ ان حضرات کی آبادی میں نماز پڑھانے کے لئے غفران مآبؒ کے ایک پوتے مولوی سید عابد علی صاحب مرد مقدس تھے جو میرا خیال ہے کہ مدت تک بلرام پور میں رہے۔

وہ جناب سید بچھن صاحب قبلہ مجتہد مرحوم وفات ۱۳۰۸ھ (تخمیناً)، کے چھوٹے بیٹے تھے اور میرے حقیقی چچا مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ سابق پرنسپل مدرسۃ الواعظین کے ابتدائی شاگردوں میں تھے، خاندانی جلالت کے لحاظ سے ان کا درس چھپ کر ہوتا تھا، جس میں مصلحت یہ تھی کہ درسیات میں چھوٹی کتابیں پڑھنا ان کے شایان شان نہ تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میں شرائع الاسلام عمو موصوف سے پڑھتا تھا، وہ مجھ سے کافی بڑے تھے اور بڑے خوش اخلاق تھے، اس وقت تک بلرام پور کا رابطہ نہ تھا۔ ریاست مذکورہ کے قیام میں کافی ہر دلعزیز رہے اور میرے دوست ہم عصر مولانا لقاعلی صاحب حیدری بدایونی مدرسۃ الواعظین نے اپنی چھپی ہوئی کتاب میں ان کا ذکر خیر کیا ہے، تازہ خبر یہ ہے کہ موصوف بلرام پور جانے سے پہلے مدرسۂ ناظمیہ کے ابتدائی مدرس تھے، اور ان کے مکتب سے تعلیم حاصل کئے ہوئے کتنے افراد ہوں گے جن میں حسب ذیل نام حاصل ہوئے ہیں:۔

(۱) فخر خاندان انیسؔ سید اصغر حسین صاحب شائقؔ جو براہ راست اس خاندان کے جانشین اور خاندانی تبرکات کے واحد مالک ہیں۔ یادگار انیسؔ کے جلسوں نے اگر موصوف کو ذاتی مکان کی پیش کش سے مدد پہنچائی ہوتی تو بہترین یادگار انیسؔ ہوتی۔ وہ اس وقت قابل عزت درجہ پر ہے۔

(۲) مولوی سید محمد ہادی فقیہ مرحوم میرے بڑے بیٹے بھی مرحوم کے ابتدائی شاگردوں میں تھے جن کی مختصر زندگی قوم سے چھپی نہیں ہے، شیر خوارگی کی عمر میں نویں محرم کی مجلس تھی جس میں قمع کا ماتم تھا اور سر میں تلوار لگائی بغیر کسی علاج کے زخم بھرا۔ اس قربانی کے تذکرے اس وقت کے سامعین آج تک کرتے ہیں۔

دلدوز واقعہ یادرکھا وہ ہندوستان کی تعلیم سے فارغ ہو کر نجف اشرف میں تحصیل علم کے بعد دارالعلوم قم سے مشرف ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ آج جو روز عاشور کے جلوس میں شارع عام پر نماز ظہرین ہوتی ہے، وہ سب سے پہلے ان کی اقتدا میں ہوئی اور وہ تھے جس نے ۲۱ / رمضان نشتر

پارک کے یوم غم میں ایک خطیب سے مجلس میں کھڑے ہوکر اختلاف کیا۔ حاضرین نے صبر وسکون سے ان کا یہ علمی عذر دیکھا۔ دوسرے روز حضرت علامہ رشید ترابی مرحوم ومغفور نے گھر پر تشریف لا کر اس اقدام کو سراہا اور موصوف کی ہمت افزائی کی۔ انہوں نے کراچی پہنچ کر اپنی ابتداء میں آگ پر ماتم کیا۔ علم فقہ میں ان کی تصانیف موجود ہیں۔ یہی یادگار ہے جسے چھوڑ کر شباب میں داغ مفارقت دے گئے۔

یہ تھے میرے خیالات جن کو یکجا کرنے میں خداوند عالم نے کامیاب کیا اور اب غفران مآبؒ کے تیسرے ایڈیشن میں حاضر ہیں۔ دوسرے باخبر اہل خاندان کو اپنی معلومات سے اضافہ کا حق ہے۔ رائے بریلی قبرستان کونڈری میں ایک بچہ میرا بھی دفن ہے جس کو یاد کر کے طول کلام سے قلم روکتا ہوں۔ یہ تھے تقسیم ہند سے پہلے کے واقعات، اب خبر نہیں کہ اولاد غفران مآب کہاں کہاں ہے، اس کی تشریح کر چکا ہوں خداوند عالم ان سب کو علم وعمل کی توفیق دے اور امام زین العابدینؑ کی دعائے صحیفہ کاملہ میں یہ تمنا ہے کہ جو مرکز سے ہجرت کر گئے ہیں وہ واپس آجائیں یہی تمنا میری بھی ہے۔

امروهه ضلع مرادآباد

سادات امروہہ میں میرے محترم دوست سید تفضّل حسین نقوی جن سے لکھنؤ کے قیام میں شناسائی اور پاکستان پہنچنے پر رواسم بڑھتے گئے۔ آخر میں وہ حیدرآباد (سندھ) چلے گئے اور حاجی غلام علی اور حاجی جعفر علی مرحوم (خوجہ جماعت) ان کے میزبان ہوتے لیکن عشرہ محرم وہ خالق دینا ہال کی نماز مغربین میں بڑی دلچسپی سے شرکت کرتے۔ اس وقت ان کا عارضی قیام اردو بازار کراچی میں ہوتا۔ موصوف نے ایک بار مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک قبر آپ کے سلسلۂ اجداد میں امروہہ میں بھی ہے۔ اس وقت اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔ اب کوشش میں ہوں کہ وہ نام بھی محفوظ ہوجائے۔

اسی مقدس سرزمین پر مشہور فلسفی مولانا سید محمد رضا صاحب شمس پوری مدرس معقولات جامعہ سلطانیہ بھی سپرد خاک ہیں۔ ان کے وقت انتقال میں لکھنؤ میں موجود نہیں تھا۔ وطن پہنچ کر صرف اتنا

معلوم کر سکا کہ وقت غسل دانتوں کا چوکا نکل نہیں سکا اور مصنوعی دندان سمیت آپ دفن ہوئے۔ ہندوستان میں سلطان المدارس کا فارغ التحصیل ہر شخص ان کا شاگرد ہے، اولاد ان کی رضویہ سوسائٹی کراچی میں موجود ہے۔ خاتمۂ تحریر میں ایک اور قبر کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو ہمارے مایۂ ناز کاتب مرزا محمد جواد صاحب آہنی پھاٹک لکھنؤ کی ہے۔ یہ وہ نساخ ہیں جن کی ترقی کا اثاث مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کے ترجمۂ قرآن کی اشاعت ہے اور سب سے بڑا شرف ان کو خدا نے یہ دیا کہ راجہ صاحب محمود آباد کے اہتمام سے عراق روانہ ہوئے اور حرم امام مظلومؑ میں در و دیوار پر ان کی کتابت کے نقوش درج کئے گئے۔ یہ وہ شرف ہے جو کسی ہندوستانی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ موصوف کی والدہ بھی اسی امام باڑے میں دفن ہیں۔

معذرت

تاریخ لکھنؤ میں حضرت مولانا ملا علی اصغر صاحب پروفیسر کیننگ کالج کی قبر امام باڑہ غفران مآبؒ میں جو بتا چکا ہوں، وہ خبر صحیح نہ تھی۔ مولانا مرحوم قبرستان کھجوا میں سپرد خاک ہوئے ہیں اور مملکت غیر میں یہ 'عقد قاسمؑ کا محققانہ ترجمان زیر زمین ہے۔ میری اس اطلاع کو بالکل صحیح سمجھئے اور دوسری لغزش میرے قلم کی اطلاعات میں یہ ہوئی کہ تحسین علی خاں کی مہر جو آثار قدیمہ میں میرے پاس موجود ہے، وہ بڑے تحسین نہ تھے، بلکہ تحسین علی خان خرد کی مُہر ہے جن کی مقبول عام مسجد باورچی ٹولے میں موجود ہے، صاحبان عقیدت اپنی مہر کو وقت انتقال یا ان کے ورثاء ہمارے سپرد اس لئے کرتے تھے کہ ان کا کوئی دشمن مہر کر کے جعلی تحریر نہ بنالے۔ میرے عصر کے قابل شاعر اور خاندانی فرد حضرت فہیم لکھنوی کے وقت انتقال میں بھوپال میں تھا اور شریک دفن نہ تھا، اس لئے نہیں کہہ سکتا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ ان کی روحانیت پر میرا خواب دلیل ہے کہ میں نے وزیر ریاست بھوپال کی میزبانی میں شب کو ایک غمناک خواب دیکھا اور صبح کو میں وہاں سے چل پڑا۔ گھر پہنچ کر علم ہوا کہ فہیم چچا نے رحلت کی، یہ وہی بزرگ ہیں جن کے نوجوان بیٹے نے خودکشی کی اور

ایک عبرتناک موت سے آوارہ ساتھیوں کی بدولت دوچار ہوئے۔فہیمؔ کا کلام لکھنؤ میں ہونا چاہئے۔
ہاں خوب یاد آیا حضرت ماہرؔ لکھنوی کے بھائی مولوی سید صادق حسین عقیلؔ لکھنوی کی قبر بھی امام باڑے میں ہے، ان کا انتقال میرے ہوش سے پہلے ہوا اور یہ قبر اگر میرے علم میں ہوتی اور مجھے بحیثیت وارث اختیار ہوتا تو یقیناً ۳۰/ برس کے بعد قبر کھود کر ٹین کا وہ صندوقچہ نکال لیتا جو مرثیوں سے بھرا ہوا وہ اپنی قبر میں لے گئے۔ عمر بھر کے کلام کا قبر میں لے جانا اس لئے تھا کہ حقیقی بھائی مہدی حسین ماہرؔ کے فروغ میں ان کے کلام کو عوام کیا سنتے اور ان کا کلام بہتر تھا کہ جس کی مدح میں کہا گیا ہے صرف اسی سے داد لی جائے۔ حضرت عقیلؔ کی تصویر بھی میرے البم میں موجود ہے اور جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ (وفات ۲۵/ رجب ۱۳۰۶ھ) وہ اسی امام باڑے میں ہیں۔

انقلاب وقت اور جائداد علمائے خاندان غفران مآب کا حشر

یہ بحث اس لحاظ سے بڑی رنج وصدمہ سے سنی جائے گی کہ جس طرح سلطنت اودھ کا عطیہ مواضعات باقی نہ رہے اور عدالت کے فیصلے میں میراث قرار پائے اور غفران مآبؒ کا کتب خانہ ان کے احفاد (پوتے) میں علم نہ رہا تو کبھی اولاد دختری کے قبضے میں اور کبھی مقدمات کے چلنے پر ورشہ کی رسہ کشی میں رفتہ رفتہ فنا ہوا جس کے اشارے میرے قلم سے ہو چکے ہیں، پہلا مقدمہ انگریزی حکومت کے دور میں عہد سلطان العلماء میں چلا اس کے بعد مولانا سید سبط حسین صاحب قبلہ اور مولوی جفن صاحب مرحوم میں کئی سال تک دائر رہا، اس کے بعد جائداد غفران مآبؒ کے مالک سید دلدار علی عرف منے آغا صاحب رازؔ اجتہادی قرار پائے۔ سابق بیان میں گذرا ان کے بڑے بھائی مولوی سید محمد عرف آغا صاحب تحصیل علم میں عراق میں فوت ہو گئے۔ رازؔ اجتہادی آبائی منصب پر نہ تھے اور وہ خود بھی اس جلیل نسبت کے قابل اپنی ذات نہ سمجھتے تھے۔ ان کے ادبیات میں رازؔ بلگرامی ان کی دستخط تھی۔ اور وہ اپنے ننہیال کی طرف نسبت میں دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ تھیں وہ وجوہات جس سے علمی وقار عام نگاہوں میں اس گھرانے کے بھانجے شمس العلماء مولانا سید ابن حسن

صاحب مجتہد مرحوم کو حاصل ہوا اور وہ جناب اپنی تکمیل علم کے بعد ریاست محمود آباد ضلع سیتاپور کی دینی خدمات اور انتظامات ریاست کے تاحیات اعلیٰ نگراں رہے۔..........اب رہے غفران مآبؒ کے چھوٹے بیٹے علیین مکان کی نسل کے چشم و چراغ ممتاز العلماء فخر المدرسین جنت مآب سید تقی صاحب قبلہ ان کا امام باڑہ اور کتب خانہ بھی اپنے جد کے دوش بدوش شہرت اور خصوصیات کا حامل رہا اور ان کا امام باڑہ مجلسوں کی مقبولیت، عمارت کی بزرگی کے لحاظ سے امام باڑہ آصف الدولہ کے بعد سب سے بڑا امام باڑہ قرار پایا۔ یہ جائداد بھی تیسری پشت میں مقدمہ بازی کی بلا میں گرفتار ہوئی۔ 'جمعیت خدام عزا' کے نشریہ تذکرۃ المتقین میں ماسٹر سید آفتاب حسین کاظمی سہارنپوری نے بڑی تشریح کے ساتھ میرے والد مرحوم کے حالات پر قلم اٹھایا ہے اور جناب کو پوری زندگی بحیثیت مدعا علیہ مصائب کا سامنا رہا۔ ان مشکلات کا آغاز کتب خانہ کے داروغہ میر یاد علی کو ان کے عہدے سے ہٹا دینے پر ہوا۔ یاد علی مرحوم اپنے وقت کے میر جعفر بنگال سے کم نہ تھے، ان کی مخالفت میں تخم ریزی اور کچھ خاندانی دشمنوں کی آبیاری کبھی تو جناب ممتاز العلماء کے مقدس نواسے کو مدعی قرار دے کر ہوئی، کبھی ان کے سوتیلے بھائیوں کو برسرِ پیکار کیا۔ کوئی طاقت میرے والد ماجد کو شکست نہ دے سکی اور ہر مقدمہ مصالحت پر ختم ہوا۔ یہاں تک کہ دیرینہ شکست پہ شکست نے گورنمنٹ کو مدعی بنانے کی آخری صورت اختیار کی۔ یہ تمام واقعات اِحیاءُ الآثار میں موجود اور کاظمی صاحب سہارنپوری بڑی جرأت مندی سے قلم اٹھا چکے ہیں جو چھپے ہوئے صفحات آج بھی موجود ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ شیعہ کالج لکھنؤ میں قائم ہونے کی تحریک شروع ہے۔ سر فتح علی خان مرحوم جنرل سکریٹری اور نواب مولوی سید مہدی حسن صاحب جوائنٹ سکریٹری اور ڈسٹرکٹ جج کے عہدے پر عبدالغنی پنجابی برسرِ حکومت ہیں۔ چند قانونی نقائص میں یہ دعویٰ اس سے پہلے ڈسمس ہو چکا تھا، اس مرتبہ دفعہ نمبر ۹۲۰ کا سہارا لے کر پوری طاقت سے حملہ ہوا اور ماہ رمضان کے مقدس مہینے میں والد مرحوم کے بیانات ان کی شہادت پر جرح اور ماحول کے سازگار ہونے پر دشمن کامیاب ہوئے اور

مختصر یہ ہے کہ جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں اپیل بھی ایسے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میں رد ہوئی جس کا کبھی تصور نہ تھا اور شہنشاہ حسین وکیل نے امام باڑہ ممتاز العلماء کے وقف عام ہونے پر وہ مضحکہ خیز ثبوت دیئے اور عدالت کو سمجھانے میں وہ کامیابی حاصل کی جس پر پورا شہر کف افسوس مل رہا تھا۔ نتیجہ میں عدالت عالیہ سے ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔ اللہ کی قدرت تھی نہ تو شہادت میں والد مرحوم کے اختلاف بیان سے کوئی معقول ثبوت ہاتھ آیا نہ موصوف نے جو حسابات پیش کئے تھے اس میں کوئی خامی دکھائی جا سکی ورنہ حساب فہمی آخری حملہ ہو سکتا تھا۔ اس طویل مدت میں صرف قوم ہی نہیں بلکہ دعوے دار اپنے کردار اور دھاندلی پر پشیمان ہوئے۔ مرحوم کی شخصیت سے وہ ہمہ گیر محبت ہر شخص کو پیدا ہوئی جو عدالت کے نئے انتظام میں، نہ تو مجلسیں کر سکیں نہ دیگر خدمات۔ وقف ہوتے رہے قوم نے پوری طاقت سے ان شہرہ آفاق مجلسوں کو اپنے انتظام سے شہر کے بہت بڑے شاہی مکان میں منتقل کیا۔ اور مجلسیں انجمن اصلاح المومنین نے قائم کر کے اپنے ہاتھ میں لیں۔ ادھر میرے والد ماجد یعنی مولانا محمد تقی صاحب قبلہ نے پری کونسل لندن میں اپیل کی اور اس دھاندلی کا شہر کے ممتاز ترین مشیر قانونی باس دیولال ایڈوکیٹ نے وجوہات اپیل لکھے۔ مقدمہ دائر ہوا۔ مسل مقدمہ چھپنے کے لئے لندن عدالت میں تیار ہونا شروع ہوئی، اس عرصے میں تین برس گزرے، کمیٹی وقف نہ مجلسیں کر سکی، نہ کارکنان وقف کو قوم کی ہمدردی حاصل ہوئی۔ میں آزادی کے ساتھ لکھنے پر تیار ہوں کہ مخالف جماعت صرف بغاوت میں دیہاتی داروغہ کے غم وغصہ کا شکار ہوئی۔ اس کو نہ ہم سے دیرینہ مخالفت تھی نہ وہ کینہ پرور تھا۔ اس طبقے میں صحیح قومی خدمت کرنے والے بھی تھے۔ جو اپنے کردار پر پشیمانی اور بات نبھا رہے تھے۔ والد مرحوم نے اس موقع پر پہلا محرم لکھنؤ چھوڑ کر ریاست گوالیار میں کیا، دوسرا محرم ان کو بمبئی میں ہوا، تیسرا محرم ان کی زندگی کا آخری سال تھا ، اس برس بقر عید کی تیئیس کو مجھے سخت ترین بخار آیا جو تیرہ دن تک نہ اترا۔ والد مرحوم میری تیمارداری میں مصروف ہوئے۔ یہ بھی واضح کر دوں کہ میرے بڑے بھائی اس مقدمے کے خلاف فیصل

ہونے پر عراق چلے گئے۔اوراپنی تکمیل میں نجف اشرف کی مقدس زمین پر مصروف ہیں۔اس عالم تنہائی میں جناب والا مرحوم تیسری بار لکھنؤ کہاں چھوڑ سکتے تھے۔محرم کا چاند قریب ہوتے ہوئے ان کے راحت وآرام نے ساتھ چھوڑا، چاندرات سے پہلے معمولی بخار آیا مگر میری تیمارداری میں کوئی کمی نہیں کی، دفعتاً بخار تیز ہوا شب کو اپنی خواب گاہ کا وہ دروازہ جو امام باڑہ کی طرف تھا حسینیؑ بارگاہ کی آخری زیارت کی، دروازے عزاخانے کے بند تھے، آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ احتجاج میں مجلسیں دوسری جگہ منتقل ہو چکی ہیں۔صحن امام باڑہ کو سنسان دیکھ کر بے ساختہ زمین پر گرے اوراس صدمے سے جسم ٹھنڈا ہوا، سخت حملہ تھا کہ پانچویں محرم روز وفات تک پھر جسم میں حرارت پیدا نہ ہوئی)(ا) یونانی اور ڈاکٹری ماہر معالج تدارک میں کامیاب نہ ہوئے۔ چوتھی محرم گزر کر پانچواں دن شروع ہونے سے پہلے ہمیشہ کے لئے دنیا چھوڑ دی اوراسی شب مرا بخار بھی تیرہ دن کے بعد اترا۔صبح سے پہلے شہر میں انتقال کی خبر گشت کر چکی تھی، امام باڑہ غفران مآبؒ میں دفن کی وصیت تھی تاکہ اپنے امام باڑہ کو ترک کرنے میں قانونی سقم پیدا نہ ہو۔ناظرین آپ کو قوم کی ہمدردی کا حال معلوم ہو چکا ہے میرا جو حال ہے وہ بھی واضح ہے، جنازہ کے ساتھ زیادہ چل نہیں سکتا، آخری شب کی خدمت چچا جان مرحوم ومغفور نے پورے انہماک سے انجام دی۔آشفتہؔ صاحب مرحوم اور دیگر اہل خاندان کا تعاون قابل ذکر ہے، مجھ کو وفات کے وقت بھی دوسرے مکان میں پہنچنے پر مجبور کیا بلکہ دیدارآخر بھی میں نہ کر سکا۔آخری تعمیل حکم اپنے بزرگوں کی مجھ سے یہ ہوئی کہ نماز جنازہ کے بعد مجھ کو اس خطرے میں کہ کمزور بہت ہوں شریک دفن بھی ہونے نہ دیا۔

اہم ترین مشکل

قدرت کا یہ عظیم احسان تھا کہ ایسے سخت وقت میں عقل سالم رہی اور ایک بڑی سیاسی غلطی سے خدا نے بچایا اور وہ یہ ہے کہ مقدمہ وقف کا بانی طبقہ اپنے کردار سے اتنا شرمندہ تھا کہ نہ تو اس کو مشایعت جنازہ میں آنے کی ہمت ہوئی، نہ فاتحۂ سوم وچہلم میں تعزیت مناسب ہوئی۔اس طبقے

کے روح رواں نواب مرتضیٰ حسین خان ٹرسٹی وقف حسین آباد مبارک نے غسل خانہ کی پتلی گلی میں میری فینس (پالکی) روک کر تعزیت کی اور رومال میں ایک معقول رقم پیش کی۔ خود والد ماجد کا مقولہ تھا کہ انسان کی آنکھ سے آنسو اسی وقت نکلتا ہے جب وہ صحیح ہمدردی کرے۔ میں نے اس اچانک تعاون کو جناب مرحوم کی مظلومیت کا عملی ثبوت اور ان کی حقیقت کی فتح قرار دے کر قبول کیا۔ وہ راستے ہی سے گھر واپس ہوئے اور مجھے نہیں اندازہ کہ یہ اطلاع قوم کے کان تک کس نے پہنچائی، سوم کی مجلس مولانا لقا علی صاحب حیدری کی پیش خوانی اور چچا جان کی قیامت خیز خطابت پر ختم ہوئی اور اسی ہفتے میں میرے لئے زندگی کی پہلی بدنامی کا سامنا ہوا، عزیز واقارب و دوست ہر شخص کو شکوہ تھا کہ میں نے باپ کے مخالفوں سے امداد حاصل کی، یہ شکوہ میری نگاہ میں ایک ناپائدار الزام اور واقعات سے بے خبر ہونے کا نتیجہ تھا اور مجھے قوی امید تھی کہ میرے ذمہ دار مشورہ دینے والے اس الزام کو واپس لے کر میری فراست پر داد دیں گے، چنانچہ اسی ہجوم مخالفت میں مجھے انجمن اصلاح المومنین کی منعقد کردہ مجلس فاتحہ خوانی میں شرکت کی نوبت نہیں آئی جو یقیناً میرا دوسرا گناہ ہوتا، لیکن شہر اور بیرونجات کے پیغامات تعزیت اور امور خانہ انجام دینے والا میرے سوا کوئی نہ تھا، اس لئے مجھے بھرپور امید تھی کہ میرے دوست اپنے الزام کو واپس لے کر عقل کا ثبوت دیں گے۔ پہلا سبق تو یہ تھا کہ اس تعزیت کی رقم کو حاصل کرنے سے مخالف کی پشیمانی باقی رہی اور فی الحقیقت جو ہدیہ اس کا دل سے تھا، اس کو رد کرنے (کرنا)، مخالفت کو بڑھانا دانشمندی نہ تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام دعائے توبہ میں خجالت اور ندامت کو توبہ کے مرادف قرار دیتے ہیں۔ اس لئے اس موقع کو ہاتھ سے دینا برا تھا، دوسرے بھائی صاحب قبلہ کے عراق سے واپس ہونے پر والد ماجد کی موروثی جگہ پر تقرر انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو ہمدردی میں آج پہلی مرتبہ مجھ سے ملے ہیں۔ حسین آباد ٹرسٹ میں والد کی قائم مقامی پر اولاد کا انتخاب اس وقت کی ہمدردی کا ایک حصہ ہے جو آج خدا نے میرے ہاتھ سے قائم کیا۔ چنانچہ میری جماعت کے سربراہ انسان محمد ممتاز حسین عثمانی ایڈیٹر اودھ پنچ اور

دوسرے صاحبان اثر نے قبول کیا اور خدا کی حمد ہے کہ میں اس عہدے پر انہیں ٹرسٹی نواب مرتضیٰ حسین خان آفریدی مجسٹریٹ ومتولی دوم وقف کی تجویز پر (میں) بلا اختلاف کامیاب ہوا، اگرچہ والد مرحوم نے اس عہدے کے لئے مجھے نامزد کیا تھا مگر بھائی صاحب کے عراق سے آنے پر خدمات ان کو تفویض کر دیئے اور آخر تک وہ عہدے پر باقی رہے اور عراق سے واپس ہونے ہی کے بعد وقف کی کمیٹی میں ممبر قرار پائے، اب پریوی کونسل کی اپیل کرنے والا کون تھا اور شخصی حکومت کو کمیٹی توڑ کر کون لائے گا، انتظام کون کر سکتا تھا، مگر اب بھی وقف کے خلاف جو عنصر قائم ہو گیا تھا وہ باقی رہا۔

میری دوسری مشکل

یہ مصیبت پہلی سختی سے بھی زیادہ تباہ کن تھی کہ جناب عمو معظم مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد اور واقف کی اولاد میں عالم کمیٹی کی تشکیل کو میری نظر سے دیکھتے ہوئے مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ تمہاری طرف سے اب استحقاق حق کا دعویٰ ہو اور میں اپنے حقوق عالمیت تم کو سپرد کر دوں۔ میں نے بے شک والد ماجد کے بعد جو کچھ پڑھا وہ موصوف سے پڑھا اور مدرسۃ الواعظین کی 'الواعظ' میں ادارت ورابطہ تھا کہ اس درس گاہ کی عمارت میں رہ کر علمی فیوض حاصل کرنے میں سلسلہ قطع نہ ہو کر قدرت نے ان کی قیام گاہ کو سخت بارش میں چھوڑنے پر مجبور کیا اور میرے کرائے کے مکان سے متصل وہ تشریف لائے اور صبح وفات تک حاضر خدمت رہا، اور ان کے آخری کاغذات کی حفاظت کی۔ ان شفقتوں میں میری جرأت نہ تھی کہ نہیں کروں لیکن خدمت عالی میں عرض کیا، آپ کو خوب علم ہے کہ والد صاحب نے جو نقد روپیہ دادا صاحب کی میراث میں آیا تھا وہ اور ان کی تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ مقدمات وقف کی پیروی میں ختم ہوئی، جو دو مکان والد صاحب نے چھوڑے ہیں وہ رہن شدہ قرض کے بار سے عنقریب قبضے سے نکل رہے ہیں اور سکونتی مکان کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اب مقدمے کی پیروی کس سرمایہ سے ہوگی، بیشک اس وقت

ہماری حقیقت کا زمانہ نے اعتراف کرلیا ہے۔اور دور استبداد ختم ہوگیا، جو تخریب کرنے والے تھے وہ اپنی غلط فہمی پر نادم اور دنیا ہمارے ساتھ ہوگئی، مگر اس حق کے عدالت سے طلب کرنے میں ہم علمی خدمات سے رک جائیں گے اور ذات کے فروغ میں یہ چندروزہ دنیا گزر کر مقصد تبلیغ ختم ہوجائے گا اور سارا وقت قوم کے سامنے چندہ کے لئے ہاتھ پھیلانے میں گزرے گا۔ یہ ذلت میرے بس کی بات نہیں اور موجودہ حلقہ اثر میں کوئی ایسا نہیں جو مقدمہ کے اخراجات برداشت کرے۔ والد ماجد نے اپنی جان و مال وقف کی حفاظت میں صرف کر کے خدا کے یہاں جو درجہ پایا وہ امکانات اب میرے سامنے نہیں ہیں مجھے اس مصروفیت سے باز رکھئے۔ جناب نے میری معذوری تسلیم کی اور آخری وقت تک اپنی شفقت کو باقی رکھا۔ ان کی بھی وصیت تھی کہ احتجاج میں امام باڑہ میں دفن نہ ہوں۔ میں نے پیش آنے والے ان حالات کو یاد دلا کر جو والد ماجد کی قبر امام باڑہ غفران مآبؒ میں بنوانے پر پیش آئے، اور ان کی قبر شریف زمین امام باڑہ سے دور ہونے پر منہدم ہو کر بارش کے سیلاب میں بے نشان ہوئی، اس لئے میری تجویز یہ ہوئی کہ جناب چچا صاحب مرحوم خود اپنی اس آراضی پر دفن ہوں جو مسجد باغ کے صحن سے متصل اور امام باڑہ کے حدود سے باہر ہے میری ذات اس وقت اس درجہ پر تھی کہ محترمہ چچی صاحبہ اور مرحوم کے نصیر آبادی اولاد کم سن تھے۔ میری تجویز باتفاق آراء منظور ہوئی اور پھر جناب کے خیالات کے تحفظ میں چچی صاحبہ بھی اسی زمین پر دفن ہوئیں۔

اطلاع

غفران مآبؒ کی شخصیت پر میرے ابتدائی دور میں ''معراج العقول'' کے عربی دان مصنف نے بار بار علمی شبہات پیش کر کے ان کی رد کی ہے جو'' دعائے مشلول'' کی بلند پایہ شرح ہے۔ اس کو راجہ ابوجعفر مرحوم تعلقہ دار پیر پور نے آرٹ پیپر پر شائع کی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بڑی ہستیوں پر انسان قلم اٹھا کر شہرت چاہتا ہے یا کبھی کسی کو ان کی تحقیق سے صدمہ پہنچنے پر انتقام لیتا ہے۔ شارح

دعائے مذکور کی بالکل یہی حیثیت تھی۔ علمی حلقوں میں اس اقدام سے بےچینی پھیلی اور خود چچا جان مرحوم ومغفور نے قلم اٹھایا اور بھائی صاحب مرحوم کی طالب علمی تھی۔ ان کی طرف سے دندان شکن جوابات دیئے اور یہ علماء کا دستور ہے کہ جب وہ مخاطب کو اپنے برابر والا نہیں سمجھتے تو اپنے کسی شاگرد یا بیٹے بھتیجے کی طرف سے کتاب لکھتے ہیں۔ اعتراضات فلسفہ اور منطق کے پیرائے میں تھے تو جناب نے ویسے ہی لب ولہجہ میں جوابات دیئے۔ افسوس ہے کہ اس وقت مولانا سید کاظم حسین صاحب انتقال کر چکے ورنہ وہ فلسفہ وحکمت کے آخری ماہر خاندان میں گزرے ہیں، اس وقت کے دیگر اہل علم میں چچا صاحب قبلہ کی صحبت کے اہل علم اس کتاب کو سنتے اور داد دیتے۔ مرزا محمد حیدر صاحب مرحوم جو مولوی شاہ محمد مرزا صاحب منطقی کے چشم و چراغ تھے، اصل مسودہ کو سنتے اور جواب کے ٹھوس ہونے پر تڑپ جاتے، عم محترم کی تصانیف میں یہ عربی لٹریچر بڑا باوقعت ہے مگر زمانہ کی بے توجہی میں ان کی کوئی تصنیف زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ صرف عملیہ چھپا جو مدرسۃ الواعظین کے دفتر سے نشر ہوا تھا۔

نتیجہ کلام

جب عنان قلم یہاں تک پہنچی تو یہ شبہ قوت رکھتا ہے کہ یادعلی داروغہ کو والد ماجد نے جوش شباب میں ہٹا کر ساری عمر کی تباہی برداشت کی، یہ رویہ ان کا کیا صحیح نہ تھا؟ نہیں نہیں ان کا فعل بڑا حکیمانہ اور گربہ کشتن روز اول (پہلے دن بلی کو مارنا) کی حد میں تھا۔ اس بغاوت میں جو کچھ نقصانات ہوئے، وہ ان کے ذاتی جان و مال سے تعلق رکھتے تھے جس شخص کا اپنی سرکار سے یہ باغیانہ رویہ ہو، اس کے اقدام سے ڈر جانا اور اس کو عہدے پر باقی رکھنا، قوی اندیشہ تھا کہ وہ وقف کے ہر جز کو اپنی ذاتی رائے میں غلط استعمال کرے اور یہ خود غرضی اس کے بقا کو واقفین کے شرائط کو بدل دے، اس لئے ان کی قربانی بالکل صحیح تھی، اور وقف کو ان کے غلط اقدام سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

ملحوظ خاطر رہے کہ جائداد منقولہ کے علاوہ جو دو مکان والد ماجد کے وقف پر قربان ہوئے ہیں،

ان میں وہ سہ منزلہ مکان جس میں موصوف کے تاحیات کتب خانہ اور مسجد و امام باڑہ کے فروش بلا کرایہ رہے، اس کے کمرے وکوٹھریاں علاوہ صحن کے چودہ مقامات جو قرض خواہ کے فروخت کرنے پر میری ہجرت کے وقت موجود تھا، اس مکان میں صوبہ بہار کے انگریزی اور اردو داں طلبہ بھی بلا کرایہ رہا کرتے تھے۔ دوسرا رہائشی مکان اس کے دالان کمرے وکوٹھریاں جو بیس ٹھکانے تھے جہاں ہم دونوں بھائی پرورش پا کر بڑے ہوئے۔ اور والد مرحوم کا اسی مکان کے مغربی کمرے سے امام باڑہ کو بند دیکھ کر مرض موت شروع ہوا اور عربی شیعہ کالج کے مدرس اعلیٰ مفتیٔ اعظم مولانا محمد علی صاحب مرحوم خلف اکبر مفتی میر عباس صاحب مجتہد مرحوم نے اپنے قطع تاریخ میں ان کو مظلوم کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

دردا کہ رفتہ سوئے جناں کشتہ محن
ظلم اعدا کار او کردہ تمام
پس شہید رنج وغم او را بگو
شد برائے تیر ہائے غم ہدف
آہ و واویلا و واویلا بگو﴿۱۰﴾

جنابِ ظفرؔ صاحب لکھنوی ؎

جان لی ہاں غم نے ان کی آج آہ

(ماہنامہ الواعظ لکھنؤ اگست ۱۹۴۶ء)

حق کا بول بالا

واقعات کو طول دینے کے بجائے یہ لکھ کر ختم کرتا ہوں کہ بھائی صاحب مرحوم تاحیات کمیٹی وقف کے ممبر رہے۔ میرے لکھنؤ چھوڑنے اور ان کی رحلت کے بعد ان کی اولاد کا وقف سے تعلق ہوا۔ اور اب عصر حاضر میں جب کہ میں حیات کے آخری دور سے گزر رہا ہوں وقف مذکورہ کی اس

تشکیل نے اس نئی کمیٹی تک پہنچایا جس نے، جب قاتل رہا نہ مقتول

یا (ع) قدح بشکست وساقی نماند

(دیگ ٹوٹ گئی اور شراب نہیں رہی)

وقف کو وقف خاص تسلیم کیا اور انتظامات وقف بورڈ کے تحت میں ہیں، امام باڑہ اللہ کے فضل و کرم سے موجود مگر وہاں کے ملکی حالات سے جلوس عزا بند ہیں۔ کتب خانہ اپنی ذاتی عمارت میں موجود ہے۔ اور اس اعتراف میں مجھے کوئی عذر نہیں کہ اگر خان بہادر نواب سید مہدی حسن زندہ رہتے تو بلدیہ کی وہ اسکیم پوری ہوتی کہ مسجد تحسین اور امام باڑہ کے درمیان پارک بن کر خانہ خدا اور عزاخانہ ایک سطح زمین پر آجاتا اور نویں محرم کا وہ عظیم الشان مجمع زیادہ سے زمین پر بیٹھ کر شان مذہب باقی رکھتا، کتب خانہ غفران مآبؒ تو باقی نہ رہا، امام باڑہ کی مقدس زمینوں میں تغیر وتبدل ہوئے، مگر ممتاز العلماء کی جائداد اور وقف اپنی مسجدوں اور امام باڑوں کے ساتھ اور وقفی مکانات کو شامل کرتے ہوئے مع پرامیسری نوٹ اب بھی موجود ہیں اور خدام وقف انتظام کرتے ہیں۔ میری دلی تمنا جو تھی وہ یہ ہے کہ مقبرہ حکیم محمد علی مرحوم میں شامل ہوتا تو لطف تھا۔ اس عمارت کا شیعہ قوم کے قبضے میں آنا اور زمین کو غیر کے تسلط سے محفوظ رکھنا ایمانی فرض ہے۔

امامباڑہ میں موجودہ قبریں

گیا ہوا وقت ہاتھ آتا نہیں مگر ماضی کی یاد انسان کا اخلاقی فرض ہے۔ اگرچہ وہ محسوسات میں نہیں ہے لیکن اگر ہم کسی شہر میں پہنچ جاتے ہیں تو افتادہ زمین دیکھ کر دل کہتا ہے: یہاں دوست کا خیمہ تھا، ادھر اس کے دوستوں کی سواریاں تھیں، سربلند ناقہ کی عماری اور (یہاں) سواری کا گھوڑا بندھا تھا، اب کچھ نہیں، خاک اڑتی ہے مگر دل اس حسین منظر کو نہیں بھولتا اور خوشی سے دل باغ باغ ہے اور اگر کسی قبرستان میں پہنچ گئے تو ابھرتے ہوئے جذبات نے غم والم کی کروٹ لی ؎

ایک دن گور غریباں میں ہوا میرا گذر
دل کے داغ ابھرے ہوئے دیکھے بساط خاک پر

میں نے غلط عرض کیا، یہ گلستان نہیں ہے یہ تو امام باڑہ غفران مآبؒ لکھنؤ کا مقبول عزاخانہ ہے اور یہ قبریں زیادہ تر توان کے خاندان کی ہیں یا وہ لوگ یہاں دفن ہیں جو اپنے مرنے والوں کو مظلوم کربلا کی بارگاہ میں سپرد خاک کر کے ان کو عاقبت میں مدد پہنچانا چاہتے ہیں۔ گوشہ قبر میں عام سونے والوں کو عراق کے زیارت پڑھانے والے 'اسیران خاک' کہتے ہیں اور مجھ سے آثار قدیمہ کے ماہر چاہتے ہیں خاندان کی تاریخ زندہ رہے اور میں اپنی یادوں کی مدد سے دنیا کو بتاؤں، عزاخانے میں کون کون دفن ہے؟ ظاہر ہے میری سفری زندگی ہی تھی، ہمیشہ وطن میں نہیں رہا، کم از کم اس کی نشان دہی کر سکتا ہوں جو میرے سامنے دفن ہوئے یا وہ مشہور ہستیاں جن کی قبروں پر پتھر باقی ہیں، ان کو سپرد قرطاس کرو تو تم خود مصنف بن جاؤ گے اور اگر تمہاری صلاحیت بڑھی تو جو مشہور صاحبان کمال ہیں ان کا نام ''نجوم السماء'' کتاب میں ڈھونڈو اور اگر فارسی نہیں سمجھ سکتے تو ''تاریخ العلماء'' اردو میں تلاش کریں، بھارتی میرے وقف کردہ کتب خانے مدرسۃ الواعظین لکھنؤ جائیں اور کراچی کے ادیب میرے غریب خانے پر تشریف لائیں، تاریخ العلماء کا ایک نسخہ خوش قسمتی سے رجب علی کی وقف کردہ کتابوں میں یہاں بھی موجود ہے۔

امامباڑے غفران مآبؒ زیر ضریح مبارک اور بیچ کا دالان، منبر والے درجے اور باہر کے دالان میں جو حضرات دفن ہیں، ان کے بعد ایک مختصر چبوترے پر وقف خاص کی زمین ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا نشان باقی ہے، مگر زمین ایک سطح پر ناہموار صورت میں ضریح مبارک کی طرف رخ کر کے ادب سے پیچھے ہٹتے چلے جاؤ تو زمین بلند ہوتی جائے گی اس زمین پر:

نمبر ۱۔ سید مجاور حسین تمنّاؔ کی قبر ہے۔ میرے زمانے کے بہت بڑے ادیب اور خاص اولاد، انجمن گلستۂ جناں کے بانی، لکھنؤ کے آخری فرقہ وارانہ فساد میں شریک تھے۔ تاحیات دینی وقومی

خدمتیں کرتے رہے۔ جاویدؔ کے شاگرد رشید اور برادر نسبتی، امی شاعر چھنگا صاحب حسینؔ کے چھوٹے بھائی تھے، عظیم ذخیرہ کا غذات کا چھوڑا اور چاہتے تھے کہ ان کی موت کے بعد لاولد ہونے سے یہ اخبارات میرے پاس محفوظ رہیں مگر شبیر حسین دلؔ نے ان پر شاگرد کی حیثیت سے قبضہ کیا اور ردّی میں ایک آنہ سیر میں فروخت ہو گئے۔ نوحے کی بیاضیں لکھنؤ اور حیدرآباد دکن کی چھپی ہوئی پرانے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اگر مجھے دوبارہ بصارت خدا دیتا تو مکمل حال لکھ سکتا تھا۔ تنہائی میں ان کو موت آئی اور برادر حضرت عمدۃ العلماء مرحوم نے اپنی خاندان پروری سے جو نگراں مقرر کیا تھا، وہ غیر حاضر تھا، اکیلے دنیا سے گذرے اور غسل وکفن کے بعد امامباڑہ میں وقف خاص سے ذراہٹ کر دفن ہوئے۔ ان کے سپرد خاک ہونے پر آسمان سے بارش ہوئی اور خوب پانی برسا۔ یہ وہ غیبی برکت ہے جس کا اسلامی سیرت نگاروں نے اگر کسی کو یہ شرف حاصل ہوا تو اس کے حالات زندگی میں فخر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مقام دفن کا پتہ یوں مل سکتا ہے کہ آپ منبر کی طرف رخ کر کے صحن میں پہلے در کے سامنے بیٹھیں اور وقف عام کی زمین شروع ہو، یہ مزار بھی زیر سقف ہونا چاہئے تھا اور وہ وقف خاص کے حقدار تھے۔ تمناؔ کا ایک شعر جو ۱۳۲۶ھ کا کہا ہوا ہے، ان کے فکر کی بلندی کو دیکھو ؎

عقد قاسمؑ شہ نے اس (سے) وقت آخر کر دیا
خوف یہ تھا بھائی کی کوئی وصیّت رہ نہ جائے

نمبر ۲۔ سید محمد تقی ابن سید محمد اصغر خویش مولوی سید ابوذر صاحب ـــــ فرقہ وارانہ فساد میں خاندان اجتہاد کی یہ وہ عظیم قربانی ہے کہ اگر میں قبر پرست ہوتا اس شہید راہ خدا کو امامباڑے ممتاز العلماء میں برمحل جگہ دیتا میں لکھنؤ میں قبر کا مجاور بن کر تا زندگی مقیم رہتا اور میاں انوار کا باغ بنا دیتا۔ آپ نویں ربیع الاول کو فسادات اور کرفیو کی موجودگی میں اپنے دوست سید محمد شفیع عطارؔ کی مزاج پرسی کو چلے، سر کٹے نالے پر دشمن نے گھیرا بچہ آپ کی گود میں تھا جس کو زمین پر اتار کر مقابلہ کیا

اور شہید ہو گئے وہ ذاکر حسین بھی تھے، میر محمد شاہ صاحب مرحوم کے خلف اکبر سید صاحب مرحوم سے تلمذ تھا۔ اپنے امامباڑے میں ان کو سنا۔ نخاس کے وقفی مکان میں قیام اور بگی گنج کے چوراہے پر آٹا دال کی دکان تھی، خدمت خلق کے خوگر تھے۔ تمناؔ مرحوم کے قریب ان کو بھی صحن عزاخانہ میں سپرد خاک کیا۔

نمبر ۳۔ حضرت جاوید — مرقومہ بالا دو قبروں کو اگر ہم سامنے رکھ کر کیننگ اسٹریٹ کی طرف پشت اور عمارت کے صدر دروازے کی طرف رخ کر کے نگاہ کرتے ہیں یعنی وکٹوریہ اسٹریٹ کی طرف چہرہ ہو) تو حضرت جاویدؔ کی قبر نظر آئے گی یعنی جب ہم دروازے سے گذر کر صحن امامباڑہ میں قدم رکھتے تو دروازے سے ملی ہوئی پہلی قبر مزار حضرت جاویدؔ ہے۔ ان کو بندہ کاظم کہنا نجابت سے جنگ اور جہالت ہے۔ وہ غفران مآبؒ کے عالی نسب پر پوتے تھے۔ ان کو غفران مآبؒ کے قرب میں دفن ہونا چاہئے تھا، مگر جس کی مٹی جہاں کی ہوتی ہے، وہ وہاں جگہ پاتا ہے۔ جاویدؔ پر تاریخ لکھنؤ میں کیا لکھا ہے اس کو آپ خود اپنی آنکھ سے دیکھیں۔ میں نے دیوان جاویدؔ پر جو کچھ لکھ چکا ہوں وہ ادارے کی جدید پیشکش اطلاعات و تاثرات میں ملاحظہ کیجئے اور نئی بات یہ عرض کرتا ہوں کہ موجودہ دیوان جاویدؔ کے ایڈیشن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے دو دیوان گم ہو گئے تھے۔ مجھے فخر حاصل ہے کہ والد ماجد مرحوم کی نوجوانی کا فوٹو مشکور الدولہ کی عکاسی میں جناب فرماتے تھے کہ دیوان جاویدؔ میرے ہاتھ میں ہے۔

نمبر ۴۔ عُلیا مکرمہ جدۂ ماجدہ نام نامی بدر النساء — میری دادی کی بلند و بالا ذات تھی جو جناب غفران مآبؒ کی پوتی اور براہ راست دو پشتوں کے فاصلے سے غفران مآبؒ تک ان کا نسب پہنچتا ہے، خاندان اجتہاد کے بیشتر مرد و عورت ان کے شاگرد تھے، مجھ کو بھی ان کی شاگردی و تعلیم و تربیت کا مکمل شرف حاصل ہے۔ وہ جناب سید العلماء کی شاگرد تھیں اور اس لحاظ سے غفران مآبؒ تک میرا سلسلہ شاگردی دو واسطوں سے پہنچتا ہے، وقف کے انقلاب میں ہم مجبور ہوئے تھے کہ دادی جان کو

اپنے امامباڑے مین دفن نہ کریں، لیکن یہ تاریخی سب سے بڑا حادثہ ہے کہ جناب مرحومہ کوبھی صحیح جگہ یہاں نہ ملی۔ اب وہ اراضی امامباڑہ کے شرقی حجرے میں صحن کی طرف سپرد خاک ہوئیں جو کیننگ اسٹریٹ سے متصل ہے۔ یہ رنج وملال دل ودماغ سے جاتا رہتا ہے جب خود امام حسن کی قبر اس دور ظلم میں اپنے محل پر بن نہ سکی اور رسولؐ کی بیٹی جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئیں۔

ناظرین اجازت دیں، ہم اندرون امامباڑہ پر کچھ نہیں کہہ سکے تھے جس کا بار آپ پر چھوڑا تھا، لیکن اب یہ عرض کرنا ہے کہ خطیب اہل بیت شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ خاص اس صحنچی میں دفن ہیں جہاں غفران مآب آرام کرتے ہیں اور یہ دفن اس لئے ہوا کہ وہ بہ حیثیت داماد امامباڑے میں جگہ پاسکے، اسی طرح اس صحنچی محاذ میں یعنی منبر کے پشت والی صحنچی جو ہمیشہ بند رہی، ملک کے سب سے بڑے سیاستداں جن پر غداری کا الزام نہ تھا خان بہادر نواب سید مہدی حسن مرحوم ومغفور جہاں دفن ہیں اس کا جواز اولاد ممتاز العلماء کی ایک بیوہ خاتون کے ساتھ عقد ثانی تھا اور وہ بحیثیت داماد جگہ پاسکے۔

نمبر ۵۔ عقب منبر کی صحنچی میں اولاد غفران مآبؒ کے سب سے بڑے عالم مولانا سید محمد حسین عرف علّن صاحب قبلہ مرحوم متوفی (۱۳۲۵ھ) دفن ہیں۔ یہ واقعہ میری طفولیت (بچپنے) کا ہے مگر اس وقت بھی یہ صلاحیت پیدا ہوچکی تھی کہ جناب کی فاتحہ خوانی میں شریک ہونے والے محلے کے مجھ سے بڑے لڑکے شریک ہوئے تو مولانا مرزا رضا علی صاحب قبلہ خطیب عصر کا یہ نکتہ مجھے بھی اچھا معلوم ہوا کہ خطابت میں حالات زندگی پیش کرتے ہوئے قبر غفران مآب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''ان سے ابتدا ہوئی اور ان پر خاتمہ ہوا۔'' دوسرا اشارہ پشت منبر کی طرف تھا اور مراد یہ تھی کہ اب ایسا بلند پایہ کوئی نہیں۔ جناب مرحوم کو صحیح معنوں میں لوگ بحر العلوم کہتے تھے۔ خودستائی ہوگی اگر میں یہ لکھوں کہ والد مرحوم نے میری تعلیم میں جناب کا اسلوب جاری رکھا اور ناظرین کو حساب کر کے مجھ پر نکتہ چینی کا حق ہے کہ جناب میر آغا صاحب قبلہ جن کا ۱۳۲۳ھ میں انتقال ہوا؛ چراغ

ہندگل؛ ان کا سال وفات ہے، ان کی صورت تو آنکھوں میں پھرتی ہے۔ اور ان کے دسترخوان پر کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوا اور ان کے کئی سال بعد مرنے والے بحر العلوم کی صورت یاد نہیں جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہمسایہ ہونے کا ہم کو شرف حاصل تھا اور بحر العلوم کا شریعت کدہ جوہری محلہ دوسرے علاقے میں تھا۔ شکر خدا ہے کہ یہ خادم دین ایک واسطے سے ان کا بھی شاگرد ہے۔ بحر العلوم فلسفہ وحکمت ومعقولات میں یقیناً ممتاز انسان تھے۔

نمبر ۶۔ خان بہادر نواب سید مہدی حسن — جن کا ذکر آچکا ہے وہ بھی اسی صحنچی میں دفن ہیں۔ ان کی عظیم شخصیت پر تاریخ لکھنؤ گواہ ہے اور میرے بعض اساتذہ کا مقولہ اب معلوم ہوا کہ وہ کہتے تھے کہ اے اللہ میری عمر بھی خان بہادر کو مل جائے۔ ان سے بڑھ کے کوئی قومی رہنما نہیں ہے۔ مرحوم نے ۱۳۷۴ھ میں دنیا چھوڑی۔ سید سرفراز حسین خبیر مدّاح اہلبیت نے ان کی تاریخ کہی تھی ؎

خلد مسکن مولوی مہدی حسن بحر کمال

۱۳۷۴ھ

موصوف کی قبر بھی اسی صحنچی میں ہے۔

نمبر ۷۔ اسی جگہ حضرت شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ مجتہد العصر بھی سپرد خاک ہیں جن کی مقدس سیرت پر میرا مستقل مقالہ آپ ریاضی جنتری میں دیکھیں۔ انگریزوں کے دور میں خطاب یافتہ عالم دین ذاکری کے خاتم، تجوید کے استاد، سپاہ گری کے آخری ماہر، لحن داؤد کے مجدد، کاش ان کے حال پر مجھ میں قلم اٹھانے کی اب طاقت ہوتی۔

نمبر ۸۔ ملحوظ خاطر رہے کہ میں صرف ان قبروں پر توجہ کر رہا ہوں جو میرے علم ویقین میں ہیں۔ صحن کے طویل وعریض یا پہلو کے حجروں میں غفران مآب کے بڑے معزز شاگرد مفتی محمد قلی صاحب اور ان کے بیٹے مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب بھی دفن ہیں اور قبروں پر

حضیرہ ہے۔

میرے دور کے فلسفی مولانا سید محمد رضا صاحب مدرس معقولات اور مولوی مرزا عبدالحسین رجال بخاری کے مصنف جن کی کتاب ترجمان حقیقت ہونے سے ضبط ہوئی اور لکھنؤ کے ہر خاندان کے لوگ اماباڑے میں دفن ہیں اور یہ سلسلہ اماباڑے کے ایک شمالی جدید دروازے سے بھرا پڑا ہے جس کے بعد میڈیکل کالج کی زمین شروع ہوتی ہے۔ اماباڑے کی آراضی ختم ہونے پر زمین وقف کا وہ حصہ جو ایک چھوٹے دروازے کے بعد سلطان المدارس کو جاتا ہے جہاں ٹھاکر نواب علی خاں کی قبر ہے۔ اس میت کے دفن ہونے پر قوم میں اظہار بیزاری ہوا، اس لئے کہ وہ کسی سیاسی اور ملکی مصلحت سے عیسائی ہو چکے تھے، ماں ان کی بڑی مومنہ تھیں اور اس تبدیلی مذہب سے خوش نہ تھیں، ان کے پیسے سے سر بلند مقبرہ بنا جس پر قرآن خواں ہیں اور ٹھاکر صاحب کی بچت میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے ابھی بپتسمہ نہیں پایا تھا، اس کے علاوہ غنا پر مَعَارِفُ النَّغمات ان کی یادگار وہ کتاب ہے جو گانے بجانے کا اساس ہے۔ اس کتاب کی تشکیل کے وقت لکھنؤ میں عربی کا ذوق اس حد پر تھا کہ کتاب چھپوانے والے اردو نام نہ رکھ سکے، عربی کا سہارا لیا۔ دوسرا مقبرہ نرہی کے نواب سید انور حسین عرف نواب آغا جانی صاحب مرحوم کا ہے جو اماباڑے کے صحیح حقدار اور حضرت گنج لکھنؤ کے نامور امیر کبیر اور ہندو پاک میں محتاج تعارف نہیں۔ انہیں عالیشان عمارتوں کے پڑوس میں میرے سگے ماموں سید صادق علی صاحب مرحوم دفن ہیں جو وقف خاص میں جگہ پانے کے حقدار اور علامۂ زماں جناب سید بچھن صاحب قبلہ کے داماد، خاندان انیسؔ کے والہ وشیدا اور جاویدؔ کے شاگردوں میں نمایاں تھے۔ صادقؔ مرثیہ گوئی میں بھی ایک درجے پر فائز تھے۔ ان کے سلام، مرثیے حضرت عروجؔ کے بعض نام نہاد شاگرد بہ قیمت خرید کرا اپنے نام سے پڑھتے ہیں شہر میں ان کا وقار اس لئے تھا کہ وہ جناب شمس العلماء ابن حسن صاحب کے ہم زلف تھے، بڑے پر مذاق انسان، ہزل غزل میں بھی بند نہ تھے۔ ان کی کہی ہوئی

ایک ہجو سے چند شعر حاضر ہیں، جو میں چاک کر کے اس لئے ختم کر چکا ہوں جس کی قدح کی ہے اس کا ذکر خیر بزم میں ہونا چاہئے نہ کہ برائی۔ یہ جذبہ لکھنؤ کا ایک تفریحی پہلو تھا، عداوت نہ تھی، کینہ نہ تھا، ملاحظہ ہو

لے کر قلم زمین سخن گوڑ ساقیا
مضموں مزاح کا نہ کوئی چھوڑ ساقیا
نقشہ کھنچے وہ مے کا کہ تصویر بول دے
شکّر کے بدلے جام میں کیچڑ گھنگول دے

اس مسدس کا ایک مصرع بڑے غضب کا اور ملاحظہ ہو۔

ہے طاق دور شیشے کو کیوں کر اتاریئے

دوسرا مصرعہ بڑے غضب کا ہے جس کو نہیں لکھتا۔ مقام ادب ہے۔ ناظرین سورۂ فاتحہ سے لکھنؤ کے ہم عصر مرثیہ گو کو ایصال ثواب پہنچائیں۔

خاندان کے آثار باقیہ

جو عنوان بڑا ضروری ہے اور ایک سیرت نگار کو یہ کہنے کا حق ہے کہ آج غفران مآبؒ کو دنیا سے گئے ہوئے دوسو برس ہونے والے ہیں، مگر ان کی اور ان کی اولاد کی جگہ جگہ نشانیاں اور یادگار موجود ہیں۔ اگر ہم شاگردوں کی بحث اٹھائیں تو بڑا طول ہوگا، اور اگر اس وقت سے آج تک کے خاندانی تصانیف کی فہرست لکھتا ہوں تو ایک ہزار سے زیادہ مختلف علوم وفنون پر کتابیں موجود ہیں۔ کس میں طاقت ہے جو فہرست مرتب کرے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس ذخیرہ میں فہرست کامل تیار ہوسکتی ہے، مگر اب نہ شریک کار ہے اور نہ منشی ہے۔ اس کے لئے بڑے سرمائے کی ضرورت ہے۔ اجتماعی کوشش کی احتیاج تھی، دنیا کی کسی قوم میں اتحاد نہیں۔ کوئی سوسائٹی کسی کام میں ہر ہر فرد میں اتفاق نہیں رکھتی۔ خاندان اجتہاد بھی اقوام عالم کی طرح نہ متحد ہوا، نہ اب سب یکجا

ہو سکتے ہیں۔

آپ کو شوق ہو تو میرے بعد بھی میرے کتب خانے کی فہرستوں سے سب تصانیف کے نام جمع ہو سکتے ہیں۔ عصر حاضر کی موجودہ نسل، خدا اس کو کامیاب اور باقی رکھے اور خاندان کے طلباء جو مشتغل ہیں یا فارغ ہو چکے، وہ اس خدمت کو انجام دیں تو کچھ تعجب نہیں، میرے عزیز ترین فعال علامہ سید محمد حسین نقوی جو اس وقت دنیائے اسلام کی سیاحت میں مصروف ہیں، یہ کام خوب کر سکتے ہیں۔ اس خصوصیت نمبر دو کے بعد یہ بھی تیسری نشانی ہوگی اور آثار باقیہ میں اس کا شمار ہوسکتا ہے کہ کس عالم دین نے کتنی کتابیں چھوڑیں یا خاندانی کتب خانوں میں کتنی قابل فخر و ناز کتب ہیں۔ ریاضی کے آلات اور کرہ استطر لاب وغیرہ وہ عظیم نشانیاں ہیں جن پر توجہ ضروری ہے اور ان کتابوں کو بتانا میرا کام تھا کہ مخطوطات ممتاز العلماء اور میرے ذاتی وقف کردہ کس تعداد میں ہیں، مچھلی کے پیٹ میں جا کر صحیح و سالم نکل آنے والی کتاب لکھنؤ میں ہے، یہ ہمارا قابل فخر ذخیرہ ہے۔

امام باڑہ و مسجد آصف الدولہ اور ٹیلے کی بڑی مسجد

انگریزوں نے ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم کرنے پر جو قدم اٹھایا ان میں سب سے خطرناک اقدام یہ تھا کہ ہمارے مقدس مقامات اور عبادت گاہوں کو قلعہ بنا کر فوجی طاقت قائم کی تھی۔ جنگ آزادی کے وہ چھوٹے چھوٹے حملے جو مختلف مقامات کے مسلمان ان پر کر رہے تھے، ان سب سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ بڑا امامباڑہ اور آصفی مسجد میں ان کی فوجوں کا سواد تھا۔ اور حق کے حمایتی اپنے غیر منظم ہونے سے انگریزوں کی افواج سے کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ ہر مسلمان کے قلب میں صدمہ تھا اور خصوصیت سے وہ طبقہ اس دست درازی کو دیکھ کر مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے جانے کی مصیبت کو آنکھوں کے سامنے لئے ہوئے تھا۔ کسی میں طاقت نہ تھی جوان کو ہٹاتا۔ میرے جدامجد اور غفران مآبؒ کے پروتے شمس العلماء سید محمد ابراہیم مرحوم و مغفور نے اپنے روحانی اقتدار سے فائدہ اٹھایا اور ابھی تک ان کی پُرامن زندگی میں جس خاموشی سے مستقبل پر نظر کی تھی، وہ

جناب کے حکومت سے خط و کتابت میں اس نتیجے تک پہنچا کہ آپ نے فوجیں ہٹائے جانے پر زبردست نامہ و پیام میں کامیابی حاصل کی اور انگریزوں نے تسلیم کرلیا کہ بارگاہ حسینی اور خانۂ خدا میں فوجیں مداخلت فی الدین ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے نام نامی پر حکومت نے جو پہلا حکم صادر کیا تاریخ لکھنؤ میں صرف اس کی طرف اشارہ تھا۔ آخر میں سیاحوں کی کثرت سے آمد پر امام باڑے کا وقار ختم ہونے تک حکومت نے دوسرا حکم صادر کیا۔ اس موقع پر ہم اس حکم امتناعی کی پوری نقل پیش کرتے ہیں اور اصل ہماری لائبریری میں موجود ہے۔ اس حکم نے امام باڑے کی وسیع عمارت سے فوجیں ہٹائیں اور ان مقدس مقامات سے گولہ بارود، گھوڑے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیئے گئے اور ٹیلے کی مسجد بھی واگزار ہوئی۔ یہ جدِ مرحوم کی رواداری تھی کہ ٹیلے کی مسجد کو وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنے فرقے کے قبضے میں نہ لائے اور حسب سابق اپنے مسلمان بھائیوں کے سپرد کردی۔ وہاں کا جمعہ و جماعت بھی بند تھا اور کسی میں ہمت نہ تھی جو اس مطالبے پر احتجاج کرتا۔ لیجئے مسلمانِ شہر دریا کے کنارے کے اونچے خانۂ خدا میں مدّت کے بعد نمازیں پڑھنے لگے اور شاہ پیر محمد کا مزار دوبارہ آباد ہوا اور مسجد تحسین علی خاں سے شیعوں کی نمازیں جمعہ و جماعت اور عیدین منتقل ہوکر آصف الدولہ کے جوار میں پہنچیں جو آج تک خدا کے فضل سے وہاں قائم ہیں۔ پہلے آپ اصل حکم ملاحظہ کیجئے اس کے بعد ترجمہ دیکھئے۔ اور یہ ملحوظ خاطر رہے کہ جدّ مرحوم نے اپنا قائم مقام اولاد کے کم سن ہونے پر اپنے بہنوئی جناب میر آغا صاحب قبلہ مجتہد مرحوم کو کیا جنھوں نے تاحیات خدمت بحیثیت قائم مقام انجام دی اور ۱۳۲۳ھ میں اپنے بھانجے اور داماد قدوۃ العلماء سید آقا حسن مجتہد کے سپرد کردی جو اس وقت بھی مؤخر الذکر کے ورثہ انجام دیتے ہیں اور اولادِ جدِّ مرحوم و مغفور نے امامتِ مسجد کو نزاعی بنانے سے پرہیز کیا اور یہ مقدس عہدہ بلا اختلاف اب بھی شہر کے ایک عالم کے سپرد ہے اور دوسرا جمعہ لکھنؤ میں کبھی نہ ہوا، نہ آج ہوتا ہے۔

To- Syedul-Ulama Syed Mohammad Ibrahim

Mujtahid-ul-asar

Lucknow

For the guidance of soldiers visiting the great Imambara.

Lucknow, Brigade Orders, 22nd April 1885, 685 soldiers orders. Soldiers visiting the great Imambara, Machi Bhawan, will pay those marks of respect usual on entering places of worship by removing the helmet of forage cap. They are requested not to enter the Mosque (adjoining Imambara) or walk on the platform in front of the same. It is also lutely (absolutely) forlighen (forbidden) to take doors (dogs) into the great sequare. Those accompained by their dogs will have them tiedup before they enter the square. The general officer commanding trusts to the good feeling of the soldiers to carry out there orders.

Commanding officers will ensure that every soldiers in their respective corps is made acquainted with this order which will also he placed on the entrancegate.

By order

(Sd) W.V. ellis, Major

Brgade Major

بنام۔۔۔۔۔۔سید العلماء سید محمد ابراہیم مجتہد العصر (لکھنؤ)

لکھنؤ بریگیڈ سولجر حکم نمبر ۶۸۵ بتاریخ ۲۲-۴-۱۸۸۵ء

ان سپاہیوں کی رہنمائی کے لئے جو بڑے امامباڑے کا دورہ کریں۔

وہ سپاہی جو بڑا امام باڑہ مچھی بھون کا دورہ کریں انہیں مندرجہ ذیل احکامات کی پابندی کرنا ہوگی۔عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے پہلے اپنی ٹوپیاں اتاریں۔ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ مسجد میں نہ داخل ہوں جو امام بارگاہ سے متصل ہے اور نہ ہی اس کے چبوترے پر چلیں۔ان کے لئے مکمل پابندی ہے جو کتوں کے ساتھ دورہ کریں انہیں لازمی باندھ کر رکھیں۔ جنرل افسر جوان سپاہیوں کی رہنمائی کر رہا ہے اُسے اس حکم پر عمل کرنا چاہئے۔

کمانڈنگ افسر یہ یقین دلائے گا کہ اس کے متعلقہ گروہ (دستہ) میں تمام سپاہی اس حکم سے واقف ہیں جو داخلے کے گیٹ پر بھی لگایا جائے گا۔

بحکم

(ایس۔ڈی۔) ڈبلیو، وی ایلس میجر بریگیڈ میجر

کتب خانۂ ناصریہ جو اعداد و شمار میں بڑا قابل ذکر مکتبہ ہے اور کھجوہ کے علاقے میں مدّت دراز سے ایک زبردست علمی ذخیرہ ہے، اس کی بنیاد پر توابین [1] میں ایک صاحب ناقل ہیں کہ مولانا مفتی محمد قلی صاحب مجتہد مرحوم کو ان کے استاد نے صرف پانچ روپئے بطور اعانت دیئے اور انہوں نے صرف ایک روپیہ اپنے ذاتی خرچ میں صرف کیا اور باقی کتابیں خریدیں۔اس پہلی عطا کا یہ پھل تھا

(۱) یہ لفظ میرے نزدیک قاتلان حسینؑ کے خون ناحق کا انتقام لینے والوں میں سب اشخاص کے لئے صحیح نہیں، خصوصاً مختارؒ قید و بند میں تھے، ان کو واقعہ کربلا کی خبر نہ تھی، جب وہ لاعلم تھے تو ان پر نصرت حسینؑ نہ کرنے کا کوئی گناہ نہ تھا۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے جان بوجھ کر مصلحت وقت سے جان بچائی، وہ اس لفظ کے اندر شامل کئے جاسکتے ہیں، اس لفظ کو مختارؒ ایسے مجاہد اعظم جس کو امام نے 'عبد الصالح' فرما کر حضرت عباسؑ کے دوش بدوش جگہ دی اس کو توابین میں شمار کرنا جسارت اور واقعۂ کربلا کو نظروں سے پست کرتا ہے۔

اور معطی کی نیت کا اثر اور پانے والے کے ارادے کی برکت تھی کہ کتابیں بڑھنا شروع ہوئیں اور نتیجہ میں یہ لائبریری مولانا حامد حسین صاحب قبلہ کا کتب خانہ مشہور ہو کر آخر میں 'کتب خانہ ناصریہ' کے نام سے آج بھی موجود ہے۔ اور اس میں سواد اعظم کی زیادہ سے زیادہ کتابیں یکجا ہیں۔ فاضل ورثہ نے اپنی اعلیٰ سیاست اور حسنِ انتظام سے یو۔ پی۔ گورنمنٹ کو دے دیا اور آج بھی یہ گراں بہا ذخیرہ اُتر پردیش کی حفاظت میں ہے۔ والد ماجد فرماتے تھے کہ یہاں مجلس کے رقعے تک جلد بندھوا کر محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اس وقت اس ارشاد کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہ تھی مگر جب میں نے خود اپنی لائبریری کے لئے مجلسوں اور میلاد اور دوسری تقریروں کے ہینڈ بل جمع کئے تو اب اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر خان، اچار چٹنی و مربہ جات لکھنؤ میوے والی سرا کے مشہور تاجر کی طرف سے میلاد شریف کا اشتہار کن لفظوں میں شائع ہوتا تھا اور میر خورشید علی صاحب نفیسؔ مرحوم و مغفور کی دیوگاؤں میں ایک مجلس کا رقعہ کس شان کا تھا، یہ ہماری تاریخ ہے جس کے یکجا کرنے کو اسلاف نے بتایا۔

امام باڑہ جنت مآب

لکھنؤ کی پرانی آبادی حلقہ چوک میں مسجد تحسین علی خاں کی پشت پر واقع ہے۔ اس امام باڑہ کی بنیاد ممتاز العلماء سید محمد تقی صاحب قبلہ مجتہد مرحوم کے ہاتھ سے واقع ہوئی جو مذہب شیعہ کے نامور مجتہد تھے اور شاہان اودھ کی طرف سے ممتاز العلماء فخر المدرسین کا خطاب حاصل تھا۔ ۷ا ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۸ جولائی ۱۸۶۸ء کو اس امام باڑے کا سنگ بنیاد نصب ہوا اور آخر ذیقعدہ ۱۲۸۷ھ مطابق فروری ۱۸۷۱ء میں بن کر تیار ہوا۔ جس وقت امام باڑے کے در قائم ہوئے اس وقت ناظم صاحب مرحوم نے طنزیہ کہا تھا کہ فیل خانہ ہے، لیکن جب مجلسیں شروع ہوئیں اور یہ امام باڑہ مجلسوں سے چھلکنے لگا اور بانی کے پرخلوص ارادے کی وقعت دلوں میں قائم ہوئی۔ تمام عمارتی سامان از قسم چوب و خشت پاک کر کے مسلمان کاریگروں کے ہاتھ سے عمارت بن کر تیار ہوئی۔

پہلے دو درجے تھے، عقب کا درجہ ممتاز العلماء کے فرزند فردوس مکان نے اضافہ کیا۔ امام باڑہ جب بن کر تیار ہوا تو کوئی تاجر عراق سے خاک شفاء کی ضریح لایا تھا، لکھنؤ کا کوئی رئیس اس کے حسب دلخواہ قیمت نہ دے سکا، اس نے ضریح مبارک امام باڑے میں چڑھا دی، جو اب تک موجود ہے (اس ضریح کے خصوصیات اس سوانح عمری کے آئندہ صفحات سے آپ کو معلوم ہوں گے اور خدا کا عظیم احسان یہ ہے کہ اس کا ایک جز جو قریب ایک انچ کے ہے ہماری لائبریری میں موجود ہے۔ تفصیل کا انتظار کیجئے) درجہ دوم بہت وسیع اور طویل و عریض ہے۔ امام باڑہ آصفی کے علاوہ کوئی اور امام باڑہ اتنا وسیع نہیں ہے۔ (شہر کے عظیم اجتماعات اسی عزا خانہ میں ہوتے رہے۔ آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ کی طرف سے روضۂ امام رضاؑ پر گولہ باری کی مجلسِ احتجاج مولوی سید علی غضنفر جنرل سکریٹری کی طرف سے اسی عزا خانہ میں ہوئی اور استاد الواعظین مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ کی خطابت یادگار مجلسِ غم تھی، یا حضرت عارفؔ، یادگار انیسؔ کی اچانک موت پر مولانا سید محمد رضا صاحب فلسفی کی عالمانہ تقریر اور شیعہ کالج کی تحریک کے موقع پر یہ موضوعِ سخن کہ فائدہ رساں علم اور نقصان دہ علوم میں صحیح راستہ کدھر ہے، دوسرے نامور شاعر میر انیسؔ کے واحد نواسہ پیارے صاحب رشیدؔ کی مجلس چہلم کی بنا پر عزا خانے کے عظیم الشان اور قابلِ ذکر اجتماعات ہیں) پہلوؤں کی صحنچیاں دو منزلہ ہیں جن میں بالائی حصہ پر خواتین شریکِ مجلس ہو سکتی ہیں۔ درمیانی درجہ اس قدر وسیع ہے کہ سوائے نہم محرم کی مجلس کے لبریز نہیں ہوتا۔ وسطی درجے کے غربی صحنچی میں ممتاز العلماء اور فردوس مکان کی قبر مبارک ہیں جس پر چوبی حضیرہ نصب ہے اور سنگ مرمر کے لوح مزار ہیں۔ ممتاز العلماء نے اپنے گھر میں جو مجالس قائم کی تھیں وہ اس امام باڑہ میں منتقل ہو کر مزید کامیاب رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ دو سال سے زیادہ بانی اوّل محرم نہ کر سکے۔ ممتاز العلماء کی زندگی میں امام باڑے میں پرانے طرز کی ذاکری کی گئی۔ حدیث خوان یکے بعد دیگرے پڑھا کرتے، اُس وقت ابتدائی ذاکر مولانا مرزا رضا علی صاحب منطقی تھے اور آخری ذاکر مولانا میر سید علی صاحب مرحوم

(مجالس علویہ کے مصنف) یا میر محمد شاہ صاحب مرحوم ہوتے تھے۔ یہ طرز تیسرے متولی تک قائم رہا۔نویں کی مجلس میں سحر کے وقت سے شمع کی روشنی میں لوگ آنا شروع ہوجاتے تھے اور جس گریہ و بکا کی مجلسیں اس امام باڑے میں ہوئیں اس کی نظیر شہر میں نہ تھی۔اس امام باڑہ اور حدود عزاخانہ کے گرد جن اہل علم کی قبریں ہیں اُن میں حسب ذیل مجتہدین زیر زمین محوخواب ہیں: (۱) ممتاز العلماء طاب ثراہ (۲) مولانا میر حیدر علی صاحب جو مفتی میر عباس صاحب کے معاصر تھے' کواکب دُریہ' ادب کی مشہور کتاب میں ان کے عربی خطوط موجود ہیں۔ مدرسۂ ایمانیہ کے مدرس اعلیٰ تھے، پشت امام باڑہ پر جو مثلث قطعہ آراضی ہے اس پر آرام کرتے ہیں۔ مولوی سید جعفر حسین صاحب سابق معلم دینیات شیعہ کالج لکھنؤ انہیں کی نسل سے تھے۔ (۳) مولانا میر باقر حسین صاحب قبلہ مرحوم، مولانا سید نثار حسین صاحب عظیم آبادی کی کتاب الاجازات مطبوعہ ۱۳۱۱ھ میں موصوف نے جو اجازے دیئے ہیں وہ موجود ہیں۔ آپ مولانا محمد حسین صاحب کے فرزند تھے۔ مولانا کے خلف صالح حکیم میر حیدر حسین صاحب مرحوم مقبرے گوالٹولی کانپور میں مطب کرتے تھے اور ان کے فرزند مولوی امیر حسین صاحب بھاگلپور وقف عمدہ بیگم صاحبہ میں پیش نماز تھے۔ (۴) جناب سید جعفر صاحب قبلہ۔ جناب سید محمد باقر صاحب قبلہ کے بڑے بھائی تھے، علم و عمل میں اپنی آپ مثال اور ممتاز العلماء کے نواسے تھے۔ باقر العلوم مرحوم اپنے سگے بھائی کی قبر پر فاتحہ کے لئے زندگی بھر آتے رہے۔ یہ قبر وسطی درجہ منبر کے سامنے وقف خاص میں غیر نمایاں زمین دوز ہے۔ رجب ۱۳۲۱ھ میں کثرت بارش سے امام باڑہ کے درجہ اوّل کو نقصان پہنچ گیا۔ اور نواب مرزا محمد عباس علی خان خلف مرزا ناظم صاحب نے اپنے صرف سے ازسرنو اس دالان کو تعمیر کروایا۔ اس امام باڑے کا وقف ہونا جناب ممتاز العلماء کی کسی تحریر سے ثابت نہیں۔ جناب فردوس مکان نے نقشہ تقسیم آراضی میں تحریر کیا ہے کہ امام باڑہ وقف خاص ''بر اولاد و ازواج و اصہار و ازواج اولاد'' ان ہی فقرات کے لحاظ سے حدود امام باڑہ میں اولاد و ازواج کے سوا کسی غیر کو جگہ نہیں ملی۔ یہ نقشہ تقسیم

باہمی مقدمہ وقف میں پیشِ عدالت نہیں ہوسکا تھا۔ فیصلہ مقدمہ کے بعد مدت دراز تک وقف عام سمجھنے والوں کے روبرو رہا اور تمام خاندان کی دستخطیں بانیان مقدمہ کا سر تسلیم خم کرتی رہیں۔ اس جز عبارت کا نقشہ میری پہلی تصنیف احیاء الآثار سوانح ممتاز العلماء قلمی میں موجود ہے۔ قوی امید ہے کہ موجودہ ممبران کمیٹی نے اس ثبوت قوی کو اپنے محافظ خانے میں رہنے دیا ہو۔

جناب ممتاز العلماء کے انتقال کے بعد مجالس کو فردوس مکان نے انتہائی عروج دیا۔ امام باڑے کا ایک درجہ بڑھایا، صحن میں وسعت دی، نویں کی مجلس میں بیرونجات کے مخلصین کو مخصوص دعوت نامہ بھیج کر مدعو کرنا، حکامِ ضلع اور بڑے بڑے افسران کی موجودگی اسی دور میں ہوئی۔ عہد ممتاز العلماء میں اس مجلس کے شرکاء میں تمام شہزادگان، اُمراء اور لکھنؤ کے سر برآوردہ وہ عمائد تھے جو کہیں نہ جاتے تھے، وہ اس امام باڑے میں آنا فخر سمجھتے تھے، شہزادہ مرزا خرم بخت بہادر خلف اکبر حضرت فردوس منزل محمد علی شاہ بادشاہ نواب والا قدر کیواں جاہ تھا۔ محسن الدولہ معظم الملک محسن علی خان بہادر غضنفر جنگ، ممتاز الدولہ مدبّر الملک حسن علی خان تیمور جنگ بہادر، نواب محسن الدولہ مرزا امام علی خان بہادر، شاہزادہ مرزا رفیع الشان بہادر (سیاحتِ ظریف مطبوعہ لکھنؤ میں اس خاندان کی جلالت کا ذکر ہے) شاہزادہ مرزا عظیم الشان صاحب، نواب مصطفیٰ علی خان بہادر، مرزا حیدر شکوہ بہادر، شاہزادہ سلطان مرزا دارا سطوت مرزا محمد رضا علی بہادر، مرزا محمد تقی خان فیل جنگ، نواب سعید الدولہ بہادر، نواب شرف الدولہ بہادر، نواب اشرف الدولہ بہادر، نواب مرزا عالی جاہ بہادر، نواب مرزا والا جاہ بہادر، نواب مرزا علی خان خلف نواب قاسم علی خان قائم جنگ، مرزا علی مہدی خاں ابن زین العابدین خان عرف مرزا مینڈو صاحب اور کتنے رؤساء وعمائد سر برہنہ نوحہ کناں نظر آتے تھے۔ درمیانی درجے میں صدر مجلس، رؤسا وشاہزادگان کی صفیں ہوتی تھیں۔ جو جس جگہ بیٹھتا، مجال نہ تھی کہ اس پر دوسرا شخص بیٹھ جائے۔ یہ اس وقت کی وضعداری (چلن) تھی۔ رؤساء وامراء کے قالین پہلے سے آ کر بچھ جاتے تھے جس کی مصاحب نگرانی کرتے تھے۔ اور ان رئیسوں

کے آتے وقت جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ نویں تاریخ کی گریہ وبکا قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی۔ جناب مفتی میر عباس صاحب نے ممتاز العلماء کا جو مرثیہ نظم کیا اس میں یہ شعر اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"در ایامِ ماہ محرم ازو
عجب مجلسے در عزائے امام"﴿۱۱﴾

۱۳۰۲ھ میں حضور پرنور شاہزادہ مرزا محمد سلیمان قدر بہادر نے نویں محرم کی مجلس کا فوٹو لیا اور دو تصویریں ایک کارڈ سائز پر، دوسری فل سائز سے کسی قدر بڑی تیار کرانا چاہیں، مجھ سے حیدرآباد دکن کے قیام میں جناب مولانا میر سید علی صاحب مرحوم کے نواسے نے بیان کیا کہ جب کیمرہ نصب ہوا تو تمام مجلس کی نگاہیں اس سمت تھیں اور جناب مولانا سید علی صاحب کو حاضرین کی توجہ ذاکری کی طرف مبذول کرنے میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ تصویر نہ لی جاسکی اور جب مجلس ختم ہوئی تو شبیہوں کی زیارت اور سینہ زنی میں لوگ مصروف ہوئے، اس وقت یہ تصویر لی گئی (یہ فوٹو ادارہ جمعیت خدام عزا کراچی کی پیش کش "زعفرجن" کے ٹائٹل پر آپ دیکھ چکے ہیں) اس تصویر کو لکھنؤ کے مشہور ادیب اور مصوّر نواب بہادر حسین خان انجم نے تیار کیا اور حسب ذیل اشعار بھی فوٹو پر لکھے ؎

حسب ارشادِ جناب وارثِ تاج و سریر
صاحب عالم سلیماں قدر شیدائے امامؑ
ایں شبیہہ مجلس سبط رسولؐ انجمؔ کشید
تابماند اہلِ دیں صرف زیارت صبح و شام
از محرم بود تاریخ نہم مثل دہم
در سحر معراج منبر ذکر شاہ تشنہ کام

در مکان سید ابراہیم صاحب مجتہد
بود این بزم عزائے شه برائے خاص و عام
کن سر اعدا جدا(از) بہرسال آن بگو
اَنفس و مقبول بزم ماتم شاہِ انام﴿۱۲﴾

۱۔ ۱۳۰۳=۱۳۰۲ھ

جس خیمے میں شبیہیں، دلدل و تابوت و علم و گہوارہ سجائے جاتے، وہ صحن امام باڑہ کے آخری حصہ متصل مکان سید محمد حسین پیش نماز خویش سید العلماء سے متصل اور اس کے بعد محمل و کجاوہ اور شتر کا بلند خیمہ نصب ہوا کرتا۔ تین ذوالجناح ایک پر تیروں کی شبیہ، دوسرے راہوار پر حضرت قاسمؑ کا تاج اور سہرا، تیسرا گھوڑا حسین آباد مبارک کے جلوس کا شاہی سامان سے آراستہ اعلیٰ اسپ جس کو کوئی شہسوار ہی لے جاسکتا تھا۔ میرے وقت میں اغن صاحب شہسوار بڑے احترام سے لے جاتے اور اہل ایمان اس سواری پر نوحہ وفغاں میں شور گریہ برپا کرتے۔ جناب فردوس مکان کے دور تک لکھنؤ میں جب تک امام باڑے کی مجلس ختم نہ ہوجاتی تھی کہیں مجلس منعقد نہ ہوتی تھی۔ یہ شور وشین زوال آفتاب کے وقت تک جاری رہتا اور زنانی مجلس کے لئے خواتین کو جو وقت دیا جاتا، اس کے لئے اماماڑے کے پانچوں در کا شامیانہ گراکر پردے میں آجاتے اور نابالغ لڑکے اپنے کاندھوں پر شبیہوں کو اٹھا کر لے جاتے۔ کچھ خواتین نوحہ خوانی میں جا بجا مصروف، کوئی منبر پر مرثیہ خوانی کرتی۔ یہ تھا امام باڑہ کا امتیاز، ہر شبیہ ضریحِ مبارک تک پہنچتی۔ اونٹوں کو لے جانے میں کوئی خاندانی بزرگ نقاب پوش اندر داخل ہوتے اور کافی ہوشیاری سے واپس ہوتے۔ ضریح مبارک پر ''ناڑے''، ''چلے'' کثرت سے حاجت مند باندھتے۔ ضریح مبارک یعنی تحت قبہ ذاکر حسین ابن امیر علی کی بیوی تبرکات حاصل کرتیں اور نذر و نیاز کی رقوم حفاظت سے رکھتیں۔ ان خاتون کا قیام بطور مجاور غربی صحنچی سے متصل مکان میں ہمیشہ رہتا۔

تیسرا دور میرے والد ماجد کا تھا جس میں آخری ذاکر قاری مرزا محمد علی صاحب ایک صاحب کمال تھے اور محقق ہندی مولانا محمد حسین صاحب قبلہ (محلہ رکاب گنج) کے عشرے میں لکھنؤ رہ جانے پر آخری ذاکری ان کی ہوتی اور وہ گھنٹہ بھر سے کم فضائل اور مصائب نہ پڑھتے۔ یہ وہ وقت ہے جب ذاکری نئے لباس میں آچکی ہے اور مولانا سبط حسن صاحب قبلہ کا ہر طرف شہرہ ہے۔ محقق ہندی کے بعد آخری ذاکر مرزا محمد ذکی پسر مرزا محسن خاتم قرار پائے۔ بڑے قادرالکلام محدّث تھے۔ ان کی موجودگی میں چچا جان کے عراق سے واپس ہونے پر مجلس ان پر ختم ہوتی۔ یہاں تک کہ والد کا دَور ۱۹۱۹ء مقدمہ وقف کی زد میں ختم ہوا۔ جس کے واقعات سے یہ کتاب میری کوشش ہے کہ جامع ترین اور سیر حاصل صحیفہ ہو۔

کیفیت ماتم

ذاکری ختم ہونے پر سر برہنہ مجمع امام باڑے کے تین حصوں میں پایا جاتا ہے۔ ضریح مبارک کے دالان میں انجمن مظلومیہ (حسن پوریا) کا دستہ اور زیر منبر کے وسیع و عریض درجے میں وزیر گنج اور گولہ گنج اور عام مومنین مصروف سینہ زنی ہوتے رہتے۔ اس میں کسی ماتمی انجمن کا گروہ نہ ہوتا۔ باہر کے دالان میں انجمن ذوالفقار حیدری قمع کا ماتم کرتی۔ یہ خوں ریز منظر بڑا دلدوز اور مؤثر ہوتا انجمن کے سربرآوردہ رکن تو کراچی میں انتقال کر چکے ہیں۔ اصغر حسین نقیب کا علم نہیں۔ وہ بڑے پُراثر آواز کے نوحہ خوان تھے جن کے مسدس ختم ہونے پر شور گریہ بلند ہوتا۔ اور خون کی چھینٹیں مجمع تک پہنچتیں۔ شبیہوں کے آنے پر ہر ماتمی گروہ گزرنے کی جگہ دے دیتا۔

آج مجھے لکھنؤ کو چھوڑے ہوئے ۲۲ سال گزرے۔ پر اس مجلس کے شریک ہونے والے اہلِ شہر ضرور پاکستان کے شہروں میں بکھرے ہوئے ہوں گے، جن کے ناموں کے اظہار کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ حکیم اقبال رضا صاحب مرحوم صدر الافاضل کے صاحبزادے عزیز آباد میں موجود ہیں، نام ذہن میں نہیں رہا۔ اور زنانے میں شبیہیں لے جانے والے وہ بچے جو بڑے جوش سے علم

اور تابوت لے جاتے تھے ان میں کا ایک نام جو ادھیڑ عمر تک پہنچ رہے ہیں، وارثِ کمالاتِ انیس اور حضرت فائق لکھنوی کے اکلوتے بیٹے سید اصغر حسین شائق لکھنوی وہ ہیں جو اپنے بچپن کے اس شرف کو ظاہر کرنے پر فخر کرتے ہیں۔ باہر کے شریک ہونے والے مومنین میں مشہور ترین کراچی کی فرد اور نشتر پارک کے اجتماعات عزا کی روح رواں باقر حیدری صاحب نویں کی مجلس فراموش نہیں کر سکے۔ انہوں نے آخری دور کی مولانا سبط حسن صاحب قبلہ کی مجلس میں شرکت کی۔ خداوند عالم وطن میں بند کی ہوئی عزاداری کو واپس لائے۔

عزاداری بند کرانے میں جس کا ہاتھ ہے اسے افرادِ قوم پہچانتے ہیں، یہ شیعیت کا ایک امتحان ہے، جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ وہاں کے رہبر اپنی تکلیفِ شرعی کو خوب سمجھیں۔ میری ناچیز رائے اس وقت یہ تھی کہ لکھنؤ کی عزاداری ختم ہونے پر اطراف میں جو رونق بڑھ گئی۔ رائے بریلی، فیض آباد، کانپور میں عظیم جلوس اور اہل ہنود کے ماتمی دستے۔ سکھوں کی المیہ نظمیں اور نوحے جو وہاں کے اخبارات سے یا کیسٹ کے ذریعے ہم سنتے رہتے ہیں، اس تقسیم غم کے ساتھ اور اولادِ غفران مآبؒ اپنی طرف سے نصیر آباد میں خود امام باڑہ غفرانمآبؒ کی مجلسیں ان کے وطنی امام باڑے میں پہلی محرم سے نویں محرم تک کریں۔ اور اس طرح نصیر آباد کا منہدم شدہ امام باڑہ بھی بنے اور یہ نہ کہا جائے کہ غفران مآبؒ کے امام باڑے کی مجلسیں بند ہو گئیں مگر ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش

آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد سلمہٗ کی ہر دلعزیز ہستی...... مجھ سے بہت بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ وقارِ رفتہ کو زلیخا کے شباب اور حضرت یوسفؑ کے زندہ و سلامت گھر پلٹنے کی طرح دوبارہ پلٹائے۔ بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ

آخری متولی یعنی والد ماجد نے اپنے ابتدائی دورہ میں صحن امام باڑہ کا چبوترہ بڑھایا اور قمری سال کا وہ عشرہ محرم جس میں ۲۱ ؍مارچ کی تاریخ نوروز پڑی، مجھے خواب سا یاد ہے کہ محقق ہندی

سید محمد حسین صاحب قبلہ (رکاب گنج) لکھنوی نے نوروز پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ ۹/روز کیسے؟ ہائے اب نہ ایسے پُرخلوص ذاکر پیدا ہوں گے، نہ ویسے سامعین۔ یہ لفظ ۹/کا نکتہ غدیر کے دن ۲۱/مارچ پڑنے اور کعبہ میں بت شکنی اور اس روزِ سعید میں دوسری عیدوں کا پڑ جانا سب کی طرف اشارہ ہے۔ اور تولیت ختم ہونے پر امام باڑے کا پورا فرش (چاندنیاں) نیا بنوایا۔ اس وقت ایک کپڑا اسلیپٹا نام کا ٦٦ گز کا تھان ہوا کرتا تھا۔ وہ جازم جب نہ رہیں جو واقف کی بنوائی ہوئی تھیں۔

صحیفۂ کاملہ

آج کل کے ہوشمند اور دانا یہ چاہتے ہیں کہ تمام نوعِ انسان کے لئے ایک عقلی (ریشنل) دین تجویز کریں، لیکن وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ یہ کام خدا نے قرآن مجید سے لیا ہے اور آیات قرآن نے مذہب کو اس حسین انداز سے پیش کیا ہے جو کسی طرح خلاف فطرت نہیں ہے۔ احادیث نبویؐ اور روایات ائمہ نے بھی اس مقصد کی تکمیل میں حصہ لیا ہے جن کا کوئی مطالعہ کرنے والا نہیں۔ اس مبارک جدوجہد کی دو حیثیتیں ہیں: (۱) روایات اور اخبار جو مختلف کتب میں درج ہوئے (۲) ملفوظات وخطبات جو یکجا مدوّن ہوئے، ان کی سیر سے بھی مذہب اپنے اصلی خدوخال میں نظر آتا ہے۔ نہج البلاغہ اور غرر الحکم اور دیوان منسوب حضرت امیرؑ کے مجامیع، صحیفہ سجادیہ وصحیفہ ثانیہ کلام حضرت سید الساجدینؑ اور مصباح الشریعۃ کلام امام جعفر صادقؑ، فقہ رضوی اور صحیفۃ الرضاؑ، کلام امام ضامن وثامنؑ وہ علمی ذخیرے ہیں جن میں ہر کتاب خامہ فرسائی کے لئے مستقل حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مطالعہ ایمان پر جلا کرتا ہے۔ مدرسۃ الواعظین کے فاضل واعظ مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی صدر الافاضل متعینہ پشاور صوبہ سرحد نے مجھ سے کئی بار فرمایا کہ صحیفہ کاملہ پر کچھ لکھوں۔ علمی مشاغل میں یہ فرمائش پوری نہیں ہو رہی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ جمادی الاولیٰ کے نمبر میں صحیفہ کاملہ پر ایک سرسری مضمون قلمبند کروں گا۔ الحمدللہ کہ وقت آیا اور صحیفۂ کاملہ کے صرف ایک نسخہ

قلمی پر بحث کرنا چاہتا ہوں جو دنیا کا نادر الوجود کتبہ ہے۔

صدر کلام میں ناظرین (الواعظ) کو اس امر پر متوجہ کرنا ہے کہ صحیفہ کاملہ فریقین میں مسلمہ حیثیت رکھتا ہے اور زبورِ آل محمد کا خطاب شیخ سلیمان بلخی نقشبندی وغیرہ کا تجویز کردہ لقب ہے اور صحیفہ کی دعائیں اس قدر بلند پایہ ہیں کہ ان کو غیر شیعہ عالم بھی نقل کرتے ہیں۔ اَلْبَابُ الثَّامِنُ وَالتِّسْعُوْنَ فِیْ اِیْرَادِ بَعْضِ الْاَدْعِیَۃِ وَالْمُنَاجَاتِ الَّتِیْ فِی الصَّحِیْفَۃِ الْکَامِلَۃِ لِلْاِمَامِ الْهُمَّامِ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ وَهِیَ زَبُوْرُ اَهْلِ الْبَیْتِ الطَّیِّبِیْنَ سَلَامُ اللّٰہِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ (ینابیع المودۃ، ص ۱۵، چھاپ مصر)

باب نود و ہشتم (۹۸) میں بعض ادعیہ اور مناجات ہیں جن کا ماخذ صحیفۂ کاملہ امام ہمام زین العابدین علیہ السلام ہے اور وہ اہلبیتؑ طاہرین کی زبور کہلانے کی مستحق ہے۔

صحیفہ میں انسانی معاش اور معاد پر مکمل بحث ہے۔ انہیں خصوصیات کا تقاضہ تھا کہ علمائے شیعہ نے صحیفہ کا خیال رکھا اور سختی سے ضرورت محسوس کی کہ اس کتاب کی بقاء رہے اور وہ الفاظ جو امام کے دہن مبارک سے نکلے تھے، آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ رہ جائیں۔ سلف صالحین میں علی بن احمد سدید علیہ الرحمہ وہ خوش بخت شخص تھے جن کو ان سے قبل کے عالم علی بن سکون رحمہ اللہ کا لکھا ہوا صحیفہ دستیاب ہوا۔ اس صحیفہ پر عمید الرؤساء کی محترم تحریریں تھیں اور علامہ ابوجعفر قاسم بن حسن محمد بن حسن بن معیہ اس کو من وعن پڑھ چکے ہیں۔ یہ وہ خصوصیات تھے جن کی روشنی میں صحیفہ ایک تابندہ ستارہ معلوم ہوتا تھا۔ شہید اوّل محمد مکی علیہ الرحمہ کے علم افروز دور تک یہ صحیفہ موجود تھا جس کو زیر نظر رکھ کے جناب علامہ نے اپنے دست مبارک سے نقل کیا۔ اور ان کی شخصیت وعظمت نے اس نقل کو اصل کے دوش بدوش پہنچا دیا۔ تاریخ سے یہ تو پتہ نہیں کہ کب تک وہ نسخہ باقی رہا مگر نسخہ شہید کے بارے میں یہ رائے آسانی سے قائم ہوسکتی ہے کہ قلعہ شام کے جیل میں جانے سے پہلے شہید نے اس صحیفہ کو تحریر فرمایا ہے۔ ان کی جگر سوز وفات اور نام نہاد مسلمانوں اور برادرانِ یوسف کے

ہاتھوں بیدردی کے ساتھ قتل ہونا ارباب تاریخ نے یوں لکھا ہے:

قُتِلَ رَحِمَهُ اللهُ بِالسَّيْفِ سَنَةَ ثَمَانِيْنَ وَسَبْعَ مِأَةَ ثُمَّ صُلِبَ ثُمَّ رُجِمَ ثُمَّ أُحْرِقَ بِدِمِشْقٍ فِي دَوْلَةِ لِيَّةٍ يَرْدُوْ سَلْطَنَةِ بَرْقُوقٍ بِفَتْوَى الْقَاضِي بُرْهَانِ الدِّيْنِ الْمَالِكِيِّ وَعِبَادِ بْنِ جَمَاعَةِ الشَّافِعِي بَعْدَ مَا حُبِسَ سَنَةً كَامِلَةً مِنْ قِلْعَةِ الشَّامِ۔

(حاصل مضمون) وہ بزرگوار ۷۸۰ھ میں تلوار سے قتل کئے گئے اور بعد شہادت بے سر جسم کو سولی پر چڑھادیا اور پتھروں سے سنگسار کیا، پھر نعش مبارک کو نذر آتش کردیا۔ یہ حادثہ برقوق کی ظلم آفریں سلطنت میں قاضی برہان الدین مالکی اور بعض شافعی علماء کے فتوی سے ہوا، شہید کا قتل قلعۂ شام میں ایک سال تک قید رہنے کے بعد ہوا۔ (لؤلؤۃ البحرین)

دشمن کا یہ زلزلہ افگن ظلم زیرِ نقاب نہ رہ سکا اور تمام دنیائے اسلام نے اس استبداد اور بربریت پر نفرین کی۔ وجہ شہادت پر پہنچنے کے بعد صحیفہ کی قدر و منزلت میں چار چاند لگے اور اس وقت کے اہل علم کی نظریں شہید کے ملفوظات اور مخطوطات پر خاص طور پر پڑنے لگیں۔

جناب مرحوم کے شہید ہونے کے بعد علامہ شمس الدین محمد بن علی جبعی کے پاس یہ زریں صحیفہ پہنچا۔ پھر قدرت کو یہ منظور ہوا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے کتاب خانہ میں یہ نسخہ ہے۔ اس کے اصفہان تک پہنچنے کی روایت یہ ہے:

اِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ مَوْلَايَ الْحُجَّةَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ وَكَانَ مَعَهُ رَجُلٌ وَعِنْدَهُ كِتَابٌ فَأَمَرَهُ اَن يُّعْطِيَنِي ذَالِكَ الْكِتَابَ فَأَخَذْتُهُ مَسْرُوراً وَفَتَحْتُهُ وَرَأَيْتُهُ فَانْتَبَهْتُ وَكُنْتُ فَاسِقاً عَلَى الْكِتَابِ حَيْثُ لَمْ اَجِدْ لَهُ اَثَرًا فَصِرْتُ اِلَى مَشْهَدٍ وَاِنِّي نَسِيْتُ اَيَّ مَشْهَدٍ ذَكَرَ اِذْ قَالَ فَجَلَسْتُ فَرَأَيْتُ رَجُلاً اَقْبَلَ اِلَيَّ وَمَا كَأَنَّهُ الَّذِي كَانَ مَعَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اِنِّي اَرَاكَ رَاغِباً اِلَى الْعِلْمِ وَعِنْدِي كُتُبٌ اَنْتَ بِهَا اَهْلٌ نَعْلِيْكَ اَنْ تَجِي مَعِي وَنَاخُذَ الْكُتُبَ اَنْتَ وَ سِرْتُ مَعَهُ مَسْرُوراً

فَاَوَّلَ کِتَابٌ اَعْطَانِی کَاَنَّهُ الْکِتَابُ الَّذِیْ کَانَ اَعْطَانِی سَیِّدِی وَمَوْلَائِی الْحُجَّةُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْهِ فَلَمَّا رَأَیْتُهُ وَجَدْتُهُ الصَّحِیفَةَ السَّجَّادِیَةَ بِخَطِّ الشَّیْخِ الشَّهِیْدِ الْمَکِّی قُدِّسَ سِرُّهُ۔ (روضۃ المتقین)

مجلسی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے مولا حضرت حجتؑ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک شخص ہے اور اس کے پاس کتاب ہے۔ امام نے اسے حکم دیا کہ مجھے وہ کتاب دے دے۔ میں نے بڑی خوشی سے وہ کتاب لی اور جلد کھول کے صفحات دیکھے، جب بیدار ہوا تو کتاب کا کوئی وجود نہ تھا اور مجھے بڑا افسوس تھا، حتیٰ کہ میں روضہ امام کی زیارت کے لئے مشہد پہنچا اور ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ گویا وہی شخص آتے ہوئے نظر آیا اور میرے پاس پہنچ کر کہا کہ میں آپ کو علم کی طرف راغب پاتا ہوں اور میرے پاس کچھ کتابیں ہیں جن کے آپ ہی اہل ہیں، لہٰذا آپ میرے ساتھ چل کر کتابیں لے لیں، میں اٹھا اور بصد مسرت اس کے ساتھ راستہ طے کیا، پہلی کتاب جو اس شخص کے ہاتھ سے مجھ کو ملی وہ وہی کتاب تھی جو میرے سید و آقا حضرت حجتؑ نے خواب میں دی تھی۔ جب میں نے کتاب کو وا کیا تو صحیفۂ سجادیہ تھا، شہید اول کے دست مبارک کا لکھا ہے۔

استاذ الکل فی الکل جناب غفران مآب علیہ الرحمہ جب تکمیل علم کے بعد وطن تشریف لائے تو یہ صحیفہ عتبات عالیہ سے حاصل کر کے لکھنؤ لائے اور کمال عزت و احترام کے ساتھ اپنے کتب خانہ میں محفوظ کیا۔ غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں لکھنؤ کی لوٹ کے وقت حافظ حقیقی نے اس صحیفہ کو بچایا اور جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب رضوان مآب طاب ثراہ اس کو جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ ان کے حقیقی بھتیجے جناب ممتاز العلماء فخر المدرسین جنت مآب علیہ الرحمہ نے جب اپنے کتب خانہ کی بنیاد قائم کی، تو شفیق چچا سے خواہش کی کہ صحیفہ عنایت کر دیا جائے۔ سلطان العلماء کی دوررس نگاہیں زمانہ کے نشیب و فراز سے بہت زیادہ آگاہ تھیں مگر بھتیجے کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے مستقبل کے خطرات سے خبر دیتے ہوئے صحیفہ دے دیا اور رقعہ میں یہ لکھا:-

دربارۂ صحیفۂ شہید کہ از عمدۂ تبرکات زمانہ والدم طاب ثراہ است از شما دریغ ندارم لکن بخیال اینکہ بسبب توسیع دائرہ حضرات کشا مرہ و تسلط وعاۃ وبغاۃ مثل میر محمد شاہ وغیرہ مبادا از کجا بکجا رسد وخدا نکردہ تبرکات از دست رود و تاسف و تلہف دارم والا ازشما عزیز ترے ندارم (ص۳۹۷، احیاء الآثار قلمی) ﴿۱۳﴾

اس وقت سے یہ صحیفہ جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کے کتب خانہ میں رہا اور جناب ممدوح نے اپنے قلم سے صحیفہ کے جو حالات لکھے اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

تِلْكَ الصَّحِيفَةُ الْآنِ عِنْدِي مِن خَزَانَةِ كُتُبِ جَدِّيَ الْعَلَّامَة أعْلَى اللهُ مَقَامَهُ وَهِيَ أعَزُّ عِنْدِي مِنْ نَفْسِي وَنَقَلْتُ الدُّعَاءَ مِنْ خَطِّهِ الشَّرِيفِ وَأعْرَبْتُ أيْنَمَا كَانَتْ مَعْرِبَةً فِي تِلْكَ النُّسْخَةِ الشَّرِيفَةِ بِالْحُمْرَةِ وَفِيمَا عَدَا تِلْكَ الْمَوَاضِعَ بِالسَّوَادِ۔ (الدعواۃ الفاخرہ)

وہ صحیفہ میرے پاس اس وقت بھی موجود ہے، میں اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور دعائے سمات کو شہید ہی کے قلم سے نقل کرتا ہوں۔ جہاں جہاں سرخی (شنگرف) سے اعراب ہیں وہاں زیر زبر سرخ قلم سے دیئے ہیں اور باقی مقامات پر سیاہی سے اعراب لگائے گئے ہیں۔

علامہ شیخ ابراہیم کفعمیؒ کے پاس بھی یہ نسخہ رہ چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی دعاؤں کی بڑی کتاب اَلْبَلَدُ الْاَمِيْنُ وَالدِّرْعُ الْحَصِيْنُ کے آخر میں اس صحیفہ کو اسی وجہ سے تمام وکمال نقل کرتے ہیں۔ یہ نسخہ کلکتہ کے آہنی پریس میں حنائی کاغذ پر عہد شاہی میں چھپا تھا جو صحت کے لحاظ سے بہترین نسخہ ہے۔ مرقومۂ بالا صحیفہ کی قدر و منزلت اہل علم و کمال کی نگاہوں میں بہت زیادہ ہے۔ استاد الواعظین خطیب اعظم جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ طاب ثراہ، پرنسپل مدرسۃ الواعظین جب گوناگوں امراض میں مبتلا ہوئے، ادھر سرکار حسینی میں یہ قطعہ نظم کر کے توسّل کیا ؎

سبز برگے را بزہر لالہ گوں انبا شتند
بہرم آوردند وقتل من ثواب انگاشتند
جز ثنائے تو خطائے من نباشد یا حسینؑ
حرمتِ تو اے ذبیحِ کربلا خوش داشتند《۱۴》

اُدھر بقصد استشفاء کتب خانہ ممتاز العلماء میں تشریف لائے اور بیمار کربلا کے اس صحیفہ کاملہ کی زیارت فرمائی۔ اپنے جسم کو مس کیا اور برکت اہلبیتؑ (سے) مرض میں سکون ہوا۔

الحمد للہ کہ یہ منتخب روزگار صحیفہ اکابر علماء کی نظروں سے گذرتا ہوا آج تک کتب خانہ جناب ممتاز العلماء میں موجود ہے۔ اس کی کتابت کو کم وبیش چھ سو سال ہوئے ہیں۔ خداوند عالم لکھنؤ کے ان علمی آثار کو باقی رکھے بحق محمد وآلہٖ۔

علَم کی جو دو جوڑیاں اس وقت عزاخانے میں نصب ہیں وہ بھی والد ماجد کی پیش کش ہے۔ اس سے پہلے فولاد کے علَم تھے جو تین پشت تک صیقل ہوتے ہوتے قریب ٹھنڈے ہوجانے کے تھے۔ جناب مرحوم نے برنجی علَم بنوائے جو اپنی شان میں دوبالا ہیں۔

دو مسوّدے

چچا جان مرحوم کے تصانیف میں سلیس اردو کا بھی کافی ذخیرہ تھا۔ اور ان کی پڑھی ہوئی مجلسیں دو جلدوں پر مشتمل تھیں۔ تکمیل علم اور اجتہاد کے بعد ان کا ذاکری کا انداز بدلا اور عالمانہ بیان پر ان کی تقریر ختم ہوئی۔ لیکن فن ذاکری میں محقق ہندی کے بعد اُن پر یہ فن ختم ہوا جب کہ لاؤڈ اسپیکر اس وقت نہ تھا، دس ہزار کے مجمع میں آواز پہنچانا اور اشارے ان کا حصہ تھا۔ جناب نے نویں محرم کی مجلس کی دو تقریریں جو اسی دورِ آخر کی ہیں مجھ کو مرحمت فرمائیں۔ پہلی مجلس میں میرا قیام نہ تھا، دوسرے سال میں امام باڑے میں حاضر تھا اور اس مجلس کی پوری کیفیت لکھنا موضوع سے باہر ہوجانا ہے، اُن کے دست مبارک کے لکھے ہوئے مسودے کی میرے کتب خانے کو اس کی حفاظت کا فخر حاصل

ہے۔ میری عمر اگر وفا کرتی اور بصارت پلٹ آتی تو چھاپتا۔ ناہنجار زمانے نے چار صاحبزادے چھوڑنے والے عالمِ دین جو چاروں مجتہد ہیں موقع نہ دیا کہ ایک کتاب بھی چھپتی۔ لکھنؤ کے امامیہ مشن پر بھی الزام ہے کہ اُس نے ''گلشنِ فضائل'' کم از کم چھاپ دی ہوتی

ع آن قدح بشکست و ساقی نماند

(وہ دیگ ٹوٹ گئی اور پلانے والا نہیں رہا)

تحقیق طلب

کتاب ہذا میں یہ امر بھی قابل تحریر ہے کہ حضرت تاج العلماء کی اولاد دختری میں سید لطف حسین عرف مولوی چھبّن صاحب مرحوم (ذاکر) کے بیٹے نے سندالا فاضل کی سند کے بعد اپنی جوانی تفسیر القرآن کی پچیس جلدیں لکھنے میں ختم کردی اور وہ ان کے گھر لکھنؤ میں موجود ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان کی طباعت بھی کی جاتی اور یہ اُردو کا ذخیرہ دوسرا شاہکار ہوتا جو توضیح المجید نقشِ اوّل کا دوسرا نمونہ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہ تفسیر القرآن وہ ہے جو غیر پریس میں چھپنے پر ہمارے اسلاف نے قبول کرنے میں کہیں کہیں عذر کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ تفسیر ''پیر ابراہیم لائبریری'' کراچی میں موجود ہے۔

یہ تھے تیسرے ایڈیشن کے اضافات جو میری تقریر سے منشی نے قلم بند کر کے کاپی نویس کے سپرد کئے۔ اگر مجھے کچھ اور وقت دیا جاتا اور حالات بھی سازگار ہوتے تو اجتہاد اور تقلید پر مقدمہ اور پیری و مریدی پر بحث، نصیر آباد کی تاریخ، وہاں کے ادبی خدمات، خاندانی شعراء کے حالات یا طبی خدمات اور شجرہ غفران مآبؒ سے ملحق ہونے والے چند شجرے درج کرتا، مگر اس کے لئے میرا اگر دو پیش ساتھ نہیں دیتا۔ منقولات پیش کرنے میں بڑے سنجیدہ منشی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح تلامذہ خاندان اور اساتذہ کی سیرت بھی بڑی ضروری بحثیں ہیں جس پر توجہ ہو سکتی ہے۔ خاندان بھر کے تمام تصانیف کے نام بھی محفوظ ہونا چاہیئے۔

اولاد حضرت غفران مآب رحمہ اللہ وفات ۱۲۳۵ھ

(۱)

(بڑے بیٹے غفران مآبؒ کے) سلطان العلماء سید محمد رضوان مآبؒ

- ملک العلماء سید بندہ حسین
  - ملاذ العلماء ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ
    - محترمہ سیدہ زمانی بیگم زوجہ شمس العلماء سید ابن حسن اعلی اللہ مقامہ
      - مولانا سید قائم مہدی سلمہ
        مدت دراز تک نجف اشرف میں تحصیل علم کی
- غلام حسین
  - دختر زوجہ رمضان علی
    - مجتہد اعلم سید سبط حسین طبیب حاذق وشاعر اعظم
      - سید جواد مقیم عراق
        ہندوستان آنا نصیب نہ ہوا
        - مولوی سید حسن سلمہ، مقیم طہران

---

(۲) سید مہدی مجتہد طاب ثراہ (منجھلے بیٹے)

- عمدۃ العلماء سید محمد ہادیؒ
  - عماد العلماء جناب سید محمد مصطفیٰ عرف میر آغا مجتہد
    - دختر زوجہ مولانا سید محمد مجتہد
      - مولانا سید محمد رضی مجتہد سلمہ
        (امام جمعہ مسجد بوتراب کراچی)
  - دختر زوجہ سید کلب عابد مغفور
    - قدوۃ العلماء الحاج سید آقا حسن مجتہد
      - عمدۃ العلماء سید کلب حسین مجتہد
        - الحاج مولانا سید کلب عابد
          علی گڑھ یونیورسٹی
          - مولانا کلب جواد سلمہ صدر الافاضل
        - الحاج مولانا سید کلب صادق

(۳) سید العلماء سید حسین علیین مکانؒ (چھوٹے بیٹے)

ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی جنت مآبؒ

الحاج شمس العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ خلف اکبر ممتاز العلماءؒ

- (۱) مولانا سید محمد تقی
  آخری وصی جائداد اجداد
  - مولانا سید محمد
    عرف میرن مجتہد
  - آغا مہدی
    مؤلف کتاب ہذا
    - (۱) مولانا سید علی
      صدر الافاضل سلمہ
      لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی
    - (۲) مولوی سید حسن
      صدر الافاضل نجفی سلمہ
      مبلغ لندن انگلستان
- (۲) ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن
  عرف منن صاحب قبلہ مجتہد
  پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ
  - سید العلماء
    سید علی نقی
    - مولانا سید علی محمد
      مقیم قم ایران
  - سید مرتضیٰ
    نجفی سلمہ مجتہد
  - سید کاظم
    نجفی سلمہ مجتہد
  - سید باقر
    نجفی سلمہ مجتہد
  - عبد الحسین
    ممتاز الافاضل
- (۳) حکیم الامۃ علامہ ہندی
  سید احمد طاب ثراہ
  - سید آقا حسین مرحوم
    - سید نصیر الاجتہادی سلمہ
      خطیب عالم اسلام
      امام جمعہ مسجد نور ایمان کراچی

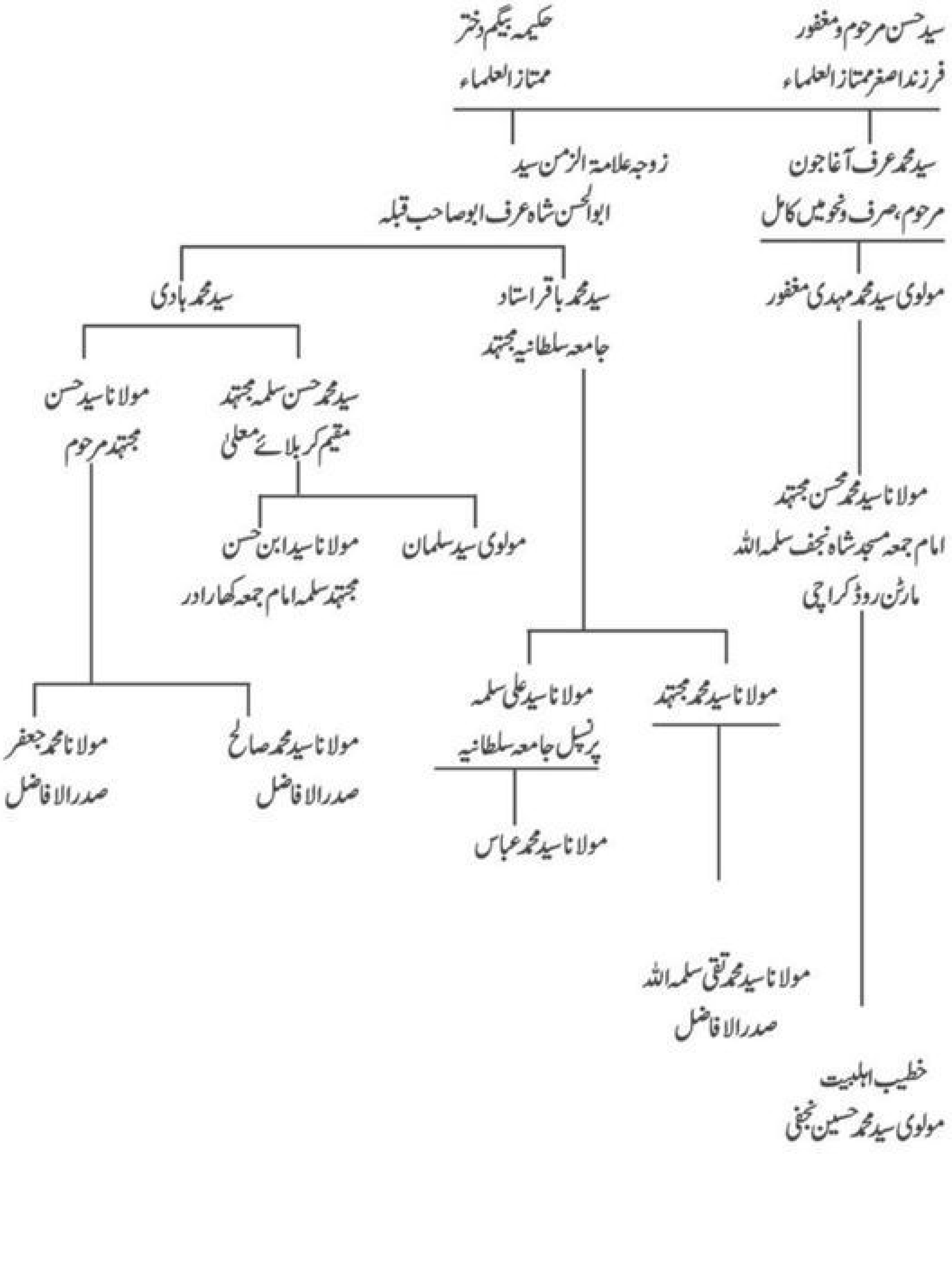
سید حسن مرحوم ومغفور
فرزند اصغر ممتاز العلماء
حکیمہ بیگم دختر
ممتاز العلماء
سید محمد عرف آغا جون
مرحوم، صرف ونحو میں کامل
زوجہ علامۃ الزمن سید
ابوالحسن شاہ عرف ابو صاحب قبلہ
مولوی سید محمد مہدی مغفور
سید محمد باقر استاد
جامعہ سلطانیہ مجتہد
سید محمد ہادی
سید محمد حسن سلمہ مجتہد
مقیم کربلائے معلی
مولانا سید حسن
مجتہد مرحوم
مولانا سید محمد محسن مجتہد
امام جمعہ مسجد شاہ نجف سلمہ اللہ
مارٹن روڈ کراچی
مولوی سید سلمان
مولانا سید ابن حسن
مجتہد سلمہ امام جمعہ کھارادر
مولانا سید محمد مجتہد
مولانا سید علی سلمہ
پرنسپل جامعہ سلطانیہ
مولانا سید محمد صالح
صدر الافاضل
مولانا محمد جعفر
صدر الافاضل
مولانا سید محمد عباس
مولانا سید محمد تقی سلمہ اللہ
صدر الافاضل
خطیب اہلبیت
مولوی سید محمد حسین نجفی

﴿تـــــــراجـــــــم﴾

ازقلم بنت زہرانقوی ندئی الہندی

﴿۱﴾ میر دلدار علی کریم اور پاک انسانوں کے ثمرہ تھے خدا کی قسم وہ ایمان کے رکن اور اسلام کے ستون تھے۔ وہ باعمل عالم اور پاک نسل کے مجتہد مذہب حق کے ہدایت کرنے والے اور معصوم وامام کے نائب، قریش کے بتوں کی پیروی کرنے والوں کوشکست دینے والے پیغمبرؐ کی طرح مقابلہ کرنے والے اور شیر کی طرح حملہ کرنے والے، ارباب تصوف کے مجمع میں بجلی کی طرح چمکے وہ اندھیری راتوں میں ستارہ جیسے چمکتے تھے تحقیق انہوں نے اصول کا سنگ بنیاد رکھا اس بارے میں لوگوں کے لئے کلام کرنے میں غلطی نہیں ہے ہندوستان میں ان سے پہلے کوئی مجتہد نہیں بنا تھا ان کی وجہ سے نماز جمعہ، نماز جماعت اور وعظ ونصیحت کا بول وبالا ہوا لکھنؤ ان کے فیض سے مالا مال ہوا اثنا عشری طریقہ میں پوری رونق آئی۔

﴿۲﴾ جناب مرزا غلام حسین صاحب......سلام مسنون کے بعد میر انظر یہ روشن وواضح رہے کہ زکوۃ اور خمس کے پانچ سو روپیہ غلام کے ہاتھ بھیجے گئے، وہ میرے پاس پہنچ گئے انشاءاللہ مومنین مستحقین کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔ والسلام سید دلدار علی، رمضان ۱۲۱۶ھ

﴿۳﴾ ہم تیری حمد کرتے ہیں اے وہ ذات جس نے فانی دنیا کو اپنے دوستوں کے لئے قید خانہ، سختیوں اور بلا ومصیبت کا گھر قرار دیا۔

﴿۴﴾ (زہراؑ کے فرزند اور علیؑ کے دلبند اجتہاد اور تقویٰ میں کامل جنہوں نے ایک ایسی مسجد بنوائی جو دوسری مسجد اقصیٰ ہے)

﴿۵﴾ فاضل، مفتی میں پسندیدہ خصلتیں تھیں وہ دنیا سے نکل کر خدا سے ملحق ہوئے ان کے مزار پر ان کی تاریخ لکھی گئی یہ محمد قلی کی مقدّس قبر ہے۔

﴿۶﴾ باعمل عالم، برجستہ فقیہ۔ مکمل ہادی، پرہیزگار امام۔ رحمت کے بادل، کرامت کے آفتاب۔ چمکنے والا ستارہ، بزرگی کے بادل، ملک زہد اور تقویٰ کے مالک، حلم وحیا والے ملک کے حاکم، دین کے حامی، کفر وگمراہی

کے مٹانے والے، باکمال علماء کے سردار ورئیس، علی کے گلزار کے کھلے ہوئے گلشن، حق کے ڈھونڈنے والے مرزا کاظم علی)

《۷》مرزا کاظم علی کا عظیم وبلند روضہ ہے۔ ایساانسان ہے کہ شاید ملک وہاں پر خادم ہے، عبادت وریاضت میں ابوذر جیسے، تقویٰ میں سلمان جیسے شجاعت میں رستم جیسے، سخاوت میں حاتم جیسے، حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والے، زمانہ میں سب سے پرہیزگار وہ ملک شریعت کے حاکم تھے موجودات میں خالق کے وجود تھے، فکروتدبر کے مالک، ہمیشہ متامل، حکماء کی نظر میں ماہروحاذق حکیم، ان کا علم بیماریوں سے صحیح وسالم تھا، وہ روٹی کا خشک ٹکڑا کھاتے تھے، ماہ رمضان کی طرح ہمیشہ روزہ رہتے تھے، انہیں دنیا کی لذتوں سے نفرت تھی جو کچھ ضروری نہیں وہ بھی انہوں نے اپنے اوپر ضروری کرلیا، روح القدس نے ان کی وفات کی فکر میں کہا کہ اے خدا موسیٰ کے ساتھ کاظم کے لئے جنت مبارک ہو۔

《۸》افسوس صد افسوس (وہ دلدار علی نہ رہے جو) اہل حدیث کے قبلہ اور اہل کلام کے کعبہ، قدسی نفس، جن وانسان کے امام، علم معقول ومنقول کے مالک، وقت کے نیک لوگوں میں سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ فقیہ، مومنین کے پناہ گاہ، ائمہ معصومینؑ کے پاک نائب، زہد، علم اور فضل کے سمندر میر دلدار علی زمانہ کے ہادی، سب سے زیادہ متقی وپرہیزگار، اجتہاد کے مالک جن کے تصانیف بے حد اور بے انتہیٰ ہیں جنہوں نے شکوک وخلل کے زنگ کو ملت کے آئینہ سے پاک کیا۔ وہ شریعت کی صبح کی چمکنے والے سورج، جنت میں اہل بیت مصطفی کے پاس ہیں اور (دنیا میں) عقل ودین کا شہر ویران ہوگیا میں نے رحلت کی تاریخ کا مصرع نظم کیا، اے منیر علم پیغمبرؐ کے وارث اور ایمان کے عروج افسوس نہ رہے)

《۹》اگرچہ ہمارا منھ پانی سے تر نہیں ہے لیکن مقصد کا پتہ تو ہے اس لئے کہ میں حسینؑ کی اولاد میں سے ہوں تو پیاس ہماری میراث ہے۔

《۱۰》افسوس وہ کشتۂ محن شخصیت جنتوں کی طرف چلی گئی۔

دشمنوں کے ظلم نے ان کا کام تمام کیا پس ان کو رنج وغم کا شہید کہو کیوں کہ وہ غموں کے تیر کا نشانہ بنے لہذا افسوس واویلا کہو۔

《۱۱》ماہ محرم کے ایام میں عزائے امامؑ میں اس میں عجب عجب مجلسیں ہوئیں۔

﴿۱۲﴾ تاج وتخت کے وارث، امام کے معتقد وشیدا، صاحب عالم، سلیمان قدر کے حکم سے مجلس سبط رسول کی تصویر انجمؔ نے کھینچی تا کہ صبح وشام اہل دین زیارت کریں۔ سید ابراہیم مجتہد کے گھر میں یہ بزم عزائے حسینؑ، خاص وعام کے لئے برپا ہوئی۔ جہاں صبح کو منبر کی بلندی سے ذکر شاہ تشنہ کام ہوا۔ اعدا کے سر یعنی الف کو جدا کر کے مجلس کی تاریخ (اے انجم) کہو کہ بزم ماتم سید الشہداء میں سانسیں مقبول ہوں۔

﴿۱۳﴾ صحیفہ شہید کہ جو میرے والد کے تبرکات میں سے ہے، کے بارے میں مجھے آپ سے دریغ نہیں ہے لیکن باغیوں کے دائرہ کی وسعت کی وجہ سے میر محمد شاہ جیسے باغیوں کا تسلط کہاں سے کہاں پہنچے اور خدانہ کرے تبرکات ہاتھ سے چلے جائیں جس کا خطرہ ہے ورنہ تم سے زیادہ میرے لئے کوئی عزیز نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ سبز پتے کو لالہ گوں زہر سے آلودہ کر کے میرے لئے لایا اور میرے قتل کو ثواب جانا، اے مولا حسینؑ آپ کی ثناوصفت کے علاوہ میری کوئی خطانہیں۔ آپ کی حرمت کواے ذبیح کربلا انھوں اچھار کھا۔

❁❁❁

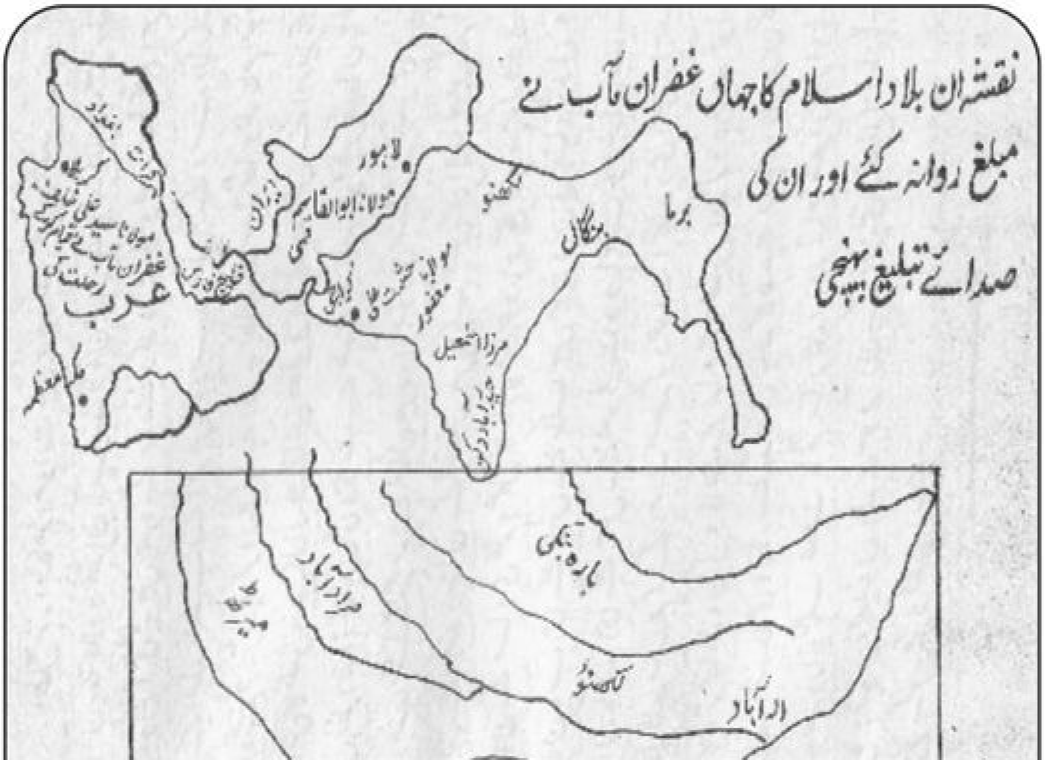

خصائص علویہ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

دکھاؤں گا تماشہ دی اگر فرصت زمانہ نے
مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

ریگستان کے چمکتے ہوئے ذرے مجھے کیوں اچھے معلوم ہوتے ہیں؟ اور ان کی جھلک دیکھنے میں اس قدر محویت کا عالم طاری ہوتا ہے کہ گویا دنیا کی کسی چیز میں نور پیدا ہی نہیں ہوا؟ باصرہ کا شغف بیجا نہیں ہے بلکہ فطرت کا تقاضا اور نیچر کی تعلیم ہے کہ نور کی سمت تار نظر کا میلان ہو، یہ دوسری بات ہے کہ اس سے بہتر نور دیکھ کر نقطہ نظر بدلے۔ جیسے لباس خلّت زیب جسم کرنے والا محترم وجود کتم عدم سے عرصہ شہود میں آ کر رات کی جہانگیر تاریکی میں چمکتے ہوئے ستارہ کو لیلائے شب کا کوکب بخت سمجھ کر محو نظارہ رہا مگر اُتنی ہی دیر کہ جب تک صدر نشین بزم انجم ماہ فلک جبیں نیاز کو سجدہ خالق میں جھکائے ہوئے محفل کو بے رونق اور انتظار کرنے والوں کے چہرے فق کئے رہا، تاروں کی انجمن سونی اور مجلس کواکب میں سناٹا طاری ہوا، ادھر عابد شب زندہ دار نے سجّادے سے سر اُٹھایا اور نامحدود ضیا باریوں نے نورانی چادر میں تاروں کو منھ چھپانے کا مشورہ دیا اب نظر باز بجز اس حسین کے کسی دوسری طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھتے، جو ہے وہ محو جمال حتیٰ کہ تارے بھی اپنے تئیں پروانہ بنے ہیں اور حریم نور کا طواف عزت سمجھتے ہیں۔ کسے خبر تھی کہ روئے زمین پر اب کوئی دوسرا حسین بھی پرتو حسن یوں ڈال سکتا ہے کہ نجوم کی روشنی ماند پڑ جائے اور موازنہ میں تارے بہ آں کثرت واژدھام جبین محبوب کی چھٹی ہوئی افشاں سے زیادہ وقیع نہ ثابت ہوں مگر شب کے پردہ میں دن بھر کا تھکا ہوا مسافر کسی دوسرے عالم کی مسافت قطع کرتا ہوا نقطہ شرق تک پہنچ کر ماہ منیر کی ضیا باری کو

بھی پیچ کر دکھاتا ہے۔ اس کا خاموش مظاہرہ نور اس قدر تلاطم خیز اور مادر گیتی کی آغوش میں رہنے والوں کے لئے ہلچل ڈال دیتا ہے کہ غفلت کی نیند سونے والے انگڑائیاں لے کر اُٹھ بیٹھتے ہیں اور بے ساختہ هٰذَا اَكْبَرُ کا ترانہ شروع ہوتا ہے۔ جب ہی سے اس نو وارد کا نام 'نیّرِ اعظم' ہے اور اس کی نور پاش تنویر دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے لیکن نتیجہ میں غروب کا روز سیاہ اسے بھی دیکھنا پڑا۔ اب تو قلوب میں محبت نہیں رہی اور لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ سچ ثابت ہوا۔ خلیل کا دور گذر گیا، دورِ حاضرہ محبت کس سے کرے؟ میں آپ کو پتہ دوں، اس نہ غروب ہونے والے آفتاب کا جس کے علوم کی ضیاباری صبح قیامت تک بزم ہدایت میں جاری ہے: اعنی استاذ الکل فی الکل وارث الانبیاء والرسل آیۃ اللہ العظمیٰ وحجۃ اللہ الکبریٰ السید دلدار علی اعلی اللہ مقامہ فی اعلی علیین اپنی بے سوادی کو دیکھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کہ نام نامی سے پہلے جدِ علام لکھوں بلکہ میں تو اس کا بھی اہل نہ تھا کہ صحیفہ منقبت کا افتتاح کرتا۔

برادر عزیز القدر ابو البلاغہ مولانا علی داور صاحب صدر الافاضل حرسہ اللہ وابقاہ کی خاطر بہت عزیز ہے اس لئے قلم اُٹھایا ہے لیکن میرے مسلسل افکار اور سفر کی تیاری میں قلب و دماغ اس طرف مبذول ہوتے نظر نہیں آتے تاہم مجھے خود بھی مبلغ سے دلچسپی ہے اور میں چاہتا تھا کہ یہ علمی پودا انتہائی طاقت سے 'رجب نمبر' کی شکل میں جناب غفران مآبؒ کے تحقیقات و تدقیقات پبلک کے سامنے پیش کرے لیکن مجھے اس کا ملال نہیں اگر میرا قلم اس وقت کوتاہی کر رہا ہے تو دیگر اہل قلم افراد میدان صحافت میں حسن ارقام سے خراج تحسین حاصل کریں گے۔

یوں تو میں نے خانوادہ اجتہاد کے حالات میں کئی کتابیں لکھیں لیکن غفران مآبؒ کی سیرت پر اس وقت تک قلم اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ ''آئینہ حق نما'' اور جناب کے حالات میں دیگر مخصوص کتابیں مدون ہو چکی ہیں۔ جناب کی ذریت یا عام افراد قوم میں جسے توفیق ہو وہ واقعہ نگاری آسانی سے کر سکتا ہے۔ حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ تک اسلاف کی سوانح عمریاں مرتب

ہوچکی ہیں، جناب ممتاز العلماء جنت مآبؒ کے حالات مدون نہیں ہوئے بنابرایں:

(۱) احیاء آلاثار جناب جنت مآبؒ کے حالات میں شرح وبسط کے ساتھ تحریر کئے جس کے مطالب سالہائے گذشتہ میں ریاضی جنتری کے صفحات کی زینت ثابت ہوئے اور قوم نے قدر کی۔

(۲) کتاب کریم فی ترجمۃ ابراہیم اس لائف میں جد مرحوم جناب سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکان طاب ثراہ کے واقعات منضبط کئے جس کا ایک معرکۃ الآرا باب مقدمہ بلافصل کے عنوان سے امسال ریاضی جنتری میں انشاء اللہ شائع ہوگا۔ ہر دو کتب از جملہ مبسوطات ہیں جن کی تدوین سے فراغت حاصل کر کے پھر بھی خاندانی خدمت سے سیر نہ ہوا۔

(۳) نور الھدیٰ فی تراجم العلماء تیسری کتاب سے موفق ہوا، جس میں جناب تاج العلماء، جناب قدوۃ العلماء، جناب کہف العلماء کے حالات پر روشنی ڈالی، مجھے مسرت ہے کہ اس کی اشاعت بھی ہوچکی، آج مجھے یہ شرف ملا ہے کہ سیرت غفران مآبؒ یا ان کے حالات پر تبصرہ کروں بنابریں قلم اٹھانے سے پہلے غالب کا شعر پیش کرنا ہے۔

آزادہ روہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

میں اس ناچیز مضمون میں سیرت غفران مآبؒ سے بحث کے لئے حاشا تیار نہیں ہوں۔ صرف خصوصیات علویہ بیان کرنا ہیں تاکہ کسی کی دلشکنی نہ ہولیکن حق پوشی بھی میرا کام نہیں ہے، نہ میرے اسلاف کی یہ تعلیم ہے۔ میں مجبور ہوں یہ کہنے پر کہ غفران مآبؒ ہی پہلے وہ مجتہد ہیں جنہوں نے ممانعت مانعین کے باوجود نواب حسن رضا خاں کے قصر میں بھنگ کی حرمت پر موعظہ کہا اور مرحوم فرمانروائے اودھ تاحیات تائب ہوئے۔ مجھے یاد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت فردوس مکانؒ نے کرنیل نیوبری کی بزم تشدد میں مذہب پر قربانیاں چڑھانے میں اپنی عزت اور جان تک عزیز نہ کی۔ دنیا یاد رکھے کہ یہ قلمی انتصار اثبات امامت میں نہیں ہے بلکہ عملی انتصار ہے جو خصوصیت ہوئی

جد مرحوم کی، میں اُسی شجر کا ایک پھول ہوں جو کچھ لکھوں گا وہ صداقت کا جامہ پہنے ہوگا۔

غفران مآبؒ کے خصائص ایسے نہیں ہیں جو دو چار کی تعداد میں ہوں، میرا ذہن جہاں تک رسائی کرتا ہے ستر خصوصیتیں اُن جناب کی ذات میں ایسی ہیں جو دیگر علماء میں نہ تھیں اُن سب کا احاطہ تو بالفعل غیر ممکن ہے چند مشہور خصائص زینت صفحہ قرطاس کئے جاتے ہیں۔

(۱) دعا

یہ معلوم ہے کہ باب استجابت ہر شخص کے لئے کھلا اور مانگنے والوں کا دستِ سوال خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں پھیلا ہوا ہے اور یہ پہلی بارگاہ ہے جس کے سمع قدرت تک آن واحد میں ہزارہا صدائیں مل کر پہنچتی ہیں اور دینے والا نہ تو کثرت سوال سے گھبراتا ہے، نہ اختلاف لغات مفاہیم دریافت کرنے میں اس کے لئے سدراہ ہے، نہ مختلف صدائیں اُس تک پہنچتے پہنچتے باہم مشتبہ ہوجاتی ہیں اور ہنگام عطا تحیر ہوتا ہے کہ کس نے کیا مانگا تھا۔ حضرت غفران مآب بھی اسی بارگاہ کے سائل تھے مگر معمولی سوال کرنے والوں اور ان میں اس قدر فرق تھا کہ اُن کی نحیف صدا اخلاص کے طبق میں محفوظ ہوکر خوانِ معرفت میں بلند ہوتی تھی وہ اوقات استجابت کو بھی پہچانتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ کس وقت دعا کرنے سے کیا ملتا ہے میں نے غفران مآب کے تذکرے میں کسی کو یہ لکھتے ہوئے نہیں دیکھا کہ وہ ستاروں کی رفتار دریافت کرنے میں کس قدر ماہر تھے بظاہر اس فروگزاشت کا سبب اہل قلم افراد کی بے اعتنائی اور غفران مآبؒ کی شخصیت اور غزارت علوم دینیہ پر نظر کر کے ایسے علوم میں اثبات کمال سے ان کے نزدیک کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر یہ مذاق بہاء الملۃ والدین بہاء الدین عاملی کی چاردانگ عالم میں شہرت کا باعث ثابت ہوا تو غفران مآبؒ کی طرف اس علم کا انتساب ان کے ایک شرف کو ضرور بڑھادے گا۔ یہ تو تمام سیرت نگاروں کے نزدیک مسلم ہے کہ سلسلہ روایت میں جناب غفران مآبؒ علامہ بہائی سے بآسانی روایت فرماسکتے تھے لیکن اس کا لکھنے والا شاید میں پہلا شخص ہوں کہ وہ بہاء الدین علیہ الرحمہ کے مخصوص علوم سے بھی

لطف اندوز ہوا کرتے تھے اور آثار سماویہ اور ارضیہ دریافت کرنا ان کے لئے نئی بات نہ تھا۔ میرے دعوے کا ثبوت منشی دبیر الدولہ آنجہانی کے تحریرات وتصانیف قلمیہ میں نظر آیا جو شاہان اودھ کے متوسلین سے تھے اور باوجود اس کے کہ زمرۂ اہل اسلام میں نہ تھے، مسلک ہندو تھا، لیکن غفران مآبؒ ہی کے فیض تلمذ سے ریاضی میں کمال حاصل کیا اور اپنی تصانیف میں غفران مآبؒ کے تلمذ کو اپنا تشرف خیال کیا۔

سرزمین لکھنؤ اور شہر کے غربی حصہ قدیم آبادی میں ایک گیٹ ان کے نام سے آج تک مشہور ہے جہاں کسی زمانہ میں یہ سرچشمہ کمال سکونت پذیر تھا، مجھ کو موصوف کے قلمی تصانیف دیکھنے سے فنون نجوم وغیرہ میں کمال کا پتہ لگا اور یہ امر تحقیق طلب ہوا کہ آیا واقعی ان علوم کو بھی منشی صاحب موصوف نے غفران مآبؒ سے حاصل کیا تھا اس وقت میں کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کرسکتا لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا لیکن اس قدر مسلم ہے کہ غفران مآبؒ آثار فلکیہ کے ماہر اور جناب کے شاگرد دبیر الدولہ تھے جو اس فن کا ایک رکن رکین مانا گیا ہے۔

اسی نقطہ نظر سے جناب غفران مآبؒ کی وہ دعا ذات والا صفات کا مخصوص حصہ ہے جن کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے شب قدر کو کامیابی حاصل فرمائی اور آج تک عوام کو معلوم نہ ہوا کہ یہ دعا کب اور کس وقت فرمائی تھی۔ اس میں کیا خاص بات تھی جو کسی دوسرے میں نہ تھی؟ اس مطلب نے اِستفسار کی شکل علامہ کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہ کی خدمت میں اختیار کی۔ ملاحظہ ہو جناب علامہ کی تحریر پرتنویر:

جناب غفران مآب مولوی سید دلدار علی صاحب مرحوم کو شب قدر کس تاریخ نصیب ہوئی؟ آج یہ سوال ایک معزز برادر مومن کا بذریعہ ڈاک آیا ہے کہ یکم مئی کے پرچہ میں جو ہم نے یہ خبر شائع کی ہے تاریخ کی تصریح، اس میں نہیں ہے لہٰذا تاریخ بھی بذریعہ اُسی اخبار کے شائع کردیں۔

جواب: جہاں تک مجھے خیال ہے وہ ۲۳ ماہ رمضان تھی مگر اس کا شائع نہ کرنا، اس کی وجہ یہ

ہے کہ عوام کو دھوکا ہوتا کہ بس یہی تاریخ شب قدر کی ہے اور یہ خلاف مقصود الٰہی کے ہے احادیث مقدسہ میں حصر تین شبوں کا ہے ۱۹، ۲۱، ۲۳، اگر چہ زیادہ تر ۲۳ کو شب قدر ہونا مروی ہے اور غرض یہ ہے کہ بندگان خدا ہر سہ شب میں احیاء کریں جس طرح صلوٰۃ وسطیٰ نماز پنجگانہ میں منحصر پانچ میں فرمائی ہے مگر تعیین نہ ہونے سے ہر نماز، نماز وسطیٰ قرار پاتی ہے، اسی طرح یہ بھی متحمل ہے کہ ان تین شبوں میں بدل بدل کر کسی سال کسی میں واقع ہو اور کسی سال کسی میں۔ دوسرا سبب اخفا کا یہ ہے کہ چونکہ وہ وقت ایسا متبرک ہے کہ دعا ضرور مستجاب ہوتی ہے اور اکثر دعا کرنے والے جائز اور ناجائز دعا کو نہیں جانتے یا جانتے بھی ہیں مگر طمع انسانی ان کو ضرور آمادہ دعائے ناروا پر کرتی ہے، لہٰذا اگر تعیین بطور عموم کے ہوتی، کس قدر فسادات نظام عالم میں پیدا ہوتے آپ خیال کریں اسے واقعہ جناب غفران مآب میں ایک دعا کرنے والے عالم تھے جنہوں نے کیسی دعا کی، دوسرے صاحب جاہل انھوں نے کیسی دعا کی کہ سب پٹہ دار مر گئے فقط وہی باقی رہے، اگر جناب غفران مآبؒ کو معلوم ہوتا کہ یہ جاہل ایسی دعا کرے گا تو ہرگز ان کو خبر نہ کرتے۔

سوال دوم یہ سوال اور لوگوں کا ہے (کارڈ کے علاوہ) صدہا علماء اور مجتہدین جو مجاور روضہ مقدسہ کے ہیں کسی نے کبھی یہ سعادت حاصل نہیں کی، پھر جناب غفران مآبؒ میں کون سا امر خاص تھا کہ ان کو یہ شرف حاصل ہوا اور کسی کو نہ ہوا۔

جواب: امر خاص یہی تھا کہ ان سے جو امر ہدایت سرانجام پائے گا ہند میں تو شاید کسی سے نہ ہوگا، رہا اور حضرات کو نصیب نہ ہونا، چونکہ امور خوارق عادات کا قاعدہ ہے کہ بدون ضرورت اظہار کے صادر نہیں ہوتے اور ضرورت کا علم اسی کو ہے جو قادر اظہار خوارق پر ہے لہٰذا تم کو کیا منصب ہے کہ ایسا سوال کرو۔ (انتصار الاسلام مجلد سوم مطبوعہ ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۳۶)

یہ جناب علامہ کا محققانہ جواب تھا جس کے بعد میرا قلم اُٹھانا سخت بے ادبی ہے مگر چونکہ اس

عقدہ لاینحل کا تعلق بحیثیت ذریت کی ایک فرد کے میری معلومات سے ہے، لہٰذا مفاد و اهل البیت ادری بما فی البیت میں رائے زنی کرنا چاہتا ہوں۔نوعیت واقعہ یہ نہ تھی کہ شب قدر کا ادراک فرمانے سے دعا قبول ہوئی ہو بلکہ ایک ایسی ساعت جس میں دعا رد ہوتی ہی نہیں، حُسن اتفاق سے شب قدر کی معزز و محترم رات میں شب بست وسوم ماہ صیام کو واقع ہوگئی تھی اور جناب کا عراق کی مقدس سرزمین پر تحت قبہ ہونا تیسری خصوصیت تھی جو''نورعلی نور'' کا مصداق تھا ان تمام خصوصیات کی موجودگی سریع الاجابت تھی ورنہ یہ سوال بالکل درست ہے کہ کسی اور عالم کو اس کا ادراک کیوں نہ ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ مقصد اخفا میں ہے، اس لئے میں بھی پوری تشریح نہیں کرسکتا مگر اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ عہد غفران مآبؒ سے اس وقت تک گذشتہ ایک صدی میں یہ وقت دس مرتبہ آچکا ہے اور سال کی مختلف تاریخوں میں دور فلک میں یہ ساعت گزر چکی ہے۔گذشتہ ۷ر جمادی الآخری ۱۳۶۲ھ میں نصف شب کو اس معزز ساعت کا میں نے بھی ادراک کیا ہے۔درحقیقت یہ افادہ شہید اولؒ کا ہے جو خاندانی حیثیت سے ہم تک پہنچا ہے اس کی معرفت ستاروں کی رفتار سمجھنے پر موقوف ہے والحمد للہ علیٰ ذلك۔

یہ جناب غفران مآبؒ کا خاص اعزاز تھا کہ اُن کو تحت قبہ شب قدر میں اس مبارک ساعت کا ادراک ہوا اور اہل علم کی نظروں سے آج تک یہ راز پوشیدہ رہا۔

(۲) انگشتری

جناب کی حکومت شرعیہ اور سلطنت علمیہ کو بہت بڑا تعلق اس خاتم شریف سے تھا جو دست مبارک میں ہر وقت رہا کرتی تھی مجھے اس کا علم جد اعلیٰ حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ کے وصایا سے ہوا جس پر نظر کرنے کے بعد میری نگاہ میں اس کی وقعت خاتم سلیمان سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ جناب مرحوم طاب ثراہ نے اس انگشتری کا تذکرہ اپنے قلم مبارک سے یوں تحریر فرمایا ہے: انّ لی

خاتم فضه من العقيق الابيض وبعد ذلك هذا الخاتم قد فقد ولم يبق منه اثر مكتوب عليه.... من الخواتيم التى تختم به والدى رحمه الله تعالىٰ۔

اس انگشتری کے گم ہو جانے کا جناب کو جو ملال تھا اُس کو یہ مختصر فقرات ظاہر کر رہے ہیں اور میں قارئین کرام سے پھر معافی چاہتا ہوں کہ عقیق کا کتبہ پیش کرنے کے بجائے میں نے نقطے دے دیئے تا کہ عام لوگ ناجائز فائدہ نہ اُٹھائیں، گم شدہ انگشتری تو کہاں لیکن جناب احدیت کے تفضّل سے مجھ کو بھی عقیق سپید کی انگوٹھی جس پر وہی عبارت نقش ہے دستیاب ہوگئی ہے ممکن ہے کہ یہ وہی انگشتری ہو۔ اگر جناب باری کی مشیت شامل حال ہو تو میں مستقبل قریب میں اس کو زینت انگشت کروں۔ ابھی یہی طے نہیں ہے کہ مجھے استحقاق بھی ہے یا نہ، میں اس انگشتری کے متعلق اس سے کچھ زیادہ لکھ سکتا تھا مگر مضمون کی طوالت کا خوف سدراہ ہے۔

(۳) مقبولیت

از بسکہ حاصل ہونے والی مقبولیت مذکورہ بالا اہتمامات کا نتیجہ تھی اس لئے اُن جناب کو جس قدر بھی چشمہائے خلائق میں وقار حاصل ہوتا وہ مقام تعجب نہ تھا۔ میں اپنی زبان سے یہ نہیں عرض کرنا چاہتا کہ ہندوستان میں ہدایت کا دروازہ جداعلیٰ نے وا فرمایا، سطور بالا میں علامہ کنتوری کا ارشاد ملاحظہ سے گزر چکا ہے دعویٰ کا مزید ثبوت یہ ہے کہ دوست و دشمن متفق اللہجہ ہو کر علو مرتبت اور جلالت پر گواہ ہیں جو شرف مخصوص ہے غفرانمآبؒ کا، علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے ایک ہزار عالم غفران مآبؒ کے وجود کا اثر ہیں۔ ہائے جناب غفران مآب مولوی سید دلدار علی مرحوم لکھنوی انصاف کا خون نہ کرو، سچی نظیر کو سنو، آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے جو شیعوں کی مذہبی حالت تھی اُس ایک فرد واحد نے کیسا بدلا کہ جس کو کایا پلٹ کہنا بجا ہے، کیا ایک نواب حسن رضا خاں مرحوم جو نائب ریاست لکھنؤ تھے، جن کی سچی ہمدردی سے جناب غفران مآبؒ عراق کو تشریف لے گئے اور وہاں سے سچی تعلیم پا کر ہمارے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن

کر دیا، ایسی روشنی جس کو آج ایک مہینہ کم سو برس گذرے۔ روز وفات سے مرحوم غفران مآب کے، مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علماء دین موجود ہیں (کثر ہم اللہ)، یہ اُنھیں کی ذات کا فیض ہے۔ (انتصار الاسلام، صفحہ ۲۱)

ظلمت کدہ ھند میں عبقاتِ انوار غفرانمآب کی شمیم فضل سے پھیلی

علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں: اشاعت دین اور تائید اسلام کنتور سے جس قدر ہوئے اُس کو کون نہیں جانتا خاص ہمارے خاندان سے تشئید المطاعن اور عبقات الانوار اور استقصاء الافحام ایسی کتابیں نکلیں ہیں اور خاص واقعہ شہادت امام حسینؑ کے جو رموز و اسرار تھے ان کو مائتین اور حسینیہ قرآنیہ اور ذوالجناحیہ اور مفارقات حسینیہ وعثمانیہ نے کیسا دکھلایا یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو غفران مآبؒ کے احسانات کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جن کی بدولت ہم اس قابل ہوئے۔

''وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم''

(انتصار الاسلام، ص ۳۰)

محسن کشی نہ کرو

علامہ کنتوری نے وصیت کی ہے:

خدا کے فضل سے آج بھی اس خاندان میں جید علماء ایسے ہیں جو پوری ہدایت کر سکتے ہیں۔ رہی مرجعیت یہ فعل باختیار مومنین ہے۔ خدا نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے کہ ضرور اسی خانوادہ سے فیضیاب ہو ہاں محسن کشی ضرور ہے کہ باوجود ان کے قابل ہدایت ہونے کے اس گھر کو بے چراغ کر رکھا ہے۔

(انتصار الاسلام، ص ۷ ۱۳ سطر ۱۶، لغایت ۱۸)

قوم فیصلہ کرے کہ میں نے اپنے قلم سے کچھ نہیں لکھا ہے جو کچھ پیش کیا وہ اقوال ہیں اکابر قوم کے۔ اب میں رخصت ہونا چاہتا ہوں مگر خاتمہ کلام میں ایک مختصر عنوان اور پیش کروں گا وہ بھی ناقابل فروگذاشت ہے۔

تبرکات

اس وقت بحمداللہ جناب غفران مآبؒ کے تبرکات میں میرے پاس حسب ذیل اشیاء موجود ہیں جس کی زیارت افرادقوم کر سکتے ہیں (۱) پیراہن جناب ممدوح (۲) کلاہ جس پر آیات قرآنیہ نقش ہیں (۳) عصا، یہ وہ سرمایہ حیات ہے جس کو میرے والد مرحوم جان کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ اور اس وقت بھی ہماری نظروں میں اس کی وہی وقعت ہے۔

فقیر باب اہلبیت، آغا مہدی رضوی

بن محمد تقی بن محمد ابراہیم بن محمد تقی بن حسین بن دلدار علی رحمہم اللہ

(رجب ۱۳۴۹ھ)

غفران مآبؒ ایک فلسفی کی نظر میں

مولانا شیخ محمد مصطفی صاحب طاب ثراہ، پٹنہ بہار

ماں کی گود میں کھیلتے ہوئے بچہ کو دیکھ کر باریک بیں نگاہیں فیصلہ نہیں کرسکتیں کہ یہ بچہ زمان مستقبل کے آغوش میں پہنچ کر کیسے ہاتھ پاؤں نکالے گا، دریا سے موتی نکالنے والے کونہیں خبر کہ یہ تاج کی زینت ہوگا اور چمن سے پھول توڑنے والے کو اطلاع نہیں، کہ یہ کس گلے کا ہار بنے گا۔ ۱۱۶۶ھ میں قصبہ نصیر آباد کو زینت دینے والے مولود (جناب غفران مآب) کو دیکھ کر اس زمانہ کے انجام بینوں نے کبھی نہ سمجھا ہوگا کہ یہ بچہ ایک دن فخر ہند ہوکر رہے گا۔ سلسلہ نقوی کی تیئسویں پشت میں جناب غفران مآبؒ کا جگہ لینا اشارہ کررہا ہے کہ آباء طاہرین کی میراث علمی گویا اس سلسلہ میں ودیعت تھی کہ یہ فرد اعلیٰ جب عالم شہود میں آئے تو یہ میراث اس کے حوالہ کی جائے جب ہی تو ایام طفولیت ختم کرکے تحصیل علم میں غرق ہوئے اور چند سال میں اساتذہ وقت مثل سید غلام حسین دکنی الہ آبادی، ملا حیدر علی بن مولوی حمد اللہ اور مولوی باب اللہ شاگرد مولوی حمد اللہ سے درس معقولات میں دستگاہ کامل حاصل کرکے عتبات عالیات کا قصد فرمایا۔ کربلائے معلیٰ میں استاذ الکل آقا باقر بہبہانی، آقا سید علی طباطبائی اور آقا سید مہدی شہرستانی سے اور نجف اشرف میں حضرت بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی یزدجردی سے تحصیل علوم فقہ وحدیث واصول کرکے ۱۱۹۴ھ میں بغرض زیارت مشہد مقدس رضوی علی ساکنہ آلاف التحیۃ پہنچ کر شہید رابع سید مہدی بن ہدایت اللہ اصفہانی سے اکتساب فوائد کرکے ہندوستان واپس آئے۔ اور شریعت نبویہ صلوٰۃ اللہ علی الصادق بہا و علی آلہ کی ترویج میں مشغول ہوئے۔ میرے پاس نہ تو 'آئینہ حق نما' ہے اور نہ خاندان اجتہاد کے محترم وباخبر افراد سے شرف حضوری حاصل، کہ آنجناب کے بالتواتر حالات معلوم کرسکوں، کہ غفرا

ن مآب کتنے سال عراق وخراسان میں رہے، اور کب ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی۔ رہے فضائل وکمالات، تو وہ آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہیں۔ اور اس کے محتاج نہیں کہ قلم فرسائی سے عالم آشکارا کئے جائیں، تاہم میں اس مقام پر اسبق الحکماء والفحول جناب سید مرتضیٰ الفلسفی النونہروی طاب ثراہ صاحب معراج العقول شرح دعاء المشلول کی نقل کر کے یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جناب غفران مآب کی ثنا کس کس قلم سے نکلی ہے۔ جناب فلسفی طاب ثراہ جن لفظوں سے جناب غفران مآب کو یاد فرماتے ہیں وہ آنجناب کے فضل وکمال مرتبہ علیا اور درجہ قصویٰ پر اکبر شاہد ہیں، لکھتے ہیں:

ثم انی ما نویت بالنقص والابرام علی الفاضل العلام قدوة الاکابر الاعلام صاحب عمادالاسلام ان اغمز فیه بالأئمة یزری بشانه الجلیل او احط من قدره السامی النبیل، بل اعترف بطول باعه وعلو کعبه فی العلوم الحمیة والفنون الفلسفیة کما هو الاظهر من البدر علی مدار الارتقاء والشمس فی کبد السمآء من حاشیة علی شرح الهدایة الصدریة۔

بل سمعت من الاستاذ العلامة فی زمان التحصیل انه کان یفضله اذا طالع تلك الحاشیة علی الفاضل المتقن ملا حسن ومن ضاهاه من معاصریه۔

پھر، میں نے فاضل بارع وعلام، قدوہ اکابر اعلام صاحب 'عمادالاسلام' کے (مذہب حکما پر) اعتراضات کی رد کرنے اور مذہب حکماء کے مضبوط کرنے سے یہ ارادہ نہیں کیا ہے کہ ان میں ان کی شان جلیل کے نامناسب کوئی عیب نکالوں یا ان کی بلند وبرتر شان کو گھٹاؤں، بلکہ ان کے علوم حکمیہ اور فنون فلسفیہ میں یدطولیٰ اور مرتبہ علیا کا معترف ہوں جیسا کہ موصوف کے حاشیہ پر کتاب صدرا سے بدر کامل کے مدار عروج پر آفتاب کے قلب فلک میں روشن ہونے سے بھی زیادہ درخشاں

وآشکار ہے۔

بلکہ میں نے اپنے زمانہ تحصیل علم میں اُستادعلامہ (مولوی عبدالحیٔ فرنگی محلی) سے سنا تھا کہ وہ جب اس حاشیہ کو ملاحظہ فرماتے تو جناب غفران مآب کو ملاحسن ایسے فاضل زبردست اور ان کے ہم پلہ لوگوں پر فضیلت دیتے تھے۔

وبالجملہ فلا یظن بنا انا بفضل جناب المجتھد الافضل الاکمل العلم الاعلم من المنکرین، بل مما لا استحل الشك فیه انه ملك المناظرین وسید المتکلمین، ومن حیث استجماعه کثیرا من العلوم من المنطق والفلسفة والفقه والاصول وتصانیفه فی ھذہ الفنون وقوته فی المناظرة مع المعاصرین کما ھو الظاھر من تصنیفاته العالیة الکلامیة کان فرد واحد فی العالمین وقل من ساھمه فی مجموع الکمالات فی اللاحقین۔

حاصل کلام یہ ہے کہ میرے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں جناب مجتہد افضل واکمل علم واعلم کے فضل کا منکر ہوں بلکہ ان باتوں میں سے جن میں شک کرنا حلال نہیں سمجھتا یہ بات بھی ہے کہ وہ جناب، شاہ مناظرین وسردار متکلمین تھے اور اس حیثیت سے کہ آنجناب اکثر علوم میں مثل منطق وفلسفہ اور فقہ واصول کے جامع تھے اور ان تمام فنون میں صاحب تصانیف تھے اور نیز اپنے معاصرین کے ساتھ قوت مناظرہ میں جو آپ کی بلند مرتبہ تصانیف کلامیہ سے ظاہر ہے یہ بزرگ عالم بھر میں فرد واحد تھے اور متاخرین میں ایسے افراد کم ہیں جو ان مجموعہ کمالات میں آنجناب کے سہیم وشریک ہوں۔

خلیله الرحمة وله الغفران من المفضل المنعام المنّان۔ (۱۳۴۹ھ)

آیۃ اللہ العظمیٰ مجتہد اعظم سید دلدار علی غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ

بارھویں صدی ھجری کے علمی آسمان کا تابناک سورج

خطیب پاکستان حجۃ الاسلام عماد العلماء سید محمد رضی مجتہد (بحیثیت مجتہد، وصی و جانشین نجم العلماء طاب ثراہ)

آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت السید دلدار علی غفرانمآبؒ جن کی ذات گرامی کی طرف لکھنؤ کا مشہور خاندان اجتہاد منسوب ہے ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۲ء قصبہ نصیر آباد ضلع رائے بریلی یوپی میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۷۰ سال کی عمر پا کر ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء میں اودھ کے دارالسلطنت لکھنؤ میں وفات پائی۔

آپ کا سلسلہ نسب تئیس واسطوں سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ بنی عباس کے دور حکومت میں آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ ابو طالب حمزہ نے ایران کی طرف ہجرت کی اور شیراز میں مقیم رہے ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند سید محمد سبزوار میں متوطن ہوئے۔

ان ہی ابو العلی محمد کے پوتے سید نجم الدین سالار مسعود غازی کے ہمراہ سردار لشکر بنکر ہندوستان آئے یہ ۹۹۹ء کے بعد کا زمانہ تھا جب محمد غزنوی کے سرزمین ہند پر حملے ہو رہے تھے۔

سید نجم الدین ہی ہندوستان میں حضرت غفرانمآبؒ کے مورث اعلیٰ تھے۔ اسی نامور سردار لشکر نے ودیانگر کے مشہور قلعہ کو فتح کیا تھا اور اس جگہ کا نام جائے عیش قرار دیا جو بعد میں جائس کے نام سے مشہور ہو گیا کچھ عرصے کے بعد اسی نسل کے ایک بزرگ سید زکریا بن خضر نے قریب کی ایک ریاست پٹا کپور کو فتح کر کے اس قصبہ کا نام نصیر آباد رکھا سادات کا یہ گھرانہ جائس اور نصیر آباد میں علمی ضیاء پاشیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا جس کی شعاعیں اس برصغیر میں دور دور تک پھیل رہی تھیں اس خاندان کے ایک بزرگ فرد سید عبد القادر کو اورنگ زیب نے ولی عہد کی تعلیم پر معین کیا تھا۔ یہ ولی عہد جو بعد میں بہادر شاہ بنے غفرانمآبؒ کے جد سید عبد القادر کی تربیت اور تعلیم کے مرہون

منت تھے۔

مجتہد اعظم حضرت سید دلدار علیؒ کی ابتدائی تعلیم رواج کے مطابق مقامی طریقہ پر ہوئی دیہات کی زندگی کے لئے کھیتی باڑی کا مشغلہ بھی ضروری تھا اس مشغلہ نے آبادی کے باہر کھیتوں اور باغوں کی سنسان فضاؤں کو اس بچہ کا جو آئندہ غفرانمآبؒ بننے والا تھا مکتب فکر ونظر بنا دیا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے ایک کھیت پر مویشی لئے اپنے کاموں میں مشغول تھے چاروں طرف درختوں کے جھنڈ تھے اور یہ گھنی شاخوں کے سایہ میں کائنات کی گہرائیوں کا مطالعہ کر رہے تھے یکا یک ان ہی گہرائیوں سے ایک آواز آئی دلدار علی لکھنؤ جاؤ اور تحصیل علم کو جاری رکھو۔

اسی غیبی آواز میں ایک عجیب انقلابی تاثیر تھی جو برق کی لہروں کی طرح اس بچہ کے دل میں دوڑ گئی اور سارا خاندان اس حیرت انگیز واقعہ سے بے انتہا متاثر ہوا۔ زراعت پیشہ ماں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کی مفارقت گوارا کر لی اور لکھنؤ بھیجنے پر تیار ہو گئے۔ حضرت سید دلدار علی نے ابتدائی کتابیں رائے بریلی کے مولوی باب اللہ سے پڑھیں پھر سنڈیلہ پہونچ کر ملا حیدر علی کے درس میں شریک ہوئے اور فلسفہ کی تعلیم کو مکمل کیا۔

غربت وافلاس کا یہ عالم تھا کہ رات کو کتب بینی کے لئے اپنا ذاتی چراغ نہ تھا بلکہ سڑک کے سرکاری چراغ کی روشنی یا کسی دوکان کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کی روشنی میں کتاب دیکھا کرتے تھے۔

اودھ کے مشہور حکمراں نواب آصف الدولہ کا زمانہ تھا لکھنؤ پہونچے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے حکومت اودھ کی مدد سے آپ نے عراق کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں آج کل کی سی سہولتیں نہ تھیں مہینوں میں اس صبر آزما سفر کی سختیاں جھیل کر غفرانمآبؒ نجف اشرف پہنچے اور تکمیل علوم میں مصروف ہو گئے۔ مشہور ہے کہ کئی ماہ میں بادبانی جہاز نے بصرہ کے قریب پہنچایا تھا کہ باد مخالف کے جھونکوں نے بمبئی کے ساحل پر پھر لا کھڑا کیا مگر وہ ہمت نہ ہارے اور سمندر کی طوفانی موجیں اور باد مخالف کے تھپیڑے ان کے ناقابل تسخیر عزم کو شکست دینے میں کامیاب نہ

ہو سکے اور دوسری کوشش میں آپ بصرہ پہونچ گئے یہ غفرانمآبؒ نہ تھے بلکہ فاطمی نور کا ایک ٹکڑا تھا جو خطۂ ہند سے اپنے مرکز کی طرف پلٹ رہا تھا نجف اشرف پہنچ کر آپ نے وہاں کے اساطین دین اور محققین مذہب سے تحصیل علم اور تکمیل درس کا سلسلہ شروع کیا۔ نجف میں پانچ سال رہکر ہندوستان واپس ہوئے۔

علامہ کنتوری طاب ثراہ نے لکھا ہے کہ میرے ایک بزرگ حضرت غفرانمآبؒ کے ہمسفر تھے نجف اشرف میں شب قدر کے اعمال کئے اور ان کو بھی شریک کیا اور فرمایا کہ جب ایک عمود نور قبۂ حضرت امیر المومنینؑ سے آسمان تک ظاہر ہو تو وہی قبولیت دعا کا وقت ہے جب وہ وقت آیا اور نور ظاہر ہوا تو جناب غفرانمآبؒ نے دعا کی:

خداوند! اس صاحب قبر کا واسطہ میری اولاد سے قیامت تک علم دین نہ جائے بعض مقامات پر نجف اشرف کے بجائے روضہ حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہے۔ سالہاسال کی جانفشانی اور غریب الوطنی کے بعد لکھنؤ واپس ہو گئے اور نواب آصف الدولہ کی استدعا پر لکھنؤ ہی میں قیام فرمایا آپ سلطنت کے سیاسیات سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور اپنی پوری زندگی ترویج دین اور تصنیف و تدریس میں صرف کردی۔

حضرت غفرانمآبؒ کی تصنیفات کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے ہر علم وفن میں آپ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے وہ حرف آخر ہے۔ حضرت موصوف نے علم کلام میں کتاب عماد الاسلام کی پانچ ضخیم مجلدات تحریر فرمائیں جن میں سے تین پہلی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

جلد الٰہیات میں حکمائے یونان، فلاسفہ اسلام اور محققین امت کے اقوال پر معرکہ آراء بحثیں درج ہیں جن کو دیکھ کر حضرت غفرانمآبؒ کے دریائے علم کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، علم کلام میں اس سے بہتر اور جامع کتاب اب تک اسلامی کتب خانوں میں نہیں پائی جاتی۔

لکھنؤ میں نماز جمعہ کی ابتداء آپ ہی کے دور سے ہوئی بلکہ ہندوستان بھر میں امامیہ طریقہ پر نماز

جمعہ پڑھانے کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی تھی ۔نماز کے بعد آپ موعظہ بیان کرتے تھے ۔شرکت کے لئے عوام کے علاوہ وزراء سلطنت و حکام اور کبھی خود نواب آصف الدولہ حاکم اودھ بھی آتے تھے مگر غفرانمآبؒ نے احکام خدا کے بیان کرنے میں اور تبلیغ حق کے فرائض انجام دینے میں کبھی کسی شخص کی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ وہی بات کی جس کو وہ حق سمجھتے تھے آپ کے موعظوں سے متاثر ہوکر خود نواب اودھ نے بھی بہت باتیں ترک کر دیں جن کے وہ عادی تھے ۔ان کی کوشش اور حکومت کے تعاون سے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم ہوا جس میں ہزاروں کتابیں موجود تھیں ۔ان کی مجلس درس سے سینکڑوں طلبہ فیضیاب ہوتے تھے ۔

جناب غفرانمآبؒ نے مسلمانوں کی اخلاقی سطح کو بلند کرنے غلط اور خلاف اسلام رسموں اور اعتقادات کو مٹانے اور ان کی اصلاح کرنے میں جو قیمتی خدمات انجام دئے ان کی مثال صدیوں کی تاریخ میں بھی دستیاب نہیں ہوسکتی ۔

وہ ایک فرد یا ایک تنہا معلّم نہ تھے بلکہ انکی گونا گوں شخصیت مختلف علمی ،ثقافتی اور اصلاحی کمالات کا مرکز تھی وہ ایک چلتا پھرتا مدرسہ اور ایک متحرک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتے تھے جو تنہا اپنے شاگردوں کو تمام علوم کی تعلیم دیکر جید عالم بنا دیتے تھے ۔ان کے سارے شاگرد انکی سیرت اور کردار کا آئینہ تھے اور تبلیغ اسلام کے عظیم مقصد میں ان کے شریک تھے ۔برصغیر ہند کے گوشہ گوشہ میں انہوں نے اپنے شاگردوں کو اسلام کا پیغام پہونچانے کے لئے بھیجا اور جسے جہاں روانہ کر دیا وہ بغیر زاد و راحلہ اپنا سارا گھر بار چھوڑ کر روانہ ہوگیا اس طرح ملک کے بعید مقامات پر دور دراز جنگلوں میں عام شہری آبادیوں سے طولانی فاصلوں پر آپ کے مبلغین اور شاگرد ہتھیلی پر سر رکھکر پہونچ گئے اور پیغام الٰہی و دین محمدیؐ کی تبلیغ میں مصروف ہوگئے ۔

حضرت غفرانمآبؒ سید دلدار علی طاب ثراہ سرزمین ہند پر وہ پہلے مصلح تھے جنھوں نے اسلامی تبلیغ کے کام کو ایک تنظیمی روح عطا کی ۔عوام کے دلوں میں بادشاہوں ، حاکموں اور رئیسوں کی

خوشامد اور خوف کے بجائے دین کی عظمت اور خدا کا خوف اجاگر کیا اور ان کے کردار اور ذہن کو غیر اللہ کی پرستش اور ملحدانہ رسم ورواج کی گندگی سے پاک کردیا وہ بارہویں صدی ہجری کے عظیم ترین مفکر، مصلح اور مجدد اعظم تھے۔ سید دلدار علی غفرانمآبؒ ان بے لوث اور پرہیزگار علماء کے سر خیل تھے جنہوں نے ہزاروں وسائل اور اسباب کے باوجود کبھی دنیاوی امارات وریاست کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا انکا خیال تھا کہ نائب امام اور حاکم دین کے لئے رئیسوں اور حاکموں کی درباداری کرنا منصب نیابت امامؑ کی توہین ہے اور ان مشغلوں میں کمی بلکہ ان کی بربادی اور تباہی کا باعث ہے جو اس عہدہ کے فرائض میں داخل ہے حضرت غفرانمآبؒ نے نواب آصف الدولہ کا آخری دور اور نواب سعادت علی خان کی پوری زندگی دیکھی درباداریاں اور سیاسی جوڑ توڑ قوموں کے کردار میں انقلاب پیدا کردیتے ہیں مگر اس عالم ربانی کی سیرت اور ان کا پاک ضمیر سیاسی اتار چڑھاؤ اور سیم وزر کی بجلیوں سے متاثر نہ کیا جاسکا ان سے دربار شاہی میں بھی بارہا لوگوں کے ساتھ علمی بحثیں ہوئیں مگر حضرت سید دلدار علیؒ نے کبھی کسی مسئلہ کا حکومت سے ڈر کر جواب نہ دیا اور جو حق بات تھی وہی کہی وہ کبھی بادشاہوں سے ڈرے اور نہ کبھی حاشیہ نشینوں سے مرعوب ہوئے ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے کئی لاکھ روپے امور خیر میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور اودھ کے وزیر اعظم سرفراز الدولہ نے یہ رقم حضرت غفرانمآبؒ کو دلوانا چاہی تاکہ ان کے ہاتھوں صرف کی جائے۔

وزیر اعظم: کی تحریک پر نواب آصف الدولہ نے علامہؒ کو اپنے پاس بلوا کر مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس رقم سے کربلا و نجف کے درمیان ایک نہر بنوا دیجئے وہاں کے لوگوں کو پانی کی بہت تکلیف ہے اس طرح کربلا کی نہر آصفی حضرت غفرانمآبؒ کے مشورہ کے مطابق بنائی گئی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نواب آصف الدولہ نے وزیر اعظم سے کہا کہ میں اپنے ولی عہد کی شادی کسی سیدزادی کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں سرفراز الدولہ نے رائے دی کہ حضرت غفرانمآب کی

صاحبزادی سے بہتر آپ کے لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کوئی دوسرا رشتہ نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ کو یہ رائے بہت پسند آئی وزیر اعظم خوشی خوشی حضرت غفرانمآبؒ کی خدمت میں گئے اور انہیں یقین تھا کہ وہ بھی اس خبر سے خوشی کے مارے پھولے نہ سمائیں گے مگر وزیر اعظم کی حیرت کی حد نہ رہی جب غفرانمآبؒ نے سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اہل دنیا سے ہمارا پیوند مناسب نہیں ۔وزیر اعظم نے عرض کی کہ اب تو میں وعدہ کر چکا ہوں اور نواب بھی اس رشتہ کو پسند کر چکے ہیں یہ سن کر حضرت غفرانمآبؒ نے فوراً ایک سانڈنی سوار اسی وقت نصیر آباد روانہ کیا اور اپنے ایک قریبی عزیز کے لڑکے کو بلوا کر دوسرے روز ہی صاحبزادی کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا اور جب دربار شاہی سے پیام آیا تو کہلا دیا کہ لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے۔

برصغیر پاک وہند کے چپہ چپہ پر حضرت غفرانمآبؒ کی دینی کاوشوں کا احسان عظیم ہے اور آج تک ان کی اولاد بھی ان کی مبارک ومسعود دعا کے مطابق دین خدا کی خدمت وترویج وتبلیغ میں مصروف ہے۔لکھنؤ کی مشہور ترین امام بارگاہ جو حسینیۂ غفرانمآبؒ کے نام سے مشہور ہے آپ کا مدفن ہے اس امام بارگاہ میں سینکڑوں علماء وفقہاء دفن ہیں اور ہر شخص اس خطۂ پاک میں دفن ہونا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔اس امام بارگاہ کو حضرت غفرانمآبؒ ہی نے تعمیر کرایا تھا۔

❁❁❁

آقا السید دلدار علی المعروف بہ غفران مآب رحمۃ اللہ علیہ

سید مصطفیٰ حسین نقوی اسیفؔ جائسی

سلسلۂ نسب شریف:۔ مولانا السید دلدار علی غفران مآبؒ بن سید محمد معین (متوفی ۱۱۹۱ھ) بن سید عبدالہادی بن سید ابراہیم بن سید طالب بن سید مصطفیٰ بن سید محمود بن سید ابراہیم بن سید جلال الدین بن سید ذکریا جائسی (فاتح دوم نصیر آباد) بن سید خضر (کچھ شجروں یا تذکروں میں خضر کو جعفر لکھ دیا گیا ہے) بن سید تاج الدین بن قاضی سید نصیر الدین جائسی (فاتح اول نصیر آباد) بن سید علیم الدین بن سید علم الدین بن اشرف الملک سید شرف الدین والی جائس متوفی ۴۲۴ھ بن نواب نجم الملک علامہ سید نجم الدین سبزواری (فاتح جائس متوفی ۴۲۰ھ/ ۱۰۲۷ء) بن سید علی بن سید ابوعلی بن سید ابویعلی محمد (کچھ تحریروں کے مطابق ابوالعلیٰ محمد) بن سید ابوطالب حمزہ بن سید محمد بن سید طاہر بن سید جعفر بن امام دہم حضرت علی نقی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

توصیف اسلاف غفران مآبؒ، علامہ شاہ حسین میرزا صفوی طوسی کے قلم حقیقت رقم سے

وصف آں حامئِ دیں ہر چہ قلم کرد رقم

ذرۂ ہست ز بسیار عسیرالاتمام

مقصد اصلی کلک است بیان نسبش

بود او ابن محمد کہ معین بود بنام

بودآں صاحبِ نجدت بن عبدالہادی

باد برتربت او رحمت خلاق انام

بودآں پور صد افضال بن ابراہیم
آنکہ مانند خلیل است جری اکرام
بودآں نخل سیادت بن سید طالب
کوبلا شبہ و شک طالب حق بود مدام
بودآں صفوۂ امجاد زماں ابن امیر
مصطفیٰ خامسِ آبائے جناب قمقام
بودآں گوہر یکتا بن سید محمود
آنکہ باحمد خدا داشت شب و روز مقام بودآں
زبدۂ سادات بن ابراہیم
صاحب خلت خلاق براو الف سلام
گوش کن او خلف میر جمال الدین بود
می کند اسم شریفش زجلالش اعلام
بود سید زکریا شرف اہل جہاں
باد فردوس بریں منزل و ماواش مقام
جد عاشر خضر است آنکہ بروز محشر
آب حیواں خورد از چشمۂ کوثر صد جام
افسر اہل سعادات کہ تاج الدین بود
بود او راس و رئیس ہمہ خویش و اقوام
بعد ازاں سرور ذیجاہ نصیرالدین بود
گشت موسوم بوے قریۂ سادات فخام

والد سید مزبور علیم الدین بود
آنکہ نامش زعمل باج ستاند ہر گام
میر سید علم الدین زنامش پیداست
فضل آں مکرمت آغاز و سعادت انجام
میر سید شریف الدین کہ در بحر شرف
بود بر تربت او باد زحق الف سلام
بود او ابن سعید دو جہاں نجم الدین
مہر پرنور سماوات فیوض و انعام
میر سید علی آں تاج سر مجدو علیٰ
بود ہمنام وزیر شہ معراج مقام
بو علی بود زآباء کرام سید
معدن حکمت ایمان و فنون اسلام
بس محمد کہ بدلال و ابو یعلی داشت
نزد نسابہ سادات غرر شہرۂ عام
بستم حمزہ مکنیٰ بہ ابوطالب بود
مثل ہمنام خودش بود شجاع و مقدام
واثقے بود محمد کہ مدیحش نتواں
کرد احصا بطوامیرو کراریس عظام
بود طاہرزمعائب بہ محاسن مملو
میر طاہر قمر برج تقیٰ چوں درام

بود پس جعفر تواب کہ حالش اشبہ
بود با اخوۃ یوسف سندش خط امام
بود تواب ز اولاد امام عاشر
کہ علی نام نقی بود لقب وجہ تمام

''تذکرۃ العلماء'' میں علامہ السید مہدی ابن نجف علی الحسینی الرضوی غفرانمآب کا شجرۂ نسب پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''سائیر اجداد امجاد آنجناب کہ مذکور شدند ارباب شرف ومنزلت وریاست بودہ اند۔''

مولانا سید محمد باقر شمسؔ (صاحب تاریخ لکھنؤ) تحریر فرماتے ہیں کہ ''بنی ہاشم خصوصاً خاندان رسالت ہمیشہ علم اور شجاعت دو جوہروں کا مالک تھا اور یہ دونوں جوہر آج تک قدرتی وراثت کے طور پر ہمیشہ منتقل ہوتے رہے، بیشک ان کے ظہور کے موقعے مختلف تھے جب تقیہ کی گھٹائیں چھائیں، زبان اور قلم پر پہرے بیٹھے تو علم سینوں کے اندر چراغ زیر داماں کی صورت مخفی رہا اور سپاہیانہ زندگی کے پردے میں شجاعت نے اپنے جوہر دکھلائے لیکن جب امن وامان کا آفتاب نکلا اور تقیہ کا پردہ ہٹا تو وہ علمی جوہر جو تغافل زمانہ کے ہاتھوں قوت واستعداد کے پردہ میں پنہاں تھا فعلیت کے معرض میں آیا اور پھر وہ جلوہ گری دکھلائی کہ عالم بھر کی نظریں خیرہ ہوگئیں۔

نقوی سادات کے اس مقتدر خاندان کی تاریخ دو دوروں میں منقسم ہے، خلافتِ عباسیہ کا وسطی زمانہ اور غیبت صغریٰ کے بعد غیبت کبریٰ کا ابتدائی عہد، سادات کی مخالفت میں ظلم وستم کے سمندر کی کوہ پیکر لہریں، جبر واستبداد کی گھٹائیں امڈی ہوئی آپس میں، سادات کا بیڑا اور وہ بھی بے ناخدا، اس عالم میں مظلوم سادات کے لئے علمی مظاہروں کا کیا امکان تھا؟''

امام علی نقی علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد پر سامرہ کی زمین تنگ ہوگئی تھی، جعفر کے بعد طاہر اور پھر محمد نے کسی نہ کسی طرح اپنی وضع کو نباہا اور اس سرزمین سے جدا نہ ہوئے لیکن ۲۱ رمضان ۲۹۲ھ

کوآپ کا انتقال ہوا اور ابوطالب حمزہ کو سامرہ چھوڑ کر ایران جانا پڑا جہاں انہوں نے ۲/ربیع الاول ۳۰۱ھ شیراز میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ان کے بیٹے سید ابویعلی محمد (بقولے و بتحریرے سید ابوالعلی محمد) نے سبزوار میں جاکر قیام کیا اور وہیں ۲۸/صفر ۳۳۰ھ میں پیوند خاک ہوئے اس کے بعد سے یہ شجرۂ طیبہ سبزوار ایسے دارالایمان میں پھلتا پھولتا رہا یہاں تک کہ کئی طبقے نسل کے وہیں پیدا ہوئے جن میں سے اکثر صاحبان علم دین گزرے ہیں۔

فقیہ عصر نواب نجم الملک سید نجم الدین سبزواری

''فاتح جائس''

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ سید نجم الدین سبزواری منسوب بہ بلدۂ سبزوار کی اشہر بلاد امامیہ است ازامراء سلاطین غزنویہ بود و بعزم نصرت سید سالار مسعود غازی بہ ہندوستار آمدہ قلعہ اودیانگر رامسخر فرمودو آن موسوم بہ جائے عیش شد کہ الحال جائس گویند''

صاحب ''تذکرۃ السادات'' نے نواب نجم الملک کو ''کے ازاتقیاء زمانہ بودند'' لکھا ہے۔

جناب شمسؔ صاحب رقمطراز ہیں کہ ''سید نجم الدین سبزواری اپنے زمانہ کے علامۂ روزگار، فقیہ اور ساری رات مصروف عبادت رہنے والے متقی اور مشہور آفاق نبرد آزما، شجاع و بہادر تھے کہ ان کی نظیر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔سالار مسعود غازی کی نصرت و مدد کے سلسلے میں سبزوار چھوڑ کر ہندوستان آئے اور بتاریخ ۱۷/رجب المرجب ۴۲۰ھ مطابق ۱۰۲۷ء قلعہ ودیانگر کو مسخر کر کے اس کا نام جائے عیش رکھا جو کثرت استعمال سے جائس مشہور ہو گیا اس وقت سے یہ قصبہ سادات نقویہ کا مسکن ہوا۔''

سید نجم الدین کا سلسلۂ مجاہدات فتح جائس کے بعد بھی قائم رہا آپ نے اپنی فتوحات سے ظلمت کدۂ ہند میں جا بجا توحید کے چراغ روشن کئے یہاں تک کہ اسی ۴۲۰ھ کے اواخر میں مشہور شہر بنارس میں عین جنگ کی حالت میں شہید ہوئے۔قبر اس وقت بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ان

کے بیٹے اشرف الملک سید شرف الدین بہادر باپ کی آغوش کے تربیت یافتہ خود بھی ایک شجاع اور باہمت شخص تھے۔ فتح جائس کے بعد وہاں کی حکومت بھی باپ کی جانب سے انہیں کے نامزد ہوئی لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی اور باپ کے بعد صرف پانچ سال زندہ رہ کر ۴۲۵ھ مطابق ۱۰۳۲ء میں وفات پائی۔ ان کی اولاد نے بھی اپنے بزرگوں کے طرزِ عمل کے مطابق سپاہیانہ زندگی بسر کی اور ایک عرصہ تک جائس ہی اس خاندان شرف و نجابت کا مرکز رہا۔"

دارالعلماء "جائس"

منشی تصدق حسین صدقؔ جائسی تلمیذ جلیلؔ مانکپوری اپنے مسدس "تاریخ جائس" میں فرماتے ہیں۔

منبع فضل و کمال اے جائس اے دارالعلومؔ
ہے ترے افراد کی دنیا کے ہر گوشے میں دھوم
کیوں نہ ہو مشہور تو ہندوستان سے تا بہ روم
کم نہیں یونان کے خطے سے تیری مرز بوم
دیکھ کر تاریخ اور سن سن کے افسانے ترے
ہیں ہزاروں اہلِ دل نادیدہ دیوانے ترے

تیری آبادی میں ہے لطف بہار بے خزاں
تیرے نظارے سے حاصل تازگیٔ جسم و جاں
ہے سوادِ شہر تیرا روکشِ باغ جناں
چشمۂ کوثر سے شیریں تر ترا کھاری کنواں
وجہ تسمیہ تری سنتا ہوں سب سے جیش ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ تو در اصل جائے عیش ہے

ہیں محلے تیرے یا بارہ بروجِ آسماں

تیری گلیاں ہیں کہ نکلی ہے زمیں پر کہکشاں
روشنئ مہر تیرے ذرے ذرے سے عیاں
سر بلند اشجار پر ہوتا ہے طوبیٰ کا گماں

پردۂ دنیا میں ممکن ہی نہیں تیرا جواب
تیرے باشندے بھی لاثانی ہیں تو بھی لاجواب

ہیں ترے بارہ محلے خلق میں بارہ امامؑ
ہے اسی نسبت کی باعث تو جہاں میں نیک نام
دو محلوں میں ترے آباد ساداتِ کرام
دس رہے ان میں مشائخ اور بعد ان کے عوام

یوں تو ہیں سارے محلے ایک سے اک پر بہار
ہے مگر ان سب سے بہتر منظر غوری سوار

فتح پٹاکپور

پانچویں صدی ہجری کے وسط میں سید نصیر الدین جائسی نے قصبہ پٹاک پور کو جو جائس سے تھوڑے فاصلہ پر تھا فتح کرلیا اسی زمانے میں ایک مسجد بھی وہاں بنوائی گئی جس کا مادۂ تاریخ ''مقام ابراہیم'' ہے اس سے سنہ ۴۰۴ھ نکلتا ہے۔ جب سنہ ۱۲۶۶ھ میں اس مسجد کی از سر نو تعمیر ہوئی تو ''صل ھٰذا'' بڑھا کے مصراع تاریخ ''صلھٰذا مقام ابراہیم'' پورا کیا گیا جس کے عدد ۱۲۶۶ ہوتے ہیں۔

یہ نہ معلوم ہوسکا کہ قصبۂ مذکور پر سید نصیر الدین کا قبضہ کب تک رہا اور ان کی زندگی ہی میں یا بعد میں کیوں کر اٹھ گیا (آپ کی قبر مسجد منارہ جائس میں ہے)

فتح نصیر آباد

سید ذکریا نے شیر شاہ سوری کے زمانہ میں پٹاک پور پر دوبارہ حملہ کیا رائے پرتاپ سنگھ یہاں کا

ظالم و جابر راجہ تھا اس نے نکل کر مقابلہ کیا فیصلہ کن جنگ ہوئی آخر کار رائے پرتاپ شکست کھا کر بھاگا۔ اپنا تسلط کر کے وہیں قیام کر لیا اور اپنے دادا سید نصیر الدین کے حملے کی یادگار میں اس کا نام نصیر آباد رکھا جو غفرانمآبؒ کا مولد ہے۔

جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست خوردہ ہو کر ایران چلا گیا تو کچھ دنوں بعد جائس میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ہمایوں پھر آ رہا ہے پرچہ نویس کے ذریعہ سے یہ خبر شیر شاہی دربار تک پہنچی تو جائس معرض عتاب میں آیا اور اس کے کھود ڈالنے کا حکم ہوا یہ خبر سن کے اہل جائس منگرا کے بن میں جو جائس سے کچھ فاصلے پر تھا قیام پذیر ہوئے۔ اسی زمانے میں نصیر آباد پر بھی عتاب سلطانی ہوا، یہ لوگ نصیر آباد سے قریب کٹراڈیہہ میں پناہ گذیں ہوئے۔ سلیم شاہ سوری کے زمانے میں آباد ہونے کا حکم ملا تو سب اپنے اپنے وطنوں میں واپس آئے لیکن مشہور ''پدماوت'' کے مصنف ابوالفضل مہاکوی ملک محمد جائسی کو منگرا کا جنگل اس قدر پسند آیا کہ اس کو عبادت کے لئے منتخب کر لیا اور وہیں عہد اکبری میں عالم فانی سے کوچ کیا۔

اس تمام عرصہ میں علمی کمالات کا جوہر اس خاندان میں گویا نذر تغافل تھا اور شجاعت ہی اپنے کامیاب ترین مظاہرے پیش کر رہی تھی البتہ اگر کسی کو موقعہ مل گیا تو اس نے اپنا علمی جوہر بھی دکھا دیا چند ایسے حضرات بھی پیدا ہوئے جن کا علمی جاہ و منصب بھی ذکر کے قابل ہے۔ ان میں پہلا نام علامہ مولوی سید عبدالقادر کا ہے جو ۱۱۲۱ھ میں بہادر شاہ اول کے استاد تھے اور آخر میں شاہزادہ مرزا معظم کی تعلیم بھی انہیں کے سپرد ہوئی تھی انہیں کی تعلیم کا اثر تھا جو بعد میں بہادر شاہ کے اعلان تشیع کی صورت میں ظاہر ہوا جس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آج بھی موجود ہے۔ ان کو بارگاہ سلطانی میں اتنا تقرب حاصل ہوا تھا کہ سات لاکھ سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی جس میں تحصیل سلون، رائے بریلی اور ڈلمسو شامل تھی۔

قاضی سید بڑے اولاد نجم الدین میں پہلے شخص تھے جو عہد اکبری سے پہلے عہدۂ قضا پر مامور

ہوئے پھر مولانا سید حسین (تاج بخش) عظیم منصب پر فائز ہوئے ان کے بعد سید پیارہ حسینی اکبری حکومت کی طرف سے جاگیردار (اور صوبیدار علاقۂ الہ آباد) ہوئے اور جائس میں عزائے امام حسین علیہ السلام کو کافی فروغ دیا۔ اسی خاندان کی ایک شاخ ملا سید عصمت اللہ صدر الصدور دہلی ہوئے لیکن حالت تقیہ میں بسر کرنے کی وجہ سے دینی خدمتوں سے قاصر رہے ان کے بعد ان کے پوتے سید نعمت اللہ قاضی القضاۃ کے درجہ پر فائز ہوئے پھر ان کے بیٹے سید قربان علی عہدۂ قضا پر مامور ہوئے ایسے ہی سید عبدالکریم پنجہزاری منصب پر فائز ہوئے۔

سید محمد امین، سید رضا علی، سید نصیر الدین حسین، سید خیر الدین حسین، سید عادل حسین، سید علی رضا بھی اسی خاندان کے افراد تھے جن سے منصب قضا کو افتخار حاصل ہوا۔

مسلمانوں میں پہلا ریفارمر جو انگلستان گیا۔

''سر سید عبداللہ لندنی'' اسی خاندان کی ایک فرد تھے جو واجد علی شاہ کے زمانہ میں کیمبرج یونیورسٹی میں السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر تھے۔

آمدم بر سر مطلب

جناب شمسؔ فرماتے ہیں کہ ''دنیائے اسلام کا وہ زبردست فلسفی، مذہب حقہ کا وہ سربلند متکلم، ملت جعفریہ کا وہ بے نظیر فقیہ، مذہب شیعہ کا وہ کامیاب مجدد جس کے سامنے تمام علمائے سلف سرنگوں، تمام فلاسفہ خلقہ بگوش، تمام منطقی خوشہ چین، تمام متکلمین خوان کرم سے فیضیاب، تمام فقیہ شاگرد، وہ بے نظیر استاد جس پر شریعت اسلامیہ کو ناز'' ہاں وہی جسے غفران مآبؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

صاحبِ برق طور یعنی نقدِ تجلیات رقم فرماتے ہیں کہ ''آیئے میں آپ کو زمانہ حال سے صرف ایک صدی پہلے اس بحر علم کا منظر دکھاؤں جو نصیر آباد کے مختصر قصبہ سے جوش کھا کر نکلا اور بڑے بڑے بحر و بر کے میدان طے کرتا ہوا باب مدینۃ العلم پر جبہ سائی کر کے علمی موتی معدن در نجف سے لے کر پلٹا اور وہ وہی باہمت بشر تھا جس کا نام سید دلدار علی جو رحلت کے بعد غفران مآبؒ کے

لقب سے مشہور ہوا۔ یہی وہ معدن علم وایمان تھا جس نے ہندوستان کے جہل کو علم اور کفر کو اسلام اور نفاق کو ایمان سے بدل دیا اور آج اپنے حسینیہ کے ایک گوشے میں ہدایت کا تاج پہنے ہوئے جنت کی سرد ہواؤں میں آرام کر رہا ہے لیکن جس طرح برستا ہوا بادل جب گزرتا ہے اپنا پانی ہر اس ظرف میں چھوڑتا جاتا ہے جس نے اپنی آغوش فیض پانی کے واسطے کھول دی ہو اسی طرح یہ ابر کرم اہل ہند کے خشک چشموں کو باران علم سے سیر کرتا ہوا گزر گیا اور وہ چشمے اس سحاب حکمت کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد بھی موجزن رہے اور اپنے منبع کرم کی طرح خود بھی بڑھتے بڑھتے سمندروں کی طرح کشادہ دامن ہوئے۔ میرے اس بیان کو سمجھنے کے واسطے آپ کو ان تاریخوں پر نظر کرنا ناگزیر ہے جن میں حق پسند اور منصف مزاج اہل قلم نے خاندان اجتہاد کے علماء اور شاگردوں کی فہرست درج کی ہے اور ان کے مدارج علمی بیان کر کے ان موج خیز سمندروں کی تصویر دکھائی ہے۔

جناب غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ نے جس علم کے ایک ایک قطرہ کو مختلف سمندروں سے چھان کر اپنے سینے میں جمع کیا تھا اس کا نہ رکنے والا زور ابناء صلبی اور اولاد علمی غرض بیشمار دلوں سے زبان اور قلم تک آکے نمایاں ہوئے بغیر نہ رہا۔

مجھے انصاف پسند ناظرین کے سامنے یہ کہنے میں کچھ بھی جھجک نہیں ہوتی کہ اس وقت جس قدر بھی علم ضیابار ہے اس میں بہت زیادہ حصہ اس تعلیم کا ہے جو غفرانمآبؒ و اولاد غفرانمآبؒ یا اس خاندان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ شاگردوں نے پہنچائی۔''

مولد و منشاء غفرانمآبؒ

حضرت غفرانمآبؒ کا مسقط الراس نصیرآباد ہے جو شرفائے سادات کی ایک چھوٹی سی بستی ہے جسے دارالاجتہاد کہتے ہیں۔

سید الایام جمعہ کی وہ مسعود رات تھی، ۱۱۶۶ھ کا وہ مبارک سال تھا جس میں اس کامران و فتحمند خاندان میں سید دلدار علی کی ولادت ہوئی۔

صاحب **تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں** ''از بعض افاضل ثقات بسمع رسید کہ یکے از اکابر مومنین از سکنۂ نصیرآباد کہ دراں زماں و مکان ولادت آنجناب حاضر بود می گفت کہ آنجناب در شب جمعہ متولد شد درآن وقت دیدم کہ نورے دراں مکان ساطع بود۔''

تحصیل علوم:

ثقات راوی ہیں کہ ایک روز آپ اپنے کھیت پر مویشی لئے مصروف کار تھے کہ صدا آئی دلدار علی تحصیل علم کے لئے نکلو والدین جب اس غیبی حکم سے مطلع ہوئے تو انہوں نے اسباب تعلیم فراہم کرنا شروع کردیئے۔ ابتدا میں ہر روز نصیر آباد سے جائس پڑھنے کے لئے جاتے تھے کچھ دنوں بعد اپنے ننھیال (جائس) ہی میں رہ کر کچھ عرصہ تک تعلیم حاصل کی۔ شوق تحصیل نے ایک دن آپ کو نصیر آباد جائس چھوڑنے پر آمادہ کیا اب آپ غربت وسفر غربت کی مصیبتیں برداشت کرکے ہندوستان کے متبحر علماء سے تحصیل علوم عقلیہ میں مصروف ہوگئے۔

تذکروں میں ہے کہ مولوی باب اللہ سے رائے بریلی میں مولوی حیدر علی ابن ملا حمداللہ (شارح سلم العلوم) سے سندیلہ میں سید غلام حسین دکنی سے الٰہ آباد میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد فیض آباد، لکھنؤ اور دیگر مقامات پر ذوق تحصیل میں پھرتے رہے۔

مولانا اس نوعمری میں ذہانت و ذکاوت کے اس درجہ پر تھے کہ اکثر اپنے اساتذہ کے الجھے ہوئے مطالب کو ایسا سلجھا دیتے کہ طلبہ مطمئن ہوجاتے تھے۔

آخر کار انہوں نے اپنے دور رس دماغ سے طے کرلیا کہ اب ان کی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہند کی زمین بے آب ہے۔ شوق کا خلوص اور تکمیل علم کی بیتابی دیکھو، عہد آصفی میں نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان صاحب نے سید کی آواز پر لبیک کہا، علم پرستی اسے کہتے ہیں انہیں محسوس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک فقہ جعفری کا ماہر ایسا نہیں ہوا جو مجتہد (جامع الشرائط) کہا جائے۔ حکومت اودھ کے تعاون سے آپ نے عراق وحجاز کا قصد کیا۔ بیرون ہند کا سفر مہینوں کی صبر آزما

مدت کے بعد ختم ہو کر فقہ واصول کی اعلیٰ تعلیم شروع ہوئی اور یہ مبارک سلسلہ مختلف اساتذہ کے درس خارج میں شرکت کرتے ہوئے مدت تک جاری رہا اور نواب اپنی تن آسانیاں چھوڑ کر زحمت انتظار برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ مولانا نے مشہد مقدس کے اساتذہ سے بھی فیض حاصل کیا اور ایک وسیع قطعۂ ارض کی سیاحت کر ڈالی۔ تعلیم عراق کا وہ واقعہ بھی اہم ترین ابواب زندگانی میں ہے کہ آپ نے اپنی اولاد میں تا ظہور قائم آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تحتِ قبہ دعا کی اور یہ جذبۂ تعلیم حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے حاصل ہوا تھا، شرف علم اپنی ذریت میں پہنچانا مطلوب تھا، اوقات استجابت اور اسباب قبولیت جمع تھے۔ عالم اور مسافر کی دعا، شب قدر کی خاص ساعت، روضۂ امام معصوم، ناممکن تھا مراد پوری نہ ہو' (ماخوذ از سوانح حضرت غفرانمآبؒ)

اس حقیقت کو علامہ غلام حسنین کنتوری مرحوم نے انتصار الاسلام، جلد سوم، صفحہ ۱۳۶ طبع ۱۹۱۷ء میں بڑے بسط کے ساتھ بیان کر کے اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ صدہا علماء مجتہدین روضہ کی مجاورت میں یہ سعادت کیوں نہیں حاصل کر سکے، غفرانمآبؒ میں کیا امتیاز تھا جو انہیں یہ شرف حاصل ہوا اور اوروں کو نہ ہوا۔

اساتذہ عظام

۱۔ آیۃ اللہ آقا السید علی بن محمد الحسینی الطباطبائی عطر اللہ مضجعہٗ (صاحب ریاض المسائل المتوفی ۱۲۳۷ھ)

۲۔ عالم علوم ربانی آقا السید محمد مہدی ابن ابی القاسم الموسوی الشہرستانی۔

۳۔ مجدد فقہ واصول زعیم اکبر علامہ آقا السید محمد باقر بہبہانی طیب اللہ رمسہٗ (المتوفی ۱۲۰۶ھ)

۴۔ بحر العلوم آقا السید محمد مہدی الطباطبائی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۲۲۷ھ)

۵۔ شہید رابع حضرت آقا السید مہدی بن سید ہدایت اللہ الاصفہانی طاب ثراہ،

مراجعت:

علوم عقلی و نقلی کی اعلیٰ دستگاہ کے بعد مع اجازات اجتہاد ہندوستان واپس ہوئے اور اپنے وطن

مالوف نصیر آباد میں قیام کیا جہاں باغات کی تیاری اور مکانات کی تعمیر کا کام انجام دیا۔ جب آپ کا رابطہ ریاست اودھ سے قائم ہو چکا تو تعمیرات کا دور شروع ہوا، جس کی متعدد یادگاروں میں نصیر آباد کی مسجد بھی ہے جس کی تاریخ ذاکر سید الشداء علیہ التحیۃ والثنا ملا محمد شوستری المتخلص بخطا نے کہی۔

امام سبحۂ اسلام در منابج حق
امین مخزن اسرار ملت بیضا
کہ علم عقلی و نقلی بجنب دانش او
مثال قطرہ بود در مقابل دریا
زبوستان سیادت گل ہمیشہ بہار
زحسن خلق بہشتی برائے خلق خدا
باسم اعظم نامش نمی رسد نامے
کہ نام اوست علی و علی بود اعلا
چو جد خود اسداللہ در مقابل خصم
نرفتہ است زدلداریش قدم از جا
بہ ارث منصب معماری از خلیلش بود
ازاں بموطن خود کعبۂ نہادہ بنا
شبیہ عرش بود مسجد نصیرآباد
کہ سنگ صفہ اش آئینہ است عرش نما
تبارک اللہ ازیں مسجدے کہ تاریخش
نوشتہ کلک قضا مسجد خجستہ بنا

سنہ ۱۲۲۸ھ

غفران مآبؒ کی لکھنؤ میں آمد اور شہر و اطراف شہر کے اس وقت کے حالات

نواب آصف الدولہ کی خواہش اورنواب حسن رضا خاں کی استدعا پر نصیرآباد سے آکر لکھنؤ میں مولانا نے مستقل قیام کیا۔ حکومت کی طرف سے شہر کے قدیم علاقہ فرنگی محل سے متصل ناف شہر میں جگہ ملی جو اس وقت جوہری محلہ کے نام سے مشہور ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو پہلا بندوبست ہوا اس کے قدیم کاغذات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خسرہ میں کیننگ اسٹریٹ تک آراضی پر مولوی دلدارعلی صاحب لکھا ہوا ہے چنانچہ حسینیہ غفرانمآبؒ اس زمین پر واقع ہے (سوانح غفران مآبؒ)

فرنگی محل کے ہمسایہ قرار دینے میں عذر نہ ہونا آپ کے اتحاد پرور مزاج کا قوی ثبوت ہے اور وہ اعتدال پسندی ومیانہ روی تھی جس میں آخر تک کچھ تغیر نہیں ہوا۔

لکھنؤ پہنچ کر آپ نے صحیح اسلام کی تبلیغ کی اور جہالت و مادیت کے جو قلعہ مستحکم ہو چکے تھے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ نماز کے بعد موعظہ کا سلسلہ شروع کیا۔ بدعات کے خلاف تقریریں اور اخلاق وعادات کی اصلاح پر خطبے دیئے، نتیجے میں آصف الدولہ نے بھنگ نوشی کی عادت چھوڑ کر توبہ کی۔

''اخباریت نے فقہی جموداور تصوف نے اسلامی اقدار میں تعطل پیدا کر رکھا تھا۔ ان کو نشانۂ شمشیر قلم و تیر زبان بنایا۔ نتیجہ میں اخباریت کے بے معنی حامی فقہ واصول کا درس لینے لگے۔ تصوف کے پرستار، گیروئے لباس میں ملبوس رہنما، شیعہ سنی پیری مریدی، عرس، قوالی، قبروں پر چادریں، پنکھے اور بیرقیں چڑھانے میں حد سے تجاوز کر چکے تھے۔ غفرانمآب نے بھنگ کے چبوترے، احمد کبیر کی گائے، شیخ سدو کا بکرا، ہٹیلے کا مرغ، شیخ فرید کی شیرینی، باباشکرگنج کا کونڈا، میاں جلال کے کونڈے، بی بی گرج کا روٹ، شاہ مدار کی کندوری، مدار صاحب کی انکھیاں اور سید سالار کی بیرق جیسے رسوم کو ختم کرادیا۔

صاحب تذکرۃ العلماء نے بوقت آمد غفرانمآبؒ لکھنؤ کی حالت یوں تحریر کی ہے کہ ''اگرچہ ایں

بلدہ بیشتر دارالجہل بوداماہیمن قدوم میمنت لزوم آنجناب الحال دار علم و کمال و محل سکونت علماء و شیعیان گردیدہ دعوائے ہمسری بابلا دایران و خراسان کہ بلا دشیعیان است دارد''۔

مولانا حاجی مرزا جعفر علی فصیحؔ ''نان ونمک''میں فرماتے ہیں ۔

رہنمائے شاہراہ اقتصاد
نخلبند بوستانِ اجتہاد
حامی دیں، ماحی کفرو ضلال
سر گروہِ عالمان باکمال
ابر رحمت آفتاب مکرمت
کوکب دری سحاب مکرمت
الشریف الہاشمی المولوی
المجید المتقی المولوی
گلشن شاداب گلزار علی
سید عریف دلدار علی
مالک اقلیم زہد و اتقا
حکمراں کشور حلم و حیا
علم سے جس کے عمل توام رہا
دین جس کے زور سے محکم رہا
لکھنؤ اب سبزوارِ ہند ہے
دمبدم افزوں بہار ہند ہے

(مثنوی''نان ونمک'')

لکھنؤ میں مذہب حقہ کو فروغ اور ہند میں پہلی نماز جماعت:

ورثۃ الانبیاء میں علامہ ہندی نے تذکرۃ العلماء و آئینۂ حق نما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''اول نماز ظہرین بطریق شیعہ بجماعت در عہد کرامت مہد نواب آصف الدولہ بہادر روز جمعہ سیز دہم ماہ رجب ۱۲۰۰ھ در قصر نواب حسن رضا خاں مرحوم منعقد شد و بتاریخ بست و ہفتم ہمیں ماہ کہ روز مبعث بود نماز جمعہ در لکھنؤ بجماعت منعقد شد بہر حال جناب غفرانمآب مولانا طاب ثراہ در ترویج دین مبین و مذہب ائمۂ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین دقیقہ فرو نگذاشتہ''۔

تاریخ عماد السعادت صفحہ ۱۳۷ پر غلام علی بن محمد اکمل خاں، نواب حسن رضا خاں مرحوم اور غفرانمآبؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں ''بانی جمعہ و جماعت در اثنا عشریان در لکھنؤ او بودہ است در ہیچ شہرے از شہر ہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نہ بود بلکہ کسے راگمان ایں ہم نبود کہ در ایران و بلاد عرب نماز جماعت در اثنا عشریاں گزاردہ می شود''

علامہ شاہ حسین میرزا صفوی طوسی اپنے طویل منظومہ میں آپ کو ہندوستان کا پہلا امام جمعہ و جماعت قرار دیتے ہیں۔

میر دلدار علی صفوہ اطیاب کرام
رکن ایماں بخدا بود عماد اسلام
عالم با عمل و مجتہد قدس نژاد
ہادئ مذہب حق نائب معصوم و امام
مجتہد پیش ازو کس نشدہ بود بہ ہند
جمعہ و وعظ و جماعات بہ اویافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہان زفیو ضش گردید
نہج اثنا عشری یافتہ زو رونق تام

مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب ''مطلع انوار'' میں لکھتے ہیں ''مولانا دلدار علی نے نماز جمعہ بدعتوں کے قلع و قمع، درسِ اجتہاد کے قیام میں اولیت کا امتیاز حاصل کیا۔''

سلسلۂ طبقات العلماء میں مولوی مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نماز ظہرین روز جمعہ ۱۳؍رجب ۱۲۰۰ھ میں نواب حسن رضا خاں کے مکان پر ہوئی اور حضرت غفرانمآبؒ نے اقتدا کی، ۲۷؍رجب کو روز بعثت نماز جمعہ بجماعت ہوئی۔''

''جناب غفرانمآبؒ ہندوستان کی آخری خودمختار اور شاندار حکومت کے ابتدائی دور میں آفتاب بن کر ابھرے۔ ان کے علمی انوار سے آج تک کی تاریخ منور ہے وہ پہلے نامور عالم ہیں جو برصغیر سے تحصیل علوم اجتہاد کے لئے عراق گئے اور مجدد اکبر سید باقر سے کسب فیض کر کے آئے۔''

غفرانمآبؒ کی صد سالا یادگار پر علامہ کنتوری نے انہیں یوں یاد کیا ''غفرانمآبؒ نے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کر دیا اور ایسی روشنی جس کو آج ایک مہینہ کم سو برس گزرے روز وفات سے مرحوم غفرانمآبؒ کی مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علماء دین موجود ہیں (کثر اللہ امثالھم) یہ انہیں کی ذات کا فیض ہے۔

خدمات:

۱۔ لکھنؤ میں سب سے پہلے آپ نے لائبریری قائم کی جس کے بعد دوسرے علماء نے کتب خانے قائم کئے جس میں آپ کی مدد شامل رہی۔

۲۔ تعمیر حسینیہ:۔ جس سے قوم میں مجلسوں کی بنیاد قائم ہوئی۔ یہی عزاخانہ غفرانمآب کی آخری آرامگاہ ہے (جہاں ناصر الملت صاحب بوقت مشکلات دعاخوانی کے لئے آتے تھے اور سرِ مزار جناب غفرانؒ مآب مشغول دعا و مناجات ہوتے تھے) اور شیعی دنیا میں شام غریباں کی مجلس اسی ماتمکدہ کی تاریخی یادگار ہے جس سے قوم کا بچہ بچہ واقف ہے۔

۳۔ تعمیر حسینیہ نصیرآباد

۴۔ مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ جس میں تعمیر مسجد نصیر آباد بھی شامل ہے (جس کا ذکر قبل میں ہو چکا ہے)

۵۔ نواب آصف الدولہ سے تحریک کر کے کربلا میں نہر بنوائی جسے نہر آصفی کہتے ہیں مرزا فصیح فرماتے ہیں کہ

ہم نے نہ سنا تھا یہ سلف سے کبھی اب تک
برسات تو ہو ہند میں سیل آئے نجف تک

۶۔ نجف و کربلا و مقامات مقدسہ زر کثیر بھیج کر مدارس وطلاب کی مدد کی۔

۷۔ روضۂ حضرت سید الشہداءؑ روحی فداہ کی تعمیر میں حصہ اور اودھ کے زر و مال کی ترسیل، یہ وہ پہلا قدم تھا جس کو ان کی اولاد نے اور بڑے پیمانہ پر پہنچایا۔

۸۔ بدعات وتصوف واخباریت کا خاتمہ کیا۔

۹۔ عزائے سید الشہداءؑ کو فروغ دیا۔

۱۰۔ خلق خدا کے سیراب ہونے کے لئے جابجا کنویں بنوائے۔

۱۱۔ حکام اور مناصب جلیلہ پر فائز افراد کو پابند دین ومذہب کیا۔

۱۲۔ سنی شیعہ اتحاد کی فضا سازگار کی۔

۱۳۔ دشمنان مذہب حقہ کی تحریروں کے سبب اپنے قلم وزبان سے احقاق حق وابطال باطل کا کام انجام دیا۔

وفات حسرت آیات:

۱۸؍رجب گذر کر انیسویں شب (۱۲۳۵ھ) کو بعہد فرمانروائے اودھ غازی الدین حیدر بادشاہ یہ چراغ علم وہدایت خاموش ہو گیا اپنے ہی حسینیہ میں جسے وادی السلام ہند کہتے ہیں۔ ۶۹؍ سال کی عمر میں مدفون ہوئے ان کی وفات پر تمام جماعتیں مرثیہ خواں اور جملہ اسلامی ادارے نوحہ

گاہ بنے رہے۔ ہر درسگاہ میں عرصۂ دراز تک صف ماتم بپا رہی اور بیشتر شعراء وادباء کے قلم ودماغ برسوں ان کے تعزیتی اشعار اور مادہائے تاریخ کے لئے وقف رہے۔''

قطعات تاریخ ارتحال پر ملال

ا۔ قطعہ تاریخ مصنفۂ علامۃ العلماء مولانا سید احمد علی صاحب محمد آبادی

فقیہ و مجتہد و عالم و مروج دیں
شریف مکۂ علم و کمال و فضل وتقا
ضیائے دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم
عزیز مصرسیادت سپہر مجدوعلا
ندید چشم فلک مثل ایں مجدد دیں
کہ شاہد اند بفضل وبزرگیش اعدا
جمال در خور علم و کمال داشت ازاں
کہ شد ز روز ازل مہبط فیوض خدا
بآبیاریٔ ارشاد آں سحاب فیوض
دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا
رسید چوں شب تاسع عشر زماہ رجب
سفر بروضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جانکاہ شیعیاں یکسر
بسوز سینہ نمودند ماتمے برپا
چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں روداد
بدل گذشت کہ تاریخ آں کنم انشا

سروش غیب بہماں وقت ناگہاں فرمود
ستون دیں بزمیں اوفتاد واویلا

۱۲۳۵ھ

۲۔قطعہ تاریخ مصنفۂ میر منشی غلام حسین رضوی شائقؔ جائسی مرحوم

بغم سید دلدار علی ہادیٔ دیں
کہ نبد مثلش و ہمتاش ز دنیا شدہ حیف
جگر فرقۂ اثنا عشری چاک بچاک
دل ہر مومن دیندار شدہ غمکدہ حیف
بہ جہاں شور قیامت شدہ کو دامن خویش
بہ ہوائے سفر ملک بقا برزدہ حیف
پئے تاریخ وفاتش چو کشودم بسوال
لب پر شور بحالے کہ بدل پر بدہ حیف
ملکے گفت نمودند بخاکش چونہاں
''مہ تابان ہدایت بکسوف آمدہ حیف''

۱۲۳۵ھ

۳۔قطعہ تاریخ مصنفۂ سید محمد اسمٰعیل منیرؔ شکوہ آبادی (از کلیات منیرؔ)

قبلۂ اہل حدیث و کعبۂ اہل کلام
روح قدسی پیشوائے جن و انساں ہائے ہائے
جامع معقول و منقول اشرف ابرار عصر
اعلم و افقہ پناہ اہل ایماں ہائے ہائے

نائب پاک ائمہ بحر زہد و علم و فضل
میر دلدار علی ہادی دوراں ہائے ہائے
اورع واتقیٰ کلیم اوج طور اجتہاد
بست تصنیفات اوبیحدوپایاں ہائے ہائے
نظم کردم مصرع تاریخ رحلت اے منیرؔ
وارث علم پیمبر اوج ایماں ہائے ہائے

۱۲۳۵ھ

دوسری تاریخ میں نے اور موزوں کی منیرؔ
ہائے بدر پاک دیں ہر سپہر اجتہاد

اولاد و بنات غفران مآبؒ

زوجۂ اولیٰ (وطینہ) سے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں جن کے نام بترتیب درج ہیں۔

۱۔ سلطان العلماء آقا السید محمد مجتہد رضوان مآبؒ (خلف اکبر و قائم مقام غفرانمآبؒ علیہ الرحمۃ) متوفی ۲۲/ربیع الاول ۱۲۸۴ھ

۲۔ سید المفسرین مولانا السید علی مجتہد متوفی ۱۸/رمضان ۱۲۵۹ھ (آپ نے دو جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے جو اردو زبان میں دنیائے شیعیت کی سب سے پہلی تفسیر ہے)۔

۳۔ مولانا السید حسن مجتہد متوفی ۱۱/شوال ۱۲۶۰ھ (آپ نے اردو زبان میں علم کلام کی سب سے پہلی کتاب ''باقیات الصالحات'' تصنیف فرمائی ہے۔

۴۔ مولانا السید مہدی مجتہد متوفی ذی الحجہ ۱۲۲۱ھ۔

۵۔ سید العلماء آقا السید حسین علیین مکان متوفی ۱۷/صفر ۱۲۷۳ھ (آپ اپنے وقت کے اعلم دنیا تھے)

۶۔ ذکیہ بیگم (لاولد)

۷۔سلمیٰ بیگم (لاولد)

زوجۂ ثانیہ (غیر وطینہ) مسماۃ نیکا بی بی معروف بہ خانم صاحبہ سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں جن میں سے دو لاولد فوت ہوئیں اور صرف ایک بیٹی لطف النساء بیگم کی نسل چلی۔

حضرت غفران مآبؒ کے چند مخصوص تلامذہ

۱۔محقق کامل مولانا مرزا کاظم علی صاحب۔

۲۔مولانا مرزا محمد خلیل صاحب۔

۳۔علامۃ العلماء الحاج سید احمد علی محمد آبادی صاحب (اعظم گڑھ جواب مئو میں ہے) آپ عربی و فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔

۴۔مفتی سید محمد قلی موسوی کنتوری (آپ جناب مولانا سید حامد حسین موسوی صاحب قبلہ کے والد بزرگوار اور جناب ناصر الملت صاحب کے جد امجد تھے) آپ اپنے استاد معظم کے مشہور عزاخانے یعنی حسینیۂ غفرانمآبؒ میں آرام فرما ہیں۔

۵۔جلالت مآبؒ مولانا سبحان علی خان صاحب۔

۶۔مولانا میرزا فخر الدین احمد خان معروف بہ میرزا جعفر صاحب۔

۷۔مولانا سید یاد علی نقوی صاحب نصیر آبادی (آپ نے فارسی زبان میں تفسیر قرآن مجید تحریر فرمائی ہے۔جو ہندوستان میں شیعوں کی پہلی فارسی تفسیر ہے)

۸۔مولانا سید محمد باقر واعظ صاحب۔

۹۔مولانا میرزا محمد رفیع عرف مرزا مغل غافل۔

۱۰۔مولانا میر مرتضیٰ صاحب جونپوری۔

۱۱۔مولانا سید غلام حسین صاحب۔

۱۲۔مولانا سید شاکر علی صاحب

۱۳۔مولانا سید علی صاحب

۱۴۔حاجی مولانا سید نظام الدین حسین صاحب۔

۱۵۔مولانا مرزا جواد علی صاحب

۱۶۔مولانا حکیم مرزا علی شریف صاحب۔

۱۷۔مولانا سید مرتضیٰ صاحب

۱۸۔مولانا سید بہاء الدین صاحب۔

۱۹۔مولانا سید علی اصغر صاحب ابن مولانا سید بہاء الدین صاحب۔

۲۰۔مولانا حکیم مرزا علی صاحب

۲۱۔مولانا سید حمایت حسین عرف میر علی بخش صاحب کنتوری (عربی ادب اور شاعری میں یکتائے زمانہ تھے)

۲۲۔مولانا مرزا اسمٰعیل صاحب مبلغ دکن

۲۳۔مولانا مرزا محمد علی صاحب

۲۴۔علامہ سید سجاد علی جائسی (آپ نے عماد الاسلام کے مقدمات کا اردو میں ترجمہ کیا)

۲۵۔مولانا مرزا زین الدین احمد خاں عرف مرزا محسن صاحب (ماہر ادب وعلم عروض)

۲۶۔مولانا سید اعظم علی صاحب

۲۷۔ملا علی نقی قزوینی صاحب

۲۸۔مولانا سید علی نقی ابن بہاء الدین صاحب

۲۹۔مولانا سید بنیاد علی صاحب

۳۰۔مولانا میر خدا بخش (مختار آفرین علی خانصاحب) بانی کربلائے تال کٹورہ لکھنؤ (آپ کی اولاد جرول اور کنتور میں موجود ہے)

۳۱۔مولانا منوخانصاحب (آپ سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ ہو گئے تھے)

۳۲۔مولانا سید عبد العلی دیوکھٹوی (آپ فیض آباد کے خاندان پیشنماز کے مورث اعلیٰ ہیں)

۳۳۔مولانا سید محمد صاحب فیض آبادی ابن مولانا سید عبد العلی دیوکھٹوی

۳۴۔مولانا سید کلب علی صاحب فیض آبادی ابن مولانا سید عبد العلی دیوکھٹوی

۳۵۔مولانا سید اشرف علی صاحب بلگرامی

۳۶۔مولانا امان علی صاحب

۳۷۔مولانا سید اکبر علی حسینی

۳۸۔مولانا سید اکرم علی بنارسی

تصانیف غفرانمآبؒ

(۱) عماد الاسلام جس کا اصلی نام مرآۃ العقول ہے یہ کتاب علم کلام میں اتنی بسیط و ضخیم ہے جس کی مثال دنیائے تشیع کیا پورے عالم اسلامی میں بھی موجود نہیں ہے یہ عربی زبان میں ہے اور پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس کی دو جلدیں ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔(۲) شہاب ثاقب (عربی۔غیر مطبوعہ) یہ کتاب صوفیا کی رد میں ہے (۳) ذوالفقار (فارسی) یہ کتاب شاہ عبد العزیز کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ کے بارہویں باب کی رد ہے (۴) صوارم الالہیات (فارسی) یہ تحفۂ اثنا عشریہ کے باب الٰہیات کی رد میں ہے (۵) حسام الاسلام (فارسی) یہ تحفہ کے باب نبوت کا جواب ہے (۶) خاتمۂ کتاب صوارم (فارسی) یہ اثبات امامت میں ہے (۷) احیاء السنہ (یہ تحفہ کے مبحث معاد و رجعت کی رد میں ہے اور فارسی میں ہے)۔(۸) رسالۂ غیبت (فارسی) یہ شاہ عبد العزیز کے اقوال کی تردید ہے (۹) اساس الاصول (عربی) یہ اخباریوں کی رد میں ہے (۱۰) موعظہ حسینیہ۔ یہ آپ کے مواعظ کا مجموعہ ہے (۱۱) شرح حدیقۃ المتقین (فارسی) کتاب الصوم (۱۲) شرح حدیقۃ المتقین (فارسی) کتاب الزکوٰۃ (۱۳) رسالہ در باب نماز جمعہ (۱۴) حاشیہ صدرا (۱۵) رسالۃ المثناۃ

بالتکریر (۱۶) منتہی الافکار (عربی۔ اصول فقہ) (۱۷) اشارۃ الاحزان علیٰ قتیل العطشان (عربی۔ مقتل) (۱۸) مسکن القلوب عند فقد المحبوب (عربی۔ مصائب انبیاء وائمہ) (۱۹) اجازۂ جناب سلطان العلماء (۲۰) رسالہ در جواب سوالات محمد سمیع صوفی (فارسی) (۲۱) رسالہ ارضین (عربی) (۲۲) رسالہ ذھبیہ (۲۳) رسالہ رد نصاریٰ (۲۴) مطارق (رد اخباریین) (۲۵) رسالہ کفن (ادعیہ کفن) (۲۶) رسالہ شرح سلم العلوم ملا حمد اللہ (عربی، منطق) (۲۷) جواب مسائل فقہیہ۔

نمونۂ کلام حضرت غفرانمآب

یہ اڑتالیس اشعار کا قصیدہ ہے جس کے چند شعر نذر ناظرین وقارئین ہیں۔

عہدیست زمن خامہ مشکینہ رقم را
مداحئ سلطان عرب شاہ عجم را
ابکار مضامین کہ بود زادۂ فکرم
جائز نبود خطبہ اش ارباب نعم را
آنکس کہ بود بادہ کش از ساغر کوثر
بر خاک مذلت زنداو ساغر جم را
بادوستیت عشق بتاں کفر شمارم
در کعبۂ دل جاندہم سنگ صنم را
بر فرق حدوث ار نہ شدے ظل وجودت
پاداش منے کرد بجز کتم عدم را
دستم کہ سیہ می شوداز سودن درہم
از حسرت دست تو بود لا و نعم را
خاک از رخ تو ختم رسل پاک نماید

وز لطف گزارد بسر دوش قدم را
سرمایۂ خود را بتو دادیم تو دانی
باما نبود کار چہ بسیار چہ کم را
فریاد ازیں ساقیٔ میخانۂ دنیا
ہر صبح و مسامی دہدم ساغر غم را
نور است علیٰ النور حقیقی و اضافی
نازیم بوصف خود و وصف اب و عم را
تاذات شریف تو رسد گر بشمارم
ایں سلسلہ جدیم ارباب کرم را
شاہانہ شفاعت چو شود روز قیامت
محروم نہ سازی من مسکین دژم را
مارا زدل خویش فراموش نہ سازی
روزے کہ فراموش نمایند اب وعم را
سیدؔ تومیندیش و مشو مضطرب الحال
داری بہ سرت سایہ فگن فخرِ امم را

علامہ مفتی سید محمد قلی کی تحقیق کے مطابق

ہندوستان کی پہلی مسند اجتہاد

اور شیعوں کی پہلی نماز جماعت وجمعہ

سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی

علامہ مفتی سید محمد قلی خان بہادر صاحب موسوی کنتوری (متولد ۵/ذیقعدہ دوشنبہ ۱۱۸۸ھ بمقام کنتور ضلع بارہ بنکی متوفی ۹ر محرم ۱۲۶۰ھ بمقام لکھنؤ مدفون بہ حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ۔ شاگرد رشید حضرت غفران مآبؒ) ابوالفضل ناصر الملۃ شمس العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید ناصر حسین موسوی کنتوری (متولد ۱۹ر جمادی الثانی ۱۲۸۴ھ مطابق اکتوبر ۱۸۶۷ء پنج شنبہ بمقام لکھنؤ متوفی یکم رجب ۱۳۶۱ھ پنج شنبہ بمقام لکھنؤ مدفون بہ احاطۂ مزار حضرت شہید ثالثؒ آگرہ) کے جد مجد اور رئیس المتکلمین آیۃ اللہ علامہ سید حامد حسین موسوی کنتوری صاحب عبقات الانوار (متولد ۵ر محرم ۱۲۴۶ھ بمقام میرٹھ، متوفی ۱۸ر صفر ۱۳۰۶ھ مطابق ۲۵/اکتوبر ۱۸۸۸ء مدفون بہ حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ۔ ارشد تلامذۂ اعلم عالم آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید حسین نقوی قبلہ وکعبہ میرن صاحب علیین مکانؒ) کے والد ماجد تھے۔ مفتی صاحب ''آغا روحی'' صاحب کے والد ماجد مولانا سید محمد سعید موسوی عبقاتی طاب ثراہ کے پردادا تھے۔

علامہ مفتی سید محمد قلی خان بہادر صاحب نے فارسی زبان میں رسالہ ''احکام عدالت علویہ''، قضا وافتاء کے موضوع پر لکھا جس کے سنہ تصنیف کا پتا نہیں چلتا لیکن یہ ایک سو چوبیس (۱۲۴) صفحات (بڑے سائز کے) کی کتاب ۱۲۵۹ھ میں بحکم ابوالظفر ثریا جاہ سلطان عادل محمد امجد علی شاہ بادشاہ مطبع سلطانی سے شائع ہوئی ہے اور یہ کتاب صرف قاضیان کرام ومفتیان عظام کو دی گئی تھی اور ہر

کتاب کی ابتدا اور اس کے اختتام پر امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی مہر ثبت کی گئی تھی۔

اس کتاب کا تذکرہ لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی نے اپنی تصنیف سلسلۂ طبقات العلماء میں ''علامہ مفتی سید محمد قلی خاں'' نامی مضمون میں اس طرح کیا ہے کہ یہ مفتی صاحب کے ''منصب عدالت کے زمانے کی تصنیف ہے اس میں احکام قضا وافتاء اور شرائط قاضی ومفتی تحریر کئے ہیں۔'' مولانا عزیزؔ لکھنوی آیۃ اللہ ناصر الملۃ طاب ثراہ کے بڑے معتقد تھے بلکہ موصوف کے دربار کے شعراء میں بھی محسوب تھے۔ عزیزؔ مرحوم کا مفتی صاحب پر تصنیف کردہ مضمون خود مصنف کے عہد ادارت میں جولائی ۱۹۲۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کے ماہنامہ ''الواعظ'' میں شائع ہوا ہے عزیزؔ مرحوم شاید شیر ہندوستان، کلیم اہلبیت، خطیب اعظم، سید الادباء، امیر الشعراء، ملک الناطقین، شمس الواعظین علامہ سید سبط حسن نقوی فاطرؔ جائسی (جو شاید مدرسۃ الواعظین کے پہلے پرنسپل ہیں) کی مدیریت کے بعد الواعظ کے دوسرے مدیر ہیں۔ (دونوں باتوں میں تقریباً یقین کی منزل پر ہوتے ہوئے بھی ''شاید'' اس لئے لکھ دیا ہے کہ کئی تحقیقی کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے ان دونوں باتوں کے لئے کتابیں دیکھنے کا وقت بالکل نہیں ہے۔

عزیزؔ مرحوم کے مضمون ''علامہ مفتی سید محمد قلی خان'' کی افادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بندہ نے ماہنامہ ''شعاع عمل'' کی جلد-۲ شمارہ-۹ مارچ ۲۰۰۶ء مطابق صفر ۱۴۲۷ھ میں شائع کیا ہے۔

ہندوستان کی پہلی نماز جماعت وجمعہ

علامۂ مفتی اپنی کتاب ''احکام عدالت علویہ'' میں صفحہ-۸ اور ۹ پر مقدمۂ کتاب میں رقم طراز ہیں: ''در بیان سبب تصنیف ایں رسالہ بدانکہ قبل ازیں سنیان ہندوستان بر شیعیان طعن می کردند ومی گفتند کہ درمذہب شیعہ نماز یومیہ بجماعت ونماز جمعہ گزاردہ نمی شود تاآنکہ جنت آرامگاہ نواب آصف الدولہ مرحوم بتاریخ سیز دہم ماہ رجب سنہ یک ہزار ودوصد ہجری (۱۲۰۰) نماز ظہر وعصر را باقتداء عالی جناب افاضت مآب افادت ایاب اعظم الافاخم

والفخم الاعاظم اکرم الاماجد اقدس الاکارم افضل الحکمآء المتکلمین واکمل الفقہآء والمجتہدین قدوۃ المحققین اسوۃ المدققین عمدۃ العلمآء الراسخین زبدۃ الفضلآء الکاملین السید الاجل والسند الاکمل والمولیٰ الاجمل والاولیٰ الافضل الاتقیٰ الاعدل الاورع الافقہ الاعمل الاصلح الابذل مروّج صلوٰۃ الجمعۃ والجماعات فی فرائض الطاعات جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول سیدنا ومخدومنا ومولانا ومقتدانا استاذنا جناب غفران مآب مولوی سید دلدار علی النصیرآبادی علیہ الرحمۃ والایادی من اللہ الھادی ادافر مودند والحال می گویند کہ قاضی ومفتی شیعی مذہب نمی باشد بنابر ان این رسالہ در احکام قاضی ومفتی شیعی مذہب موافق طریقۂ اہل حق امامیۂ اثنا عشریہ تصنیف نمودہ۔''

۱- ہندوستان کا پہلا مرجع تقلید اور پہلا مدرسۂ اجتہاد

علامۂ مفتی فقہ و اجتہاد پر طویل بحث کرتے ہوئے فقہاء و مجتہدین کے بیانات اور فقہاء و مجتہدین کے صفات و شرائط پیش کرنے کے بعد صفحہ-۵۹، ۶۰، ۶۱ اور ۶۲ پر رقمزن ہوتے ہیں کہ ''ازین بیان واضح شد بطلان قول کسانیکہ می گویند کہ حصول قدرت اجتہاد منحصر ومختص است بعلماء بلاد عرب وفارس ودراقلیم ہندوستان مجتہد پیدا نمی شود وپس اجرائے فتاویٰ مذہب حق امامیہ اثنا عشریہ دربلاد این اقلیم ممکن ودرست نباشد زیرا کہ دانستی کہ شرائط حصول قدرت اجتہاد امور مذکورہ است ومجموع آن امور را از اہل این بلاد اول کسے کہ تحصیل فرمود عالی جناب افاضت مآب افادت ایاب افضل الحکماء والمتکلمین واکمل الفقہاء والمجتہدین قدوۃ المحققین جامع المعقول والمنقول حاوی الفروغ والاصول سیدنا ومخدومنا ومولانا ومقتدانا واستاذنا جناب غفران مآبؒ بودہ وثبوت اجتہاد آن عالی جناب غفران مآبؒ بہ شہادات واجازات علماء محققین وفقہاء مدققین ومجتہدین مقدسین کربلاء معلی ونجف اشرف ومشہد مقدس علی ساکنہا افضل الصلوٰۃ والسلام بہ وضوح پیوستہ ومجلدات خمسۂ کتاب مستطاب ''عماد الاسلام'' ومجلدات ثلاثہ ''شرح حدیقۃ المتقین'' وکتاب ''شہاب ثاقب'' و ''اساس الاصول'' و ''صوارم'' و''حسام''

و "رسالۂ جمعہ" ودیگر رسائل عربیّہ وفارسیّہ شہادت نامۂ برحصول این قدرت درآن جناب مقدس دارند وآن عالی جناب بعد تعلیم وتلقین مقدمات ستۂ مذکورہ از اصول وفروع دین وعلوم عقلیّہ ونقلیّہ وفروع مسائل فقہیہ ودیگر مقدمات اجتہاد بولدِ امجد وخلف ارشد خود اعنی عالی جناب فضائل مآب جامع الکمالات مجمع الحسنات ملائک صفات مکرمت سمات فخرا الحکماء والمتکلمین شرف الفقہاء والمجتہدین قدوۃ المحققین زبدۃ المدققین عمدۃ العلماء الراسخین اسوۃ الفضلاء الکاملین السید الاجل والسند الاکمل والمولیٰ الاجمل والاولیٰ الافضل الاتقیٰ الاعدل الاورع الاعقل الافقہ الاعمل الاصلح الابذل جامع المعقول والمنقول حاوی الفروع والاصول المواظب علیٰ فرائض الطاعات والعبادات الراغب فی سنن الجمعۃ والجماعات عین اعیان الانسان وحیدالدھر فرید الأوان مجتہد العصر والزمان الموید من اللہ الصمد والمستمد من فضل ربہ الاحد مولانا الامجد المولوی السید محمد لازال کاسمہٖ الحمید محمد او محمودا اجازت مشتملہ براجازت علماء عراق عرب وفارس کہ آن جناب امارت مآب را حاصل شدہ بود برائے ایں عالی جناب تحریر فرمود ومصنفات آن عالی جناب فضائل مآب جامع الکمالات مجمع الحسنات ملائک صفات مکرمت سمات دلالۂ واضحہ برحصول قوت تامہ اجتہاد درآں جناب دارد بدانکہ درعراق عرب وفارس در بعض ازمان بظاہر حال مجتہد علی التحقیق مفقود بودہ"

علامۂ مفتی کے دونوں اقتباسات سے اتنا تو ثابت وواضح ہوگیا ہے کہ ۱۳؍رجب ۱۲۰۰ھ سے پہلے ہندوستان میں کہیں بھی شیعوں کی نماز جماعت قائم نہیں ہوئی اوراسی طرح ۲۷؍رجب ۱۲۰۰ھ سے پہلے ہندوستان میں کہیں بھی نماز جمعہ قائم نہیں تھی قیام نماز جمعہ وجماعت سے پہلے مجدد الشریعہ محیی الملۃ مصلح اعظم ہند ماحی البدعات قاطع الصوفیۃ والاخباریۃ بحرالعلوم آیۃ اللہ العظمٰی السید دلدار علی نقوی غفران مآبؒ، نے فقہ میں استدلالی کتاب "رسالہ جمعہ" تصنیف فرمائی اور جب حالات بھرپور سازگار ہوگئے تو آپ نے ۱۳؍رجب جمعہ کو لکھنؤ میں نماز ظہرین پڑھائی اور ۲۷؍رجب کو نماز جمعہ پڑھائی۔

''ورثۃ الانبیاء'' میں حکیم الامۃ علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد طاب ثراہ نے ''تذکرۃ العلماء'' و ''آئینۂ حق نما'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اول نماز ظہرین بطریق شیعہ بجماعت در عہد کرامت مہد نواب آصف الدولہ بہادر روز جمعہ سیزدہم ماہ رجب ۱۲۰۰ھ در قصر نواب حسن رضا خاں صاحب مرحوم منعقد شد و بتاریخ بست و ہفتم ہمیں ماہ کہ روز مبعث بود نماز جمعہ در لکھنؤ بجماعت منعقد شد بہرحال جناب غفران مآب مولانا طاب ثراہ در ترویج دین مبین و مذہب ائمۂ معصومین صلوٰت اللہ علیہم اجمعین دقیقہ فرو نگذاشتہ''

عہد حضرت غفران مآبؒ کی کتاب ''تاریخ عماد السعادت صفحہ ۔ ۱۳۷ پر غلام علی بن اکمل خان، نواب حسن رضا خاں مرحوم اور غفران مآبؒ کے تذکرہ میں ترقیم فرماتے ہیں کہ ''بانی جمعہ وجماعت دراثنا عشریان در لکھنؤ او بودہ است در ہیچ شہرے از شہرہائے ہندوستان نماز جمعہ وجماعت درمذہب امامیہ رائج نبود بلکہ کسے را گمان این ہم نبود کہ در ایران وبلاد عرب نماز جماعت در اثنا عشریان گزاردہ می شود''

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی ''مطلع انوار'' میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا دلدار علی نے نماز جمعہ، بدعتوں کے قلع وقمع اور درسِ اجتہاد کے قیام میں اولیت کا امتیاز حاصل کیا۔''

سلسلۂ طبقات العلماء میں لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ: ''سب سے پہلے نماز ظہرین روز جمعہ تیرہ رجب ۱۲۰۰ھ میں نواب حسن رضا خاں کے مکان پر ہوئی اور حضرت غفران مآبؒ نے اقتدا کی ۔ ۲۷ /رجب کو روز بعثت نماز جمعہ بجماعت ہوئی۔''

دوسری بات علامۂ مفتی کی تحریروں سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت غفران مآبؒ ہی ہندوستان کے پہلے مجتہد جامع الشرائط اور مرجع تقلید ہوئے اور پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے مسندِ اجتہاد آراستہ کر کے درسِ اجتہاد کا سلسلہ شروع کیا اور حضرت غفران مآبؒ نے سب سے پہلا جس ذات ستودہ صفات کو اجازۂ اجتہاد عطا فرمایا وہ موصوف کے فرزند ارجمند قبلہ وکعبہ اعلم عالم بحر العلوم آیۃ اللہ

العظمٰی السید محمد نقوی رضوان مآب علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان میں ایک عظیم تاریخی کارنامہ انجام دیا یعنی اودھ میں حکومت شرعیہ قائم فرمائی اور اسی حکومت کے مدّنظر مفتی علامہ نے ''احکام عدالت علویہ'' رسالہ تصنیف فرمایا۔

علامہ شاہ حسین میرزا صفوی طوسی نور اللہ مرقدہ اپنے طویل منظومے میں راقم ہیں کہ:

''میر دلدار علی صفوہ اطیاب کرام
رکن ایماں بخدا بود عماد اسلام
عالم باعمل ومجتہد قدس نژاد
ہادئ مذہب حق نائب معصوم وامام
مجتہد پیش از وکس نشدہ بود بہ ہند
جمعہ ووعظ وجماعات باویافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہاں زفیوضش گردید
نہج اثنا عشری یافتہ زو رونق تام''

غفران مآب علیہ الرحمۃ کی صد سالہ یادگار پر علامہ سید غلام حسنین کنتوری رحمہ اللہ نے انھیں یوں یاد کیا ہے کہ: ''غفران مآبؒ نے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کردیا اور ایسی روشنی جس کو آج تک ایک مہینہ کم سو برس گذرے روز وفات سے مرحوم غفران مآبؒ کی مگر آج بھی ہمارے ملک میں ایک ہزار سے زیادہ علماء دین موجود ہیں (کثر اللہ امثالہم) یہ انھیں کی ذات کا فیض ہے۔''

یقیناً اس مجدد کبیر اور مصلح عظیم اور اس کی نسل پاک کے فقہاء وعلماء کے احسانات سے ہندوستان کا کوئی شیعہ سر نہیں اٹھا سکتا ہے جنھوں نے اپنے مدرسۂ علوم واجتہاد سے ہزاروں اشخاص کو دولت علوم سے مالامال کر کے کل کے طویل وعریض ہندوستان میں نشر علوم محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے بکھیر

دیئے۔ آج ہندوستان میں مذہب وعزاداری کا جو بھی ڈھانچہ ہے وہ حضرت غفران مآبؒ اور ان کی اولاد پاک ہی کا ترتیب وترویج دادہ ہے۔

خطیب اکبر لسان الشعراء مولانا سید اولاد حسین نقوی شاعرؔ اجتہادی فرماتے ہیں کہ:

ڈیڑھ سو سال سے یکساں ثمر افشاں ہے یہ باغ
بزم وساقی تو بدلتے رہے بدلا نہ ایاغ
نہ دبے اپنے پرایوں سے کبھی اپنے دماغ
روشنی لیتے رہے میرے چراغوں سے چراغ
یہ بھی کہہ دوں کہ شرف میرا رہے گا کب تک
آئے آواز ''بلافصل'' اذاں میں جب تک

❁❁❁

حضرت غفرانمآب رحمۃ اللہ علیہ مولانا سید دلدار علی

اور شیعہ سماج کی تشکیل

تحریر: مبلغ اعظم حجۃ الاسلام مولانا سید سعید اختر رضوی صاحب قبلہ گوپالپوری طاب ثراہ

اقتباس : فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی صاحب

یہ امتیاز مرحوم آصف الدولہ کو حاصل ہے کہ ان کے عہد معدلت مہد میں (۱۱۸۸ھ ۱۲۱۲ھ ۱۷۷۵ء ۱۷۹۷ء) اودھ، بلکہ شمالی ہند میں شیعہ سماج کی بنیاد پڑی یعنی تقیہ کا عمل دخل ختم ہوا شیعہ عقائد کی بلاخوفِ لومۃ لائم ترویج ہوئی۔ عزاداری کو فروغ دیا گیا شیعہ احکام ومناسک پر علی الاعلان عمل شروع ہوا شمالی ہند میں شیعوں کی نماز جمعہ قائم ہوئی شیعہ اصول وفروع کی تعلیم کے لئے مدارس قائم ہوئے۔ تشیع میں تصوف کی آمیزش ختم ہوئی اور اوہام پرستی کا بڑی حد تک قلع وقمع کیا گیا۔ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ تشیع کی جو خدمت شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران اور عراق میں انجام دی وہ آصف الدولہ نے شمالی ہندوستان میں انجام دی اور دونوں حکمرانوں کے جانشینوں نے ان کے قائم کردہ معاشرہ کو مزید استحکام بخشا مجلسوں اور جلوس ہائے عزا کو ہر طبقہ میں رائج کیا گیا حکمرانوں کی دیکھا دیکھی ہندو اور سنی امرائے دربار نے بھی امام باڑے اور کربلائیں تعمیر کیں۔ اس طرح ہندوستان کی طویل تاریخ میں پہلی مرتبہ شیعوں کا ایک واضح تشخص قائم ہوا اور ایک ایسا سماج وجود میں آیا جس میں شیعہ عوام اور خواص تقیہ کے بندھن سے آزاد ہوکر زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اصول ونظریات کے مطابق عمل پیرا ہو سکتے تھے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ غفرانمآب علیہ الرحمۃ کی جدوجہد اور رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر حکمراں یا ان کے نائب السلطنت

سرفراز الدولہ حسن رضا خان کی سرپرستی اور حمایت حاصل نہ ہوتی تو جو کچھ ہوا اس کا عشر عشیر بھی ممکن نہیں تھا۔

سرفراز الدولہ نے غفرانمآبؒ کے سفر عراق و ایران کو ممکن بنایا۔ غفرانمآبؒ ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء میں عراق گئے اور ۱۱۹۴ھ ۱۷۸۰ء میں واپس آئے۔ چونکہ عراق جانے اور ہندوستان واپس آنے کی تاریخ نہیں معلوم، اس لئے اگر ہم اوائل ۱۱۹۳ھ میں روانگی اور اواخر ۱۱۹۴ھ میں واپسی فرض کرلیں اور لکھنؤ سے کراچی اور وہاں سے بصرہ ہوتے ہوئے عراق پہونچے اور وہاں سے مشہد پھر وہاں سے براہ ہرات و کابل درہ خیبر سے گذر کر دہلی ہوتے ہوئے لکھنؤ تک کی واپسی کا دورانیہ چھ مہینہ بھی فرض کریں تو تحصیل کی مدت ڈیڑھ سال رہ جاتی ہے بادی النظر میں یہ مدت بہت کم معلوم ہوتی ہے جیسا کہ J.R.ICOLE نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ غفرانمآبؒ نے ہندوستان ہی میں معقولات و منقولات پر کامل عبور بلکہ استادانہ مہارت حاصل کر لی تھی۔ عراق و ایران کے سفر کا ان پر جو اثر پڑا وہ یہ تھا کہ وہ جاتے وقت اخباریت کے حامی تھے لیکن عراق پہونچ کر دیکھا کہ وحید بہبہانی کی مسلسل علمی جد و جہد کے نتیجہ میں اصولی مسلک غالب آ گیا تھا۔ غفرانمآبؒ نے شیخ جعفر کاشف الغطاء سید علی طباطبائی (صاحب ریاض المسائل) اور سید مہدی شہرستانی اور سید مہدی بحر العلوم جیسے اساطین علم و اجتہاد سے استفادہ کیا ان سب سے اصولی و اخباری نزاع پر مباحثہ کیا، یہاں تک کہ خود وحید بہبہانی سے کسب فیض کیا اور کربلا کے کتب خانوں میں اس قضیہ سے متعلق جتنی کتابیں ملیں ان سب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس علمی تنقیح و تہذیب کے نتیجے میں اس امر کو تسلیم کرلیا کہ اصولی مسلک ہی صحیح و صواب ہے۔ واپسی کے سفر میں مشہد مقدس میں سید مہدی اصفہانی نے ان کو اجازہ اجتہاد دیا اور ہندوستان آنے کے بعد جب غفرانمآبؒ نے اپنی مبسوط کتاب ''اساس الاصول'' اپنے اساتذہ کو بھیجی تو سید مہدی شہرستانی، سید مہدی بحر العلوم اور سید علی طبا طبائی نے بھی گرانقدر اجازے مرحمت فرمائے۔

غفرانمآبؒ کی واپسی ہندوستان کے تقریباً ساڑھے پانچ سال بعد ملا محمد علی بادشاہ جیسے عالم عارف نے نواب سرفراز الدولہ کے لئے ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں نماز جمعہ کی اہمیت ظاہر کی اور غفرانمآبؒ کی زبردست مدح و ثنا کرتے ہوئے اور ان کی فرشتہ سیرتی کا اعلان کر کے مجتہدین کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس سے اجازات جلیلہ حاصل کرنے اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہونے کا اقرار کیا اور آنجناب نیز ان کے دو شاگردوں، سید مرتضیٰ اور مرزا محمد خلیل زائر کو امامت جمعہ کا اہل قرار دیا باب پنجم میں نواب آصف الدولہ سے التماس کیا کہ نماز جمعہ ان میں سے کسی ایک کی امامت میں ضرور قائم کریں۔ اخباریت کے عروج کے زمانے میں نماز جمعہ کا قیام غیر معمولی شجاعت و بسالت کا متقاضی تھا۔ اسی درمیان میں مشہور صوفی سید علی اکبر مودودی چشتی نے (جو سرفراز الدولہ کے مرشد تھے) بھی اسکی زبردست تائید کی اور اس طرح ۲۷؍ رجب ۱۲۰۰ھ (۲۶؍ مئی ۱۷۸۵ء) کو لکھنؤ میں مولانا سید دلدار علی (غفرانمآبؒ) کی امامت میں نماز جمعہ قائم ہوئی۔

نماز جمعہ کے ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ایک زبردست پلیٹ فارم غفرانمآبؒ کے ہاتھ میں آیا۔ اور آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے شیعہ قوم کے عقائد و اعمال کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالنا شروع کیا۔ جب تصوف کی مخالفت شروع کی تو طبعاً سید علی اکبر مودودی سے اختلاف ہوا جسکی وجہ سے نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں عجیب کشاکش میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن انہوں نے شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا وعظ و ارشاد کے نتیجہ میں لوگوں کے عادات و اطوار میں اصلاح ہوئی۔ خود آصف الدولہ نے بھنگ نوشی ترک کر دی۔ اوہام پرستی اور انواع و اقسام کے توہمات سے شیعہ قوم کو آزادی دلانے کی کوشش کی۔ شیخ سدو کا بکرا، سید سالار غازی کا جھنڈا، بابا گنج شکر کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری، شیخ فرید کی شیرینی، عرس اور قوالیاں ان سب چیزوں کی لت چھڑائی۔ قبروں پر چادریں، پنکھے اور جھنڈے چھڑانے کا سلسلہ بند کرایا۔

سرفراز الدولہ اگر شہنشاہ اکبر کی طرح نوشتہ خواند سے بے بہرہ تھے لیکن بہت ہی علم دوست اور

حامیٔ مذہب تھے۔انہوں نے فیض آباد اور فرخ آباد میں علمی درسگاہیں قائم کیں۔۔۔۔ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی کتابیں ایک وقیع کتب خانہ قائم کیا۔اکبری دروازہ کے پاس ایک مسجد اور امام باڑہ تعمیر کیا اور آصفی امام باڑہ کے قریب ایک اور امام باڑہ بنوایا۔غفرانمآبؒ کے حلقۂ درس سے ایسے ایسے جہابذہ فن نکلے جنکے نام آج تک دلوں کو نور اور ایمان کو استقامت بخشتے ہیں۔مولانا سید احمد علی محمد آبادی مفتی سید محمد قلی کنتوری، مولانا سید یاد علی مفسر، مولانا حکم مرزا اسمٰعیل (مبلغ دکن)۔مولانا سید عبدالعلی دیوکٹھیاوی، مولانا سید محمد عبادت امروہوی اور ان جیسے دیگر حضرات نے شمالی ہند بلکہ دکن میں بھی تشیع کے استحکام اور فروغ میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔مخالفین کے حملوں کے جوابات لکھے۔یہ حقیت بھی نا قابل انکار ہے کہ اگر آصف الدولہ کی کوششوں کے نتیجہ میں شیعوں کو تقیہ سے نجات نہ ملتی تو تحفۂ اثنا عشریہ کے مختلف ابواب اور مباحث کے وہ بیں جوابات جو اودھ میں لکھے گئے (جن میں سے بیشتر غفرانمآبؒ، سلطان العلماء رضوانمآبؒ، مفتی محمد قلی اور میر سید حامد حسین کے رشحات قلم تھے) وہ نہ لکھے جاسکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تحفۃ کی اشاعت ۱۲۰۴ھ کے دو سال کے اندر ۱۲۰۶ھ میں شہید رابع حکیم مرزا محمد کامل نے اس کے جواب میں نزہۂ اثنا عشریہ کی جلدیں لکھنی شروع کیں تو ان کو کس طرح زہر دیکر شہید کر دیا گیا۔آصف الدولہ نے غفرانمآبؒ کی تحریک پر کربلا میں نہر بنوائی۔اس نہر کا ذکر دوبارہ امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۲ء ۱۸۴۷ء) کے دور میں ملتا ہے کہ بادشاہ نے سید العلماء سید حسین کی فرمائش پر ''مصارف نہر آصفی'' کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے بھیجوائے۔اس نہر کا ذکر مفتی محمد عباس کی ظل ممدود، علامہ ہندی، کی ''ورثۃ الانبیاء'' مرتضیٰ حسین فاضل کی مطلع انوار اور چودھری سبط محمد نقوی کی امجد علی شاہ میں آیا ہے۔لیکن ان میں سے کسی کے بیان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی اور راقم الحروف بھی عرصہ تک نہ سمجھ سکا کہ ان دونوں بیانات کو کیونکر باہم منطبق کیا جائے۔یہ مشکل علمائے نجف کی تحریروں سے حل ہوئی۔شیخ محمد رضا المظفر نے جواہر الکلام (طبع جدید) کے دیباچہ میں اور آغائے بزرگ تہرانی نے الکرام البررہ میں

جو افادہ فرمایا ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ نہر آصفی المسیب سے شروع ہوکر ۱۲۰۸ھ میں نجف تک پہونچی۔ کچھ عرصہ بعد پوری نہر ریت سے بھر گئی سید العلماء نے امجد علی شاہ سے کہکر ڈیڑھ لاکھ روپیہ شیخ محمد حسن (صاحب جواہر الکلام) کے پاس بھیجوایا کہ اس نہر کو صاف کرا کے پھر سے کھلوا دیں، کام شروع ہوا اور قریب بہ اختتام پہونچا تھا کہ ۱۲۶۶ھ میں صاحب جواہر الکلام کا انتقال ہو گیا اور کام رک گیا۔ صاحب جواہر کے ایک شاگرد سید اسد اللہ اصفہانی نے کچھ عرصہ کے بعد اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا انہوں نے اصفہان سے روپیہ اور انجینئر بھیجے۔ چھ سال کی محنت کے بعد ۱۲۸۸ھ میں نہر کا پانی نجف تک پہونچ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ نہر بھی بالو اور ریتی سے بھر گئی۔ اور اب صرف اسکی داستان باقی رہ گئی ہے۔

کسی نے اصل نہر آصفی کی تاریخ ''صدقۂ جاریہ'' سے نکالی تھی لیکن اس میں فنی غلطی ہے کیونکہ جب تک ہائے مدور (ۃ) کو (ت) نہ فرض کیا جائے ۱۲۰۸ کا عدد نہیں نکلتا بہر حال آصف الدولہ کی اس دریا دلی کو سلاطین اودھ نے جاری رکھا اور نجف و کربلا وغیرہ کے مشاہدۂ مقدسہ کی تعمیر یا گنبد پر سونا چڑھانے یا مرمت کے لئے رقمیں دی جاتی رہیں۔ اور اس طرح شمالی ہند کے شیعہ معاشرہ کا قریبی تعلق ایران وعراق سے شیعہ سماج سے قائم ہوگیا جو بحمد اللہ آج تک جاری وساری ہے۔

۞۞۞

حسینیہ مجدد الشریعۃ حضرت غفران مآبؒ

ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور صاحب قبلہ

اس جلیل القدر ہستی کے پاک ہاتھوں کی بناء ہے جس نے اپنے بحرِ علم سے ایسے ایسے دریائے علوم جاری کر دیئے جن سے آج تک سالکانِ صراطِ مستقیم سیراب ہوتے رہے اور قیامت تک پیاس بجھاتے رہیں گے۔

حضرت غفران مآبؒ ہندوستان کے پہلے مجتہد ہیں جنھوں نے ہندوستان میں علم اجتہاد اور خاندان اجتہاد کی بنا ڈالی آپ ہی کی ذات وہ ذات ہے جس کی اولاد میں ایک صدی سے سلسلہ اجتہاد برابر جاری ہے اور آج بھی آپ کے خاندان میں فخر المجتہدین جناب سید سبط حسین صاحب قبلہ کہف العلماء جناب سید ابن حسن صاحب قبلہ، ممتاز العلماء جناب سید ابوالحسن صاحب قبلہ، ظہیر العلماء جناب سید محمد ہادی صاحب قبلہ، عمدۃ العلماء جناب سید کلب حسین قبلہ (امام جمعہ)، علامۂ ہندی حکیم الامۃ جناب سید احمد صاحب قبلہ، سراج العلماء جناب سید محمد صاحب قبلہ موجود ہیں ان کے علاوہ ہندوستان میں کوئی ایک مجتہد مشکل ہی سے ایسا نکلے گا جس کا سلسلہ تلمذ حضرت غفران مآبؒ تک منتہی نہ ہوتا ہو۔

آپ ہی نے سب سے پہلے ہندوستان میں نماز جمعہ و جماعت شیعہ اصول پر عہد نوابِ آصف الدولہ میں ادا فرمائی۔ آپ نے اپنی ساری عمر تجدید شریعت و ترویج عزاداری میں صرف کی اور اپنے بعد بھی اگر کوئی چیز یادگار میں چھوڑی تو وہ مذہبی تصانیف یا ایک امام باڑہ تا کہ بعد وفات بھی مومنین کو فیض پہنچتا رہے کیونکہ جناب کی بیس پچیس تصانیف میں سے ''عماد الاسلام'' اور ''ذوالفقار'' ایسی کتابیں بھی ہیں جن کی علم کلام و مناظرہ میں نظیر نہیں بلکہ یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ آج تصانیف میں

سے جو کتابیں شائع ہوگئیں ہیں وہ تقریباً وہی خدمات کررہی ہیں جو مصنف کے تھے۔ اسی طرح امام باڑہ کو بھی بانی کے خدمات کا ایک نمونہ سمجھنا چاہئے کیونکہ ابتدا سے آج تک ایسے ایسے جواہر العلوم کا خزینہ چلا آرہا ہے جن کی بابت حضرت رسالت مآبؐ نے "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ" فرمایا ہے۔ اس امام باڑہ میں خود حضرت غفران مآبؒ، حضرت سلطان العلماء، حضرت سید العلماء، حضرت رئیس المجتہدین (سید مرتضیٰ صاحب)، صدرالشریعۃ سید محمد ہادی، حضرت ملک العلماء، حضرت تاج العلماء، حضرت عماد العلماء، حضرت بحر العلوم، حضرت ملاذ العلماء، حضرت قدوۃ العلماء، حضرت فخر العلماء (ملّا طاہر صاحب)، علامۃ العصر جناب مولانا سید حامد حسین صاحب قبلہ فردوس مآب، علامۃ الدہر جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ، فخر المحدثین مولانا سید ابوالحسن صاحب کشمیری ایسے مجتہدین کے علاوہ دیگر اکابر مومنین علماء اعلام، ادباء وشعراء عظام، روساء کرام اور شاہزادگان ذوی الاحترام کی بھی قبریں ہیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عتبات عالیات کے بعد حسینیۂ غفران مآبؒ سے افضل کوئی مقام نہیں۔

یہ امام باڑہ ۱۲۲۷ھ میں جناب کی پاکیزہ کمائی سے تعمیر ہوا اور اس زمانہ سے لے کے آج تک اس میں حضرت غفران مآبؒ کی بناء کردہ مجالس محرم کے علاوہ اہل لکھنؤ کی بھی مجالس کثرت سے ہوتی رہتی ہیں۔

مگر افسوس کہ اب ایک صدی کے بعد ایسے قابل بقا امام باڑہ کو زمانہ کے انقلاب نے بہت خراب وشکستہ حال کردیا ہے اور جو باقی رہ گیا ہے وہ قریب انہدام ہے مومنین ماہنامہ "مبلغ" کے ٹائٹل پر امام باڑہ کی تصویر دیکھیں اس سے مختصر حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے تصویر امام باڑہ کے مقام صدر کی ہے جس کے اندر کے بڑے دالان کی چھت گرگئی ہے، یہ دھوپ جو دالان کے اندرونی کھمبوں پر پڑرہی ہے اسی ٹوٹی ہوئی چھت سے آرہی ہے اسی بڑے دالان کی پشت پر شہ نشین ہے جس میں نیچے حضرت سلطان العلماء، حضرت ملک العلماء، حضرت تاج العلماء، حضرت ملاذ العلماء کی قبور مطہرہ ہیں اور

ان قبروں سے گز بھر بلندی پر امام حسینؑ کی ضریح وروضہ کی شبیہیں رکھی ہوئی ہیں یہ شہ نشین بھی ہرطرف سے شق ہوگئی ہے جس کی از سرنو بنوانے کے سوا کوئی صورت نہیں ورنہ اب کی برسات میں سب گرجائے گی جس سے بڑے دالان کی دیواروں کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

اسی بڑے دالان کی مغربی سمت میں ایک وسیع کمرہ ہے جس میں حضرت غفران مآبؒ، حضرت سید العلماء، حضرت رئیس المجتہدین (سید مرتضیٰ صاحب) حضرت عماد العلماء، حضرت قدوۃ العلماء کی قبور مطہرہ ہیں۔ یہ کمرہ بھی جابجا سے بوسیدہ ہوگیا ہے، تصویر میں اسی کمرہ کے آگے والے سہ درہ کی تعمیر ہو رہی ہے۔

دوسرا کمرہ بڑے دالان کی مشرقی سمت میں حجرۂ حضرت غفران مآبؒ کے مقابل کا ہے جس کے پہلو میں حضرت بحر العلوم کی قبر مطہر ہے، یہ کمرہ زائد خراب حالت میں ہے اس حجرے کی دیوار گرگئی ہے جس کے تین دروازے تھے اندرونی دالان کے عرض میں واقع تھے۔

یہ دیوار بڑے دالان کی گری ہوئی چھت کے نیچے تھی اور اسی کے آگے حضرت غفران مآبؒ کا بنوایا ہوا منبر رہتا تھا جو تصویر میں آگے کے دالان میں رکھا ہوا ہے اس مشرقی کمرہ کے بھی آگے ایک سہ درہ تھا جو تصویر میں بالکل منہدم نظر آرہا ہے اس کے علاوہ جو عمارت تصویر میں نہیں ہے وہ زیادہ خراب وشکستہ ہے امام باڑہ کے وسیع صحن (جس میں سیکڑوں مومنین وعلماء کی قبریں ہیں) کے چاروں طرف دالان اور بنے ہوئے تھے جن میں سے بعض تو برساتیں کھاتے کھاتے بالکل گر گئے ہیں، بعض کی دیواریں جابجا سے گرگئی ہیں، یا شق ہوگئی ہیں۔ بعض کی چھتیں بیٹھ گئی ہیں۔ امام باڑہ کی چہار دیواری اس طرح منہدم ہوئی کہ جیسے بنی ہی نہ تھی مغربی پھاٹک بھی گرجانے کی حالت میں باقی ہے۔ صرف مسجد اور ایک شمالی پھاٹک تو محفوظ ہے باقی کوئی جگہ ایسی نہیں جو قابل تعمیر نہ ہو۔

اسی حالت سے متاثر ہوکر عالی جناب پروفیسر مہدی حسن ناصری صاحب مدظلہٗ نے ذیل کی نظم میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہم بھی اس نظم کی تائید میں ائمہ معصومین کی یادگار باقی رکھنے والوں سے

درخواست کرتے ہیں کہ ایک جلیل القدر نائب امام کی یادگار کو بھی باقی رکھنے کے لئے جو جس سے ممکن ہو مدد کرے

ساقیا کس لئے تلقین شکیبائی ہے
آج تو نام خدا خوب گھٹا چھائی ہے
مژدۂ عیش وطرب رحمت حق لائی ہے
سال بھر روئے ہیں جب فصل بہار آئی ہے
جی میں ہے کچھ تو علاجِ دل ناشاد کریں
سننے والا ہو تو ہم نالہ و فریاد کریں
گلشن دہر میں ہے آمدِ لیلائے بہار
اور ہے خلق خدا محوِ تماشائے بہار
ہے مگر ہم سے عجب حُسن تقاضائے بہار
زخم دل میں ہو چمک لب پہ رہے ہائے بہار
کیا جنوں خیز ہے یہ سرد ہوا ساون کی
ہائے یہ فصل جوانی یہ گھٹا ساون کی
نالہ کرتے ہیں مگر دیکھیں اثر ہے کہ نہیں
سننے والوں کے بھی پہلو میں جگر ہے کہ نہیں
لوگ ہنستے ہیں خدا کا انھیں ڈر ہے کہ نہیں
دین ودنیا کی بھی کچھ ہم کو خبر ہے کہ نہیں
بات رہ جاتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے
دیکھنا ہے ہمیں وعدہ کسے یاد آتا ہے

آہ وہ قبلہ[۱] وکعبہ کا عزاخانہ آہ
مدفن مجتہدین وعلمائے ذی جاہ
روضۂ سبط نبیؐ رشک جناں عرش پناہ
کسمپرسی وخرابی میں بصد حال تباہ
یہ صدا دیتا ہے جنت کے طلب گاروں کو
آؤ ! روکو! مری گرتی ہوئی دیواروں کو
بانی اس کا ہے وہی جس نے سنبھالا ہم کو
ورطۂ کفر وجہالت سے نکالا ہم کو
مہددیں، شرع کی آغوش میں پالا ہم کو
ایسا ملنے کا نہیں چاہنے والا ہم کو
کئے فرزند بھی شاگرد بھی اعلیٰ پیدا
یہ وہ چشمہ تھا کہ جس سے ہوئے دریا پیدا
اس کے فرزندوں[۲] کے شاگرد بھی اعلیٰ نکلے
مفتیٔ ملت[۳] وعلامۂ[۴] یکتا نکلے
حامیٔ دین نبیؐ شرع کے شیدا نکلے
کیا بتاؤں دُرِ نایاب تھے کیا کیا نکلے
دفن یہ سب ہیں اسی ٹوٹے عزاخانے میں
یہ خزانہ ہے نہاں سب اسی ویرانے میں
آج بھی ان میں سے سرکردۂ امت ہے کوئی
ہادیٔ دیں کوئی سرتاج فضیلت ہے کوئی

ہے ظہور حسن[۵] ونجم شریعت[۶] ہے کوئی
حائرؔ[۷] علم کوئی ناصر[۸] ملت ہے کوئی

نام ان سب کے بزرگوں کا مٹاجاتا ہے
ہاں سنبھالو! کہ عزاخانہ گرا جاتاہے

ہائے ہم شیعوں پہ یہ آگیا کیسا ادبار
کہ عزاخانۂ سرورؑ سے نہ رکھا سروکار
آج تک تجھ پہ ہزاروں ہیں مصائب ہربار
شہ بیکس تری مظلومی وغربت کے نثار

ہائے اے سبط نبیؐ سرور معصوم حسینؑ
کشتۂ راہ خدا، بیکس ومظلوم حسینؑ

مومنو! اس شہ بیکس نے بڑا کام کیا
تین دن تک یہ رہا کرب وبلا میں پیاسا
اپنے بچوں کو کیا امت احمد پہ فدا
خنجر شمر سے کٹوا دیا پھر خشک گلا

اُسی محسن اسی سید کاعزاخانہ ہے
اس کے خیموں کی طرح آج جو ویرانہ ہے

سوگوارانِ شہ کرب و بلا بہر خدا
جلد اس روضہ کی تعمیر کو بھیجو چندا
پھر کہا جاتاہے ہنگام نہیں غفلت کا
ناصرؔی کرتا ہے اس عرض پہ بس ختم ودعا

جب تک اس دہر میں نام شہ ناشاد رہے
یا الٰہی یہ عزاخانہ بھی آباد رہے

(ماخوذاز ''غفرانؒ مآب نمبر'' ماہنامہ ''مبلّغ''، لکھنؤ ماہ رجب وشعبان ۱۳۴۹ھ)

نوٹ: خدا کا شکر ہے کہ اب یہ عزاخانہ حضرت غفرانمآبؒ کی تعمیر سے کئی گنا زیادہ بہتر تعمیر ہو گیا ہے۔ جدید تعمیر کا سنہ، سنگ حسینیہ پر کندہ ہے جو ۱۹۸۴ء ہے۔ (ادارہ)

[۱] قبلہ وکعبہ حضرت غفران مآب طاب ثراہ

[۲] حضرت سلطان العلماء وحضرت سید العلماء وغیرہما اعلیٰ اللہ مقامہم

[۳] جناب مفتی محمد عباس صاحب وجناب مفتی محمد قلی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہما

[۴] جناب علامہ حامد حسین صاحب فردوس مآب

[۵] ظہیر الملۃ جناب سید ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ

[۶] شمس العلماء جناب سید نجم الحسن صاحب قبلہ مدظلہٗ

[۷] شمس العلماء جناب سید علی صاحب حائری مدظلہٗ

[۸] شمس العلماء جناب سید ناصر حسین صاحب مدظلہٗ

حُسَینیّہ حضرت غُفرانمآبؒ

زبدۃ العلماء سید آغا مہدی اجتہادی لکھنوی، کراچی

بیا در این حُسینیہ کہ صنع کبریا بینی
کشادہ ہر طرف بابے با ز علمِ مرتضیٰ بینی

(عزیز لکھنوی المتوفی ۱۹۳۵ء)

وطن مالوف لکھنؤ کی اس تاریخی عمارت پر میں نے اپنے دورانِ ادارتِ الواعظ دسمبر ۱۹۴۸ء میں ۲۵۰ سطریں نذر قرطاس کی تھیں جو مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے نشریات میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد دوران قیام وطن کی آخری تالیف تیرھویں صدی کا لکھنؤ'' لکھتے وقت امامباڑہ پر مزید تبصرہ کیا۔ مگر یہ موخرالذکر تاثرات زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئے کہ قارئین خطیب کی ضیافت طبع کے لئے آج پھر اس موضوع پر قلم اٹھاتا ہوں۔

''استاذ الکل''، ''مجدد الشریعۃ'' اور ''محیی الملۃ''، آیۃ اللہ العظمیٰ فی العالمین مولانا سید دلدار علی نصیرآبادی علیہ الرحمہ کے القاب تھے، غفران مآبؒ جن کا خاندان شیعی دنیا میں سورج سے زیادہ چمکتا ہے۔ ممدوح نے اپنی حیات کے آخری دور ۱۲۲۷ھ بعہد نواب سعادت علی خان مرحوم شیعہ آبادی کی ایک لمبی چوڑی زمین پر اس امامباڑہ کو تعمیر کیا جو اب وکٹوریہ اسٹریٹ اور کیننگ اسٹریٹ وسط شہر کی دو بڑی سڑکوں کے بیچ میں واقع ہے قدیم بزازہ کی سڑک سے گذر کر نئی ترکاری منڈی کی سڑک پر داہنی طرف زبدۃ العلماء معین المومنین مولانا سید علی نقی صاحب مرحوم کا امامباڑہ اور بائیں سمت آغا باقر مرحوم کا امام باڑہ پڑتا ہے۔ یہ دونوں عزاخانے بھی عہد شاہی کی تعمیر اور تاریخی عمارتوں میں ہیں ادھر سے گذرتے ہوئے نالہ کے پل پر پہنچ کر امامباڑہ

کے نکاس کا پھاٹک دکھائی دیتا ہے جو زیادہ بلند اور رفیع نہیں ہے۔عمارت کے حدود اربعہ یہ ہیں: سمت مشرق مغرب میں شاہراہ عام۔جنوب میں عبدالرحیم کنٹریکٹر کا کارخانہ چوب عمارتی اور شمال میں کنگ جارج ہسپتال (میڈیکل کالج) کا واٹرورکس ہے۔آمدورفت کے ۳ دروازے ہیں جن میں مشرقی دروازہ محلہ دریاپور کی سمت ہے جس کے بعد تک اراضی امامباڑہ باقی ہے۔ادھر سے حلقہ وزیرگنج کے لوگ عزاخانہ میں داخل ہوتے ہیں۔کالج کی سمت کا دروازہ آنے والوں کے استعمال میں نہیں ہے۔

اس عمارت کے ۳درجے ہیں۔پہلے میں سرتاسر شہ نشین ہے اور عہد قدیم کی چوبی ضریحیں، چوبی چوکٹے پر بلند کر کے اس ترکیب سے رکھی گئی ہیں کہ قبور علماء پر فاتحہ خوانی کرنے والے آسانی سے پہنچ سکیں۔جناب سلطان العلماء رضوان مآبؒ اور ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب مغفرت مآب مجتہدین کی قبریں درجۂ اول میں زیر ضریح ہیں۔دوسرا درجہ جو وسطی ہے کافی وسیع اور پہلے درجہ سے چوڑا اور چکلا ہے۔اس میں عہد غفران مآبؒ کا بہت بڑا چوبی منبر روبہ قبلہ نصب ہے۔تیسرا درجہ یا باہر کا دالان عرض میں کچھ زیادہ نہیں ہے۔صحنچیاں شرقاً وغرباً صرف وسطی درجہ میں ہیں اور سمت قبلہ کی صحنچی میں غفران مآبؒ اور ان کے خلف اصغر سید العلماء علیین مکانؒ کے دومزار نمایاں حیثیت سے حظیرۂ چوبی میں زیارت کرنے والوں کو دعوت فکرونظر دیتے ہیں۔قبر سید العلماء کا سنگ مزار اس قدر چوڑا اور بڑا ہے کہ پوری قبر ڈھکی ہوئی ہے اور ایسا پتھر لکھنؤ کے کسی فرماں روا کی قبر پر بھی نہیں ہے۔اس جگہ یعنی غفران مآبؒ کے پائین پا اصولاً ان کے بڑے صاحبزادے سلطان العلماء کی قبر ہونا چاہیے تھی مگر چونکہ سید العلماء نے بڑے بھائی کے سامنے اس دنیاء ناپائیدار کو چھوڑا۔اس لئے یہ نمایاں مقام سلطان العلماء کے حکم سے ان کے چھوٹے بھائی کو ملا۔دنیاء ادب کے تابندہ ستارہ میاں مشیرؔ مرحوم نے مجلس فاتحہ خوانیٔ سید العلماء میں جو مرثیہ پڑھا اس کی ایک بیت سلطان العلماء کے تاثرات کی تصویر کشی کرتی ہے ؎

آنسو رواں تھے غیرت الیاس کے لئے
شبیرؑ یوں ہی روئے تھے عباسؑ کے لئے

یہ پورا مرثیہ تقریباً ۳۴بندوں کا میرے پاس بجمہٖ اب تک موجود ہے۔

مزار غفران مآبؒ کی صحنچی کے سامنے درجۂ اول کا جو برآمدہ ہے اس پر غفران مآبؒ کا پشت نامہ اور سلسلۂ روایت کا قلمی شجرہ تھا جو استر کاری گرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ محو ہوگیا۔ دیوار کے اس رنگین کتبہ کے نقوش اب تک میری نظر میں ہیں۔ قوم میں کتنے علمی خزانے ایسے ہیں جو غفلت کا شکار ہوگئے۔ یہ شجرہ اجازات کی مدد سے اب بھی تیار ہوسکتا ہے۔ آج تمام امامباڑہ اور وسیع صحن قبروں سے بھرا ہوا ہے۔ اور آتش مرحوم کا یہ شعر صحیح معلوم ہوتا ہے ؎

نکلے پہلو میں ہر اک نام کے ستر ستر
نہ ملی بعد فنا گور میں بھی جا خالی

امام باڑہ کی عمارت حضرت غفران مآبؒ کے اخلاص اور ان کی مالی استطاعت پر بھی گواہ ہے۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ اس عزاخانہ میں صرف ان کی جیب کا پیسہ صرف ہو اور مذہب نواز حکومت سے کوئی مدد نہ لی جائے۔ وہ اگر سلطنت وقت سے مدد لیتے تو جس فرماں روا نے صوبہ کے فقراء کو جاگیریں دے کر فلک بوس عزاخانے تعمیر کر دیئے اس کے لئے خود راجدھانی میں ایک امامباڑہ کا بنا دینا دشوار نہ تھا۔ یہی وجہ ہے عمارت میں نہ وہ اعلیٰ مصالحہ دیا گیا ہے جو شاہی عمارتوں میں استعمال ہوتا تھا نہ سنگِ جراحت کی آمیزش والا چمک دار اور مضبوط پلاسٹر ہے جو ہم وزیر باغ کے امام باڑہ مغل صاحبہ میں دیکھتے ہیں۔ نہ قالب دار چھت ہے ظاہرداری اور انجینئری کے کمال کا کوئی نمونہ نہیں۔ لکھوری اینٹوں کی معمولی دیواریں غیر عریض آثار معمولی سقف اور چھت میں لکڑی کے لٹھے جن پر دھنیاں کھلے ہوئے در، یہ ہے امامباڑہ غفران مآبؒ۔ صحن کے حصہ میں گرداگرد عمارت تھی جس کو طلبۂ علم کے لئے بنوایا تھا۔ بعض حجرے اب بھی باقی ہیں اور مشرقی حصۂ صحن پر کچھ کچے

مکانات بن گئے ہیں جن پر غیر قابض ہیں اور کچھ علم نہیں کہ کب امامباڑہ کے قبضہ سے یہ حصہ نکلا۔ عہد نوابی ختم ہونے پر شاہی دور شروع ہوا پھر ہوائے انقلاب نے انگریزوں کی حکومت قائم کی۔اور اب امامباڑہ چوتھے کانگریسی زمانہ حکومت میں اپنی عمر کی دوسری صدی ختم کر رہا ہے۔

مشرقی دروازہ سے گزرنے پر جس کو قدیم خسرہ میں دریائی ٹولہ کا لقب حاصل ہے اور جس سمت سے کیننگ اسٹریٹ شروع ہوتی ہے درمیان میں ایک مختصر چھوٹی مسجد تھی جس کے گردوپیش میں ۴۰ سال قبل کنگھی والے سینگ کی چھوٹی بڑی کنگھیاں بناتے اور فروخت کرتے تھے۔ یہ مسجد بھی حدود امام باڑہ کا جزء تھی اور صحبت جناب قدوۃ العلماءؒ کے بعض اصحاب نے اپنی ذاتی تحقیق سے بتایا کہ اولاد غفران مآبؒ میں کسی خاتون کے پیسہ سے تعمیر ہوئی تھی اور اپنی اقلیت میں ویران رہنے سے دوسرے لوگوں کے زیر انتظام آئی اور اب ایک بہترین نقشہ اور خوشنما ترین صورت میں بڑی بلند حیثیت سے تعمیر جدید میں دور دور سے نظر آتی ہے اور مسجد سے متصل درسگاہ اطفال ہے جس میں بچوں کو تعلیم دین دی جاتی ہے۔ یہ مسجد شرق کی طرف ہے اور غربی مسجد جناب سلطان العلماء کی تعمیر کردہ ہے۔جس پر انشاءاللہ پھر کبھی بحث کروں گا۔

شیعہ قوم کے رگ و پئے میں روح دوڑانے والی عزاداری کی بنیاد اسی عزاخانہ سے ہوئی۔ اولاد غفران مآبؒ کے قومی و مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذہب وملت کے لئے پریس کی ضرورت کا بھی احساس تھا اور اس امامباڑہ سے علوم دینیہ کی نشر واشاعت بھی ہوئی۔ بانی مطبع کون تھا۔لکھنؤ میں سخاوت حسین نامی دو بزرگ تھے۔ایک داروغہ سید سخاوت حسین تاجر کتب باغ مکہ لکھنؤ۔ دوسرے مولانا سید سخاوت حسین صاحب مرحوم۔آپ خاندان اجتہاد میں سب سے بزرگ اور سن رسیدہ تھے۔آپ ہی کے دو صاحبزادے مولانا سید کاظم حسین اور مولانا سید وجاہت حسین ناظمؔ، منطق وخطابت کے مہروماہ تھے جن کے تلامذہ لکھنؤ سے کراچی تک آسمان کے تاروں کی طرح چھٹکے ہوئے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے امام باڑہ میں ''مطبع کنز

العلوم'' قائم کیا۔ جس سے مغالطہ عامۃ الورود اور دوسرے موضوعات پر کتابیں نشر ہوئیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پریس باقی رہا یا دوسرا پریس کھلا۔ جس سے خلاق معانی منشی سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی کی معرکہ آرا مثنوی طبع ہوئی جوار دو ادب اور فضائل آل رسولؐ کا ۲۲۵ شعروں میں ایک یادگار مجموعہ ہے۔ مدح ائمہ طاہرین میں ایسی کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ حضرت امیرؔ لکھنوی کی اس پر تقریظ بھی ہے جو احفادِ غفرانمآب علیہ الرحمہ کے مسلّم الثبوت شاعر اور ہم عصر انیسؔ و دبیرؔ تھے۔ پریس میں شیخ احسان علی تھے جن کی ادبیت خود ایک مستقل موضوع ہے۔ مثنوی ۱۲۹۱ھ میں چھپی۔

جنوری ۱۸۷۴ء میں امام باڑہ سے فدا علی عیشؔ نے اخبار ''آثار الامصار'' جاری کیا جو ہر پنجشنبہ کو چھپتا تھا اور جولائی سے اسی سال ''صبح الاخبار'' جاری ہوا ممکن ہے کہ اس کے نمبر کسی قدیم لائبریری میں ہوں۔ رسالہ نیا دور بابت دسمبر ۱۹۵۹ء میں ہر دو جرائد کا ذکر دیکھو۔ ''شیعہ کانفرنس'' اور ''محاذِ حسینی'' کا آغاز جس میں ۲۶/ اگست ۱۹۳۹ء ایک سو باون دنوں تک کانگریسی حکومت کے خلاف قوم میں گرفتاریاں رہیں اسی امام باڑہ سے شروع ہوا۔ شام غریباں کی مجلس قوم میں اسی امام باڑہ کی مستحکم بنیاد ہے۔

اس حسینیہ کی مقدس زمین میں لاتعداد ارباب کمال، ادباء، حکماء، شعراء، مومنین اور مجتہدین سپرد خاک ہیں۔ غفران مآبؒ اور ان کی اولاد اور تلامذہ کی مقدس روحیں جو رابطہ رکھتی ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ بعض علماء عراق نے بھی جذب کمال میں اس زمین کو اپنی خواب گاہ بنایا اور جوار ائمہ طاہرین: کے دو پیکر علم و عمل یہاں دفن ہوئے اور وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کی صدا صحیح ثابت ہوئی۔ ملّا مرزا امین خراسانی اور ملا محمد مہدی ابن محمد شفیع استرابادی مازندرانی۔ موخر الذکر کی شخصیت مستغنی عن المدح ہے۔ اکابر خاندان نے ان کو اپنے خصوصی اختیارات میں صحنچی میں جگہ دی۔ تاریخ ملاحظہ ہو ؎

استرآباد اورا بود وطن
اے وائے بہ ذیقعدہ برفت از عالم
شد دفن قریبِ قبرِ دلدار علیؒ
ملا مہدیؒ بیافتہ قصر ارم
۹ ۵ ۲ ۱ ھ

یہ وہ قبر ہے جس پر علماء فاتحہ پڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور لوح مزار صاف کرتے ہوئے کہتے تھے۔ ایسا بلند مرتبہ عالم اب تک عراق سے ہند نہیں آیا۔ (تذکرہ بے بہا ص ۳۲۸)

پورب اور پچھّم کے حجرے تقریباً سو سال تک باقی رہے جن میں طالبان علم اور اہل فضل آباد تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا سید علی نقی داعی پوری پروفیسر کیننگ کالج کا نام نامی بہت نمایاں ہے جن کی ۱۳۰۵ھ کے بعد وفات ہوئی وہ مدت دراز تک قیام فرما رہے۔ (دیکھو تذکرہ بے بہا ص ۲۳۳)

شعراء کی زبانوں پر ہر دور میں امام باڑہ کی عظمت کا تذکرہ رہا۔ عزیزؔ لکھنوی کا شعر سرنامہ سخن میں آپ نے پڑھا۔

مدّاح آل محمد مرزا کاظم حسین محشرؔ المتوفی ۱۳۶۱ھ

وہ حسینیہ کہ جو ہے قصرِ فردوس بریں
مدفنِ غفراں مآبؒ ومرکزِ اربابِ دیں
منہدم ہونے کو ہے اے قوم شیعہ ہوشیار
تجھ سے فریادی ہے اک اک ذرّۂ خاکِ مزار

پروفیسر مہدی حسین ایم۔اے۔ ناصری المتوفی ۱۳۴۹ھ

جب تک اس دہر میں نامِ شہ ناشاد رہے
یا الٰہی یہ عزاخانہ بھی آباد رہے

علامہ مفتی میر محمد عباس شوشتری المتوفی ۱۳۰۶ھ

این خواب گاہ مجتہد العصر والزمان
سید محمدؒ است و حسین است وہم حسینؒ
این جاہزار مرتبہ مجلس بناشدہ
از قصرہائے اشک فتادہ دُر عدن
ہر صفہ ورواق وے وہر حظیرہ اش
پاکیزہ منزلِ برکاتست بے سخن
در ہر مقام وے کہ ستونے ستادہ است
سرویست از حدیقہ وشمعیست درلگن

لسان القوم حضرت صفی لکھنوی المتوفی ۱۹۵۰ء نے بھی ایک طویل نظم میں امام باڑہ میں اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں۔

حسینیۂ غفرانمآبؒ کی تولیت

لکھنؤ کی تازہ اطلاعات سے اس کی تصدیق ہوگئی ہے کہ مولانا سید کلب عابد صاحب قبلہ جانشین عمدۃ العلماء کو مرحوم کی جگہ شیعہ وقف بورڈ یو۔ پی۔ نے امام باڑہ غفرانمآبؒ کا متولی تسلیم کرلیا ہے۔

(ماخوذ از غفران مآب نمبر، ماہنامہ مبلّغ لکھنؤ، رجب ۱۳۶۹ھ)

نوٹ: صفوۃ العلماء حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید کلب عابد صاحب رحمت مآب (متوفی ۱۳؍دسمبر ۱۹۹۶ء مطابق شنبہ ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ) کی رحلت کے بعد سے قائد ملت مدظلہ الشریف حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ کے متولی ہیں۔

حسینیہ حضرت غفران مآبؒ کے عہد بہ عہد حالات

مصطفیٰ حسین نقوی اسیف جائسی

آیۃ اللہ سید دلدار علی غفران مآبؒ اُس ذات گرامی کا نام نامی ہے جس نے عراق وایران سے بحیثیتِ فقیہ ومجتہد جامع الشرائط ہندوستان واپس آ کر حسب خواہش رئیس دیندار سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خاں لکھنؤ میں قیام فرمایا اور کئی سالوں تک شہر لکھنؤ میں اصلاح وتبلیغ کا کام انجام دیا ساتھ ہی دوسرے اضلاع میں جا کر علماء سے مناظرے اور مباحثے بھی کئے جب کافی حد تک اخباریت اور صوفیت کو شکست دے لی تو ایک دن یہ ہمت بھی کر ہی لی کہ اب شیعیان ہند کی نماز جماعت الگ قائم کی جائے اور نواب حسن رضا خاں کے محل میں ۱۳/رجب ۱۲۰۰ھ روز جمعہ نماز ظہرین پڑھائی جس میں نواب آصف الدولہ کے علاوہ دوسرے نواب زادگان ورؤساء شریک تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہندوستان میں شیعوں کی پہلی نماز جماعت تھی۔ غور طلب بات ہے کہ جمعہ کا دن اور وہ شخص مقتدیٰ ہے جو نماز جمعہ کے سلسلے میں استدلالی رسالہ بھی تحریر کر چکا ہے اور جس کا مطالعہ نوابین وعہدیداران وتعلیم یافتہ حضرات کر بھی چکے ہیں پھر بھی نماز کسی مسجد میں نہ ہو کر قصر حسن رضا خاں میں ہو رہی ہے اور جب قصر میں ہو رہی ہے تو لامحالہ عوام کا زیادہ گذر نہ ہوگا بس خواص ہی خواص ہوں گے اور پھر نماز جمعہ ہوئی بھی تو ۲۷/رجب ۱۲۰۰ھ کو شاید نواب ہی کے قصر میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ کی نظر دیکھتی ہے کہ کب کیا ہونا چاہئے، چند سال تبلیغی واصلاحی کوششیں کیں پھر جمعہ کے دن ۱۳/رجب کو نماز ظہرین قصر نواب میں پڑھا کر پہلے خواص کو عملاً اپنا ہم خیال بنالیا پھر نماز جمعہ کی تیاری شروع کر دی۔ بہرحال جتنی بھی کسر رہ گئی تھی اسے پوری کر کے آخر کار ۲۷/رجب کو نماز جمعہ پڑھادی۔ غفران مآبؒ کے بڑے فرزند سلطان العلماء حضرت رضوان مآبؒ کی ولادت

باسعادت ۱۷رصفر ۱۱۹۹ھ مطابق ۱۷۸۴ء کولکھنؤ میں ہوئی اور نماز جمعہ ۲۷ر رجب ۱۲۰۰ھ
میں ہوئی اس بات سے عام آدمی بھی یہ نتیجہ تو نکال ہی سکتا ہے کہ ابھی علمی اعتبار سے غفران مآبؒ کی
ذات تن تنہا ہے پھر بھی صوفیت واخباریت نیز صاحبان اقتدار کی غلط کاریوں سے مقابلہ کر کے
شیعوں کو بحیثیت قوم پیش کر دیا ہاں اتنا ضرور ہے کہ غفران مآبؒ کے امور خیر میں شریک وسہیم
خاص طور پر نواب حسن رضا خاں اور چند رفقاء اور ممکن ہے کچھ مبتدی تلامذہ ہوں لیکن آہستہ آہستہ
وسیع وعریض ہندوستان میں بسنے والے مومنین کے لئے رسالے کے رسالے تیار کر دیئے جنھوں
نے مذہب حقہ کے مخالفین سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ پہلے اپنے شریعت کدہ پر اور پھر حسینیہ میں جسے
علماء دارالسلام ہند کہتے تھے مدرسۂ علم واجتہاد قائم فرمایا اور جس کے سیکڑوں طلاب کو اجازۂ پیش
نمازی دے کر ہندوستان بھر میں بکھیر دیا انھیں تلامذہ میں تقریباً ایک درجن علماء ایسے بھی تھے جو
درجۂ فقاہت واجتہاد پر فائز ہوئے اور خود غفران مآبؒ نے انھیں اجازات اجتہاد بھی عطا فرمائے
جن میں سے آپ کے بیٹے آیۃ اللہ سید مہدی کا جوانی میں انتقال ہو گیا مگر دو فرزند یعنی سید العلماء
آیۃ اللہ سید حسین علیین مکان (جنھیں چھوٹے قبلہ وکعبہ یا میرن صاحب کہا جاتا تھا) پہلے اور ان
کے بعد سلطان العلماء آیۃ اللہ سید محمد رضوان مابؒ (جنھیں بڑے قبلہ وکعبہ کہا جاتا تھا اور جو اودھ
میں حکومت شرعیہ کے بانی تھے) بعد میں پوری دنیائے شیعیت میں اعلم مانے گئے، اس بات کو
صاحب جواہر اور صاحب ضوابط کی تحریروں سے سمجھا جا سکتا ہے اور مزید معلومات کے لئے علامہ
مفتی میر محمد عباس شوستریؒ کے تصانیف (۱) اوراق الذہب (عربی، حالات سید العلماءؒ) (۲) ظل
ممدود (مکاتیب عربیہ علماء اعلام واجوبۂ مکاتیب) (۳) ظل ممدود (مکاتیب فارسیۂ علماء عظام
وجوابات خطوط) (۴) رطب العرب (دیوان عربی) (۵) مرتضیات حُسینیہ (فارسی، حالات سید
العلماءؒ) (۶) اخلاق حسینیہ (فارسی، حالات سید العلماء) وغیرہ کا مطالعہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

غرض کہ ایک غفران مآبؒ اور دسیوں کام (فرزندان وتلامذہ تو پندرہ بیس سال بعد ہاتھ

بٹائیں گے) تمام علوم کی تدریس بھی فرما رہے ہیں اور مخالف علماء سے مناظرے اور مباحثے بھی کرر ہے ہیں، بدعات و بے جا رسوم کا خاتمہ بھی کرر ہے ہیں اور صوفیت و اخباریت پر زبان و قلم سے بھرپور وار بھی، شیعوں کے عبادات و تبلیغی اجتماعات کے لئے مسجدیں اور عزاخانوں کی جگہ جگہ تعمیر بھی ہو رہی ہے اور سنی شیعہ اتحاد کی فضا بھی سازگار کی جا رہی ہے، عوام کے ساتھ نوابین و حکام تک کو پابند دین و مذہب بھی کیا جا رہا ہے اور خلق خدا کے سیراب ہونے کے لئے جابجا کنویں بھی بنوائے جا رہے ہیں بلکہ عراق میں نہر آصفی بھی تیار ہو رہی ہے۔ ایک طرف بڑے کتب خانے کی تشکیل میں مصروف تو دوسری طرف تحقیق و تصنیف میں مشغول اور ایسے کارنامے کہ دنیا بھر کے علماء حیرت میں پڑ گئے، اگر غرباء و مساکین کی امداد ہو رہی ہے تو طلاب دینیہ کا جی بھر تعاون بھی اور یہ سلسلہ صرف لکھنؤ پر ختم نہیں ہوا بلکہ نجف، کربلا اور دیگر مقامات مقدسہ کے علماء و طلاب تک کو مدد پہنچائی جانے لگی ساتھ ہی روضۂ حضرت امام حسین ارواحنا لہ الفدا کی تعمیر میں حصہ اور ۱۲۱۹ھ تک تو ہر تحریک کامیاب ہی کامیاب اور عہد امجد علی شاہ میں جب حکومت شرعیہ کا قیام ہوا تو (اگر چہ حضرت غفران مآبؒ رحلت فرما چکے تھے) تحریک غفران مآبؒ کو معراج ہی حاصل ہو گئی تھی۔

جہاں جناب غفران مآبؒ دیگر امور خیر کی تعمیل کے لئے بے حد کوشاں رہے وہیں نشر حسینیت و ترویج عزاداری میں ساری زندگی کمر بستہ رہے اور یہ کام ان کی نظروں میں اتنا اہم تھا کہ دنیا سے جاتے جاتے اپنے فرزندوں کو عزائے سید الشہداؑ کو فروغ دینے کی وصیت بھی کرتے گئے یہی وجہ ہے کہ آج بھی خاندان اجتہاد، تقریباً تیس تصانیف خصوصاً اثارۃ الاحزان علی القتیل العطشان (معتبر مصائب حضرت سید الشہداؑ بزبان عربی) اور دو مسجدوں کے علاوہ دو عزاخانے آپ کی یادگار ہیں۔

غفران مآبؒ کے عزائی خدمات کو قدسیؔ جائسی نے اپنے ''خاندان اجتہاد'' نامی مسدس میں بڑے ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے چند بند ملاحظہ ہوں:

تیرا جلوہ ڈھونڈتی تھی ہند کی تیرہ فضا
ہند کا تاریک مطلع تونے روشن کردیا
تو نے فرمائی حسینی انجمن آراستا
تو ہوا بانی عزائے سید مظلومؑ کا
بن گیا تو خود شہیدؑ کربلا کا سوگوار
اہل ایماں کو رلایا صورت ابر بہار

روشن اس عالم میں کی شمع عزا صد مرحبا
جب حسینی کارنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
کربلا کا واقعہ اک قصۂ پارینہ تھا
لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے ناآشنا
تو نے سمجھی قدر خون ناحق معصومؑ کی
تو نے ترویج عزائے سید مظلومؑ کی

فدیہ حق، سبط پیغمبر حسین ابن علی
از سر نو جس نے بخشی دین حق کو زندگی
ہند والوں کی نظر میں اس کی وقعت کچھ نہ تھی
معرفت کی شمع تو نے انجمن افروز کی
تو نے سمجھے ماتم سلطان دیں کے فائدے
پائے مضمر اس میں ارباب یقیں کے فائدے

سب کو شیدائے امام انس وجاں فرما دیا

ملک دل میں سکّہ عرفاں رواں فرما دیا
مدتوں سے جو نہاں تھا وہ عیاں فرما دیا
راز مخصوص بقائے دیں بیاں فرما دیا
طاعت حق سمجھی لوگوں نے اطاعت شاہؑ کی
یاد فرزند پیمبرؐ ٹھہری یاد اللہ کی
تو نے اپنے جانشیں سے بہر ترویج عزا
کی وصیت اے عزادار شہید کربلا
اس وصیت میں کچھ ایسا زور تھا تاکید کا
جانشینوں میں ترے جاری ہے اس کا سلسلہ
تیری سعی بار آور مستحق داد ہے
سب کے لب پر نام شہ کا، دل میں شہ کی یاد ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت غفران مآبؒ اوران کے پانچ آیات عظام فرزندوں کے تلامذہ سے جو علمی خانوادے تیار ہوئے کسی کی یادگار میں کوئی قابل ذکر امامباڑہ نہیں ہے لیکن حضرت غفران مآبؒ نے ایک عزاخانہ اپنے وطن میں بنوایا اور ایک لکھنؤ میں اور دونوں حسینیۂ غفران مآبؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے اکبر اولاد سلطان العلماء کے فرزند اکبر منصف الدولہ شریف الملک مولانا سید محمد باقر نے ایک کربلا تعمیر کروائی جو کربلائے منصف الدولہ یا مولوی صاحب کی کربلا یا کربلائے مہدی گنج کے نام سے مشہور ہے اور جناب کے اصغر اولاد سید العلماء سید حسین کے دو نامور فرزندوں یعنی ممتاز العلماء سید محمد تقی اور زبدۃ العلماء سید علی نقی نے الگ الگ امامباڑے بنوائے جو حسینیہ جنت مآبؒ اور حسینیہ مولانا علی نقی کے نام سے شہرت رکھتے ہیں اور سب ہی میں سال بھر مجلسوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہندوستان کیا ایران وعراق میں بھی روضہ خوانی (ذاکری) کم علم یا بے علم افراد کرتے تھے مگر غفران مآبؒ نے ہندوستان میں اس کمی کو یوں پورا کیا کہ مواعظ اور فضائل ومصائب کے لئے منبر کو اپنایا اور پھر ان کی نسل کے زیادہ تر فقہاء وعلماء جناب کی سیرت پر عمل کرتے رہے اور آج جس ڈھنگ کی ذاکری رائج ہے اس کے بانی بھی خاندان اجتہاد ہی کے ایک عظیم فقیہ ومحقق یعنی بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین (جناب علّن صاحب) طاب ثراہ ہیں۔

بحر العلوم کے بعد اس خانوادے کے علماء نے اپنی شہرۂ آفاق ذاکری کے ذریعہ جو عزا کی خدمت کی وہ قطعاً ناقابل فراموش ہے اس گروہ کے سر برآوردہ افراد میں خطیب اعظم مولانا سید سبط حسن فاطرؒ، کہف العلماء آیۃ اللہ سید ابن حسن، حکیم الامۃ علامۂ ہندی آیۃ اللہ سید احمد، ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین (کبّن صاحب)، سید العلماء آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی، خطیب اکبر سید الواعظین مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ (للّن صاحب)، فقیہ مؤتمن ممتاز العلماء سید ابوالحسن (منّن صاحب پدر سید العلماءؒ)، انتخاب العلماء عمدۃ الواعظین مولانا سید سبط محمد ہادی (کلّن صاحب)، سید العلماء آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی طاب ثراہ، صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب رحمت مآب اور علّامہ نصیر اجتہادی طاب ثراہم ہوئے ہیں۔ اور آج بھی ممتاز حیثیت سے مفکر اسلام ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق صاحب قبلہ، قائد ملت حجۃ الاسلام مولانا سید کلب جواد صاحب قبلہ اور خطیب انقلاب مجاہد ملت سید حسن ظفر صاحب قبلہ وغیرہم مستقل خدمتِ عزا میں مصروف ہیں۔

غفران مآبؒ کے عہد سے سلطان العلماء بلکہ ملک العلماء کے بعد بحر العلوم تک مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی کا زمانہ رہا چونکہ مرثیے کے کچھ اجزا ضمیرؔ لکھنوی ہی کے وقت میں طے ہو گئے تھے اور پھر عہد انیسؔ ودبیرؔ میں تو یہ فن شباب پر تھا، ایک ہی واقعہ کو طرح طرح سے نظم کرنا کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ اس تغیر وتبدل میں بات یا واقعہ کچھ کا کچھ ہو جاتا تھا اور کبھی کبھی طبع زاد واقعہ نظم ہوتا تھا یہ بات

فقہاء وعلماء خاندان اجتہاد کو نا گوار گذرتی تھی چنانچہ ابتداء ہی میں اپنے ہی عزاخانے میں غفران مآبؒ نے ایک غلط تخیئل نظم کر کے پڑھتے ہوئے میر ضمیرؔ کو ٹوک دیا بلکہ یہ کہہ کے منبر سے اتار لیا کہ یہ غلط بیانی کی جگہ نہیں ہے اور فوراً سلطان العلماء سے کہا کہ منبر پر تشریف لے جائیے اور آج سے آپ خطاب فرمائیں گے چنانچہ اب سلطان العلماء ذاکری فرمانے لگے اور دس محرم کی مجلس ہمیشہ غفران مآبؒ ہی پڑھتے تھے۔ سلطان العلماء کے بعد ملک العلماء مغفرت مآبؒ نے ذاکری کی ان کے بعد ملاذ العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن صاحب اور بحر العلوم آیۃ اللہ سید محمد حسین علّن صاحب نے اور ان لوگوں کے بعد آیۃ اللہ سید ابوالحسن رضوی کشمیری شاگرد رشید تاج العلماءؒ نے چند سال ذاکری کی اور ان کے ارتحال کے بعد بحکم قدوۃ العلماء عمدۃ العلماء ذاکر شام غریباں مولانا کلب حسین صاحب قبلہ نے ذاکری کے فرائض انجام دینا شروع کر دیئے، کبّن صاحب کے انتقال کے بعد سے صفوۃ العلماء مولانا کلب عابد صاحب قبلہ نے مجلسیں پڑھی اور اب مولانا کے جانشین قائد ملت خطاب فرمارہے ہیں۔

گذشتہ سطور میں میں نے یہ بات لکھی تھی غفران مآبؒ اور ان کی اولاد امجاد کے علاوہ ان کے تلامذہ میں جو علمی خانوادے تیار ہوئے ان میں سے کسی نے بھی اقامت عزاء ونشر حسینیت کے لئے کوئی قابل ذکر مرکز یعنی حسینیہ تعمیر نہیں کیا اور نہ ہی ان میں کوئی لائق ذکر ذاکر ہوا یہ جو چند دنوں سے علمی خانوادے میں ایک ایک ذاکر دکھائی دے رہے ہیں یہ خدمت عزا کے سلسلے کی پہلی ہی کڑیاں ہیں۔

غفران مآبؒ کا میر ضمیرؔ کو منبر سے اتار لینے کے بعد خاندان اجتہاد کو اس کی بھی فکر ہوئی کہ فن نہیں بلکہ فریضۂ مرثیہ نگاری کو بھی علماء کے سپرد کیا جائے چنانچہ فقہاء ہی کے اشارے پر خاندان اجتہاد کے کچھ علماء نے مرثیہ نگاری پر خصوصی توجہ دی اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ لکھنؤ میں مرثیہ کے چار دبستان ہو گئے یعنی دبستان عشقؔ، دبستان انیسؔ، دبستان دبیرؔ اور دبستان خاندان اجتہاد۔

دبستان خاندان اجتہاد کے ان ممتاز شعراء کے اسماء پیش ہیں جو علماء میں بھی محسوب تھے۔ مولانا سید محمد جعفر امیدؔ اجتہادی، خلاق مضامین مولانا نواب سید مہدی حسین ماہرؔ اجتہادی، مولانا محمد اصطفا (لڈن صاحب) خورشیدؔ اجتہادی، استاذ الاساتذہ مولانا نواب سید اصغر حسین فاخرؔ اجتہادی، ملک الشعراء مولانا سید بندہ کاظم جاویدؔ اجتہادی، عمدۃ الشعراء مولانا سید ساجد حسین فہیمؔ جائسی، دعبل ہند مولانا سید فرزند حسین ذاخرؔ اجتہادی، فخر الذاکرین مولانا وجاہت حسین ناظمؔ اجتہادی، لسان الشعراء مولانا سید مجاور حسین تمناؔ جائسی، سید الواعظین خطیب اکبر مولانا سید اولاد حسین شاعرؔ وغیرہم نیز غیر علماء میں شاعر امی سید صادق علی ''چھنگا صاحب'' حسینؔ جائسی وغیرہم اور نوحہ نگاری کو تو اس خانوادے کے شعراء نے آسمان ہفتم پر پہنچادیا بلکہ ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ ہندوستان میں صرف خاندان اجتہاد کے علماء و شعراء ہی کے نوحے زیادہ تر پڑھے جاتے رہے ہیں۔ آیئے اب اس ماتم کدہ کی تاریخ پیش کریں جو ہندوستان میں سب سے اہم تبلیغ حقائق و معارف اسلام، نشر حسینیت اور ترویج عزائے سید الشہداء علیہ التحیۃ والثنا کا مرکز ہے یعنی غفران مآبؒ کا امامباڑہ۔

حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ تاریخ کی روشنی میں

۱۲۱۰ھ میں غفران مآبؒ نے ایک غیر پختہ عزاخانہ تعمیر کروایا جو علامہ کا مدرسۂ علم و اجتہاد بھی تھا اور فروغ عزاداری کا مرکز بھی اور یہی سنہ قدوۃ العلماء نے ''حالات خاندانی'' میں اور سید العلماء نے ''تذکرۂ عمدۃ العلماء'' میں تحریر فرمایا ہے اور خود عمدۃ العلماء نے اپنے بیان مجلس شام غریباں میں یہی سن پیش کیا ہے۔ لیکن پختہ اور عالی شان عزاخانے کی حیثیت سے ۱۲۲۷ھ میں تعمیر ہوا جیسا کہ جائس کے مشہور تاریخ نگار سراج الشعراء مولانا سید آل محمد مہرؔ جائسی نے اپنی کتاب ''خاندان اجتہاد کے علمی و ادبی خدمات'' میں اور مشہور سوانح نگار زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی نے اپنے مضامین اور کتابوں میں اور دیگر علماء و ادباء نے تحریر فرمایا ہے اور بندہ نے ایک مخطوطے میں اس کا تاریخی نام ''رشک جنت'' پڑھا ہے اور مولانا سید تقی حسن نقوی تقیؔ جائسی نے ''تاریخ جائس'' میں

اس کا تاریخی نام ''آخرت گاہ'' تحریر کیا ہے۔

۱۲۳۱ھ میں غفران مآبؒ کے فرزند علامہ وفقیہ کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنے والد کے امامباڑہ میں مدفون ہوئے مدرسہ عزاخانہ میں چل ہی رہا ہے پھر غفران مآبؒ نے کچھ کمرے اساتذہ وطلاب کے لئے اور تعمیر کروائے تو خود ہی تاریخ نکالی:

''مزار ومدرسہ ہم جایئے ماتم سبطین''

۴ ۳ ۲ ۱ ھ

نجم العلماء مولانا سید ہدایت حسین ابن زبدۃ العلماءؒ ابن سید العلماءؒ ابن حضرت غفران مآبؒ نے اپنی کتاب ''نجوم تواریخ'' (۱۳۱۶ھ) میں لکھا ہے کہ غفران مآبؒ نے ''شہر لکھنؤ میں بھی ایک وسیع و پُر فضا امام باڑہ تعمیر فرما کر وقف فرمایا اور اس مقام کو مجلس فضائل ومصائب، مدرسہ اور محل قبور مقرر فرمایا جیسا کہ مصرع مادّہ تاریخ جو کہ خود جناب غفران مآبؒ نے نظم فرمایا ہے اور دیوار امامباڑہ مذکور میں بقلم جلی لکھوایا ہے جو بخوبی واضح ہوتا ہے اور وہ مصرع یہ ہے ''مزار ومدرسہ ہم جائے ماتم سبطین'' (۱۲۳۴ھ) اور اسی امام باڑہ میں وہ جناب مدفون ہوئے اور اکثر خاندان اجتہاد و دیگر علماء وفقہاء واتقیاء کے قبور ہیں الحق کہ یہ امام باڑہ نہایت مقام طیب وطاہر وجائے نزول رحمت حضرت غافر ہے اور بعد عتبات عالیات عرش درجات کے یہ زمین بھی کم از روضۂ جنت نہیں ہے اور اسی امام باڑے کے جانب غرب ایک مسجد بھی تعمیر ہوئی ہے مگر حیات میں انجناب کے تعمیر نہ ہونے پائی تھی بعد انتقال انجناب کے صاحبزادہ سلطان العلماء نے تعمیر فرمائی''۔

۱۹؍رجب ۱۲۳۵ھ کو حضرت غفران مآبؒ نے رحلت فرمائی، لکھنؤ کیا پورا ہندوستان ماتم کدہ بن گیا جگہ جگہ ہندوستان میں غفران مآبؒ کی ترحیم روح کے لئے مجالس وقرآن خوانی واطعام کا سلسلہ مہینوں چلتا رہا۔ اس عہد کا کون سا عربی، فارسی اور اردو کا شاعر تھا جو مراثی وقطعات تواریخ نظم کرنے میں مصروف نہ رہا ہو یہی نہیں بلکہ ایران وعراق کے فقہاء وعلماء وادباء بھی ہندیوں کے

اس غم میں شریک رہے اور ان میں سے بہتوں نے مراثی نظم کر کے سلطان العلماء وسید العلماءؒ کے پاس بھیجے۔

علامۃ العلماء آیۃ اللہ سید احمد علی محمد آبادی طاب ثراہ نے بھی تاریخ وفات لکھی جس کے چند شعر پیش ہیں:

فقیہ و مجتہد و عالم و مروّج دیں
شریف مکہّ علم و کمال وفضل و تقا
ضیائے دیدۂ دروازۂ مدینۂ علم
عزیز مصر سیادت، سپہر مجد و عُلا
ندید چشم فلک مثل ایں مجدد دیں
کہ شاہد اند بفضل وبزرگیش اعدا
جمال در خور علم و کمال داشت ازاں
کہ شد ز روز ازل مہبط فیوض خدا
بہ آبیاری ارشاد آں سحاب فیوض
دمید در گل ناچیز ہندیش گلہا
رسید چوں شبِ تاسع عشر ز ماہ رجب
سفر بروضۂ رضواں نمود از دنیا
دریں مصیبت جانکاہ شیعیاں یکسر
بسوز سینہ نمودند ماتمے برپا
چو ایں مصیبت عظمیٰ در اہل دیں روداد
بدل گذشت کہ تاریخ آں کنم انشا

سروشِ غیب ہمان وقت ناگہاں فرمود
ستون دیں بزمین اوفتاد واویلا
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

ایک دوسرا قطعہ جو ''نجوم تواریخ'' میں موجود ہے اس کے چند اشعار پیش ہیں:

میر دلدار علی سلطان ملکِ اجتہاد
نیک سیرت، پاک طینت، کوہ تمکیں، دیں پناہ
شد نہاں درمغرب مرقدِ چو آں خورشید دیں
روز روشن چوں شب یلدا بچشم شد سیاہ
شارع شرع متین وحامیٔ دین مبیں
نور چشم مصطفیٰ، لختِ دلِ شیر الٰہ
داشت از انوار فیضش دہر را روشن مدام
در جوانی بود چوں خورشید در پیری چوماہ
بود باہر کس مساوی خلق او بے بیش و کم
پیش او بودند یکساں اہل فقر و اہل جاہ
مثل او کس دافعِ شر عدواللہ نشد
دین احمد را نباشد مثل او کس خیرخواہ
بیگماں عیسیٰ نفس بودے پئے احیاء دیں
میر ساندے بر صراط مستقیم آں خضر راہ
از برائے صید مرغان معانیٔ بلند
دام گستر دے بروئے صفحہ از تار نگاہ

کافراں از خود اگر آرند ایماں دور نیست
جہد او نگذاشتہ در حق و باطل اشتباہ
سالِ تاریخ وفات آں جنابِ مستطاب
گفت دل۔ اے مقتدائے شیعیان حیدر آہ
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

مولانا میر منشی غلام حسین رضوی شائق جائسی (پل غلام حسین لکھنؤ میں آپ ہی کے نام سے مشہور ہے) لکھتے ہیں:

بغمِ سید دلدار علی ہادیٔ دیں
کہ نبد مثلش وہمتاش ز دنیا شدہ حیف
جگر فرقۂ اثنا عشری چاک بچاک
دل ہر مومن دیندار شدہ غم کدہ حیف
بہ جہاں شور قیامت شدہ کو دامن خویش
بہ ہوائے سفر ملک بقا برزدہ حیف
پئے تاریخ وفاتش چو کشو دم بسوال
لب پر شور بحالے کہ بدل پربدہ حیف
ملکے گفت نمودند بخاکش چونہاں
مہ تابان ہدایت بکسوف آمدہ حیف
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

(ماخوذ از دیوان دوازدہم شائق جائسی مرحوم)

قطعۂ تاریخ مولانا سید محمد اسمٰعیل منیر شکوہ آبادی متوفی ۱۲۹۰ھ

قبلۂ اہل حدیث وکعبۂ اہل کلام
روح قدسی، پیشوائے جن وانساں ہائے ہائے
جامع معقول ومنقول، اشرف ابرار عصر
اعلم وافقہ، پناہ اہل ایماں ہائے ہائے
نائب پاک ائمہؑ، بحر زہد وعلم وفضل
میر دلدار علی ہادیٔ دوراں ہائے
اورع واتقی، کلیم اوج طور اجتہاد
ہست تصنیفات او بے حد وپایاں ہائے ہائے
نظم کردم مصرعِ تاریخ رحلت اے منیرؔ
وارث سلم پیمبرؐ اوج ایماں ہائے ہائے
۵ ۳ ۲ ۱ ھ
مقتدائے عارفانِ حق، ملاذ مومنین
ناصرِ اسلام و دیں، حامیٔ شرع اعتقاد
چھوڑ کر یہ عالم فانی گئے سوئے بہشت
ہوگئی روحِ معطر خلقت رحمت سے شاد
دوسری تاریخ میں نے اور موزوں کی منیرؔ
ہائے بدر پاک دیں، مہر سپہر اجتہاد
۵ ۳ ۲ ۱ ھ

(ماخوذ از کلیات منیرؔ شکوہ آبادی ص۵۹۶، مطبع ثمر ہند لکھنؤ)

سلطان العلماء رضوان مآبؒ نے اپنے عہد میں امام باڑہ سے متصل ایک مسجد تعمیر کی جو اب بھی

پرانی تعمیر ہی کی صورت میں موجود ہے۔ جس کے سنگ تعمیر پر کندہ ہے:

اَشْهَدُ اَنَّ مَوْلَانَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ

۹ ۳ ۲ ۱ ھ

۱۲۹۰ھ میں جناب سید واجد علی صاحب رئیس کی کوشش سے عمارت حسینیہ میں کچھ ترمیم ہوئی اور صدری دروازہ تعمیر ہوا اس موقع پر علامہ مفتی میر محمد عباس شوستریؒ شاگرد سید العلماءؒ نے قطعۂ تاریخ نظم فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

این تعزیت سرا کہ ز غفران مآبؒ ہست
مانند کعبہ، قبلۂ حاجات مرد و زن
اینجا ہزار مرتبہ مجلس بنا شدہ
از قطرہ ہائے اشک فتادہ دُر عدن
ہر صفہ و رواق وے و ہر حظیرہ اش
پاکیزہ منزل بر کاتست بے سخن
این خوابگاہ مجتہد العصر والزّماں
سید محمد است وحسین است و ہم حسن
در ہر مقام وے کہ ستونے ستادہ است
سرویست از حدیقہ وشمعیست در لگن
چوں از جفائے دہر دراں رخنۂ فتاد
بشکست خانۂ دل ما از غم وحزن
والا نژاد سید واجد علی بنام
توفیق یافتہ ز خداوند ذوالمنن

یکجا سعادت دو جہاں درسہ روح اوست
در چار عنصر است تولائے پنجتنؑ
از حب اہلبیتؑ کہ دارد بآب وگل
گردید در بنائے حسینیہ قطرہ زن
تعمیر آں تمام شد از اہتمام او
مانند نظم بیت بکلک وزبان من
دروازۂ جدید بناکرد یک طرف
چوں باب صبر پیش روی خانۂ محن
دوشینہ التماس زمن کرد عالمی
تاریخ این بنا کہ پسندید اہل فن
چوں صبح دم ز خامۂ من ریخت رشحہ ہا
باد صبا کشود دو صد نافۂ ختن
گل کرد سال ایں ہمہ تعمیر از قلم
شد نو بنو بنائے عزاخانۂ کہن
۰ ۹ ۲ ۱ ھ

قدوۃ العلماء آیۃ اللہ سید آقا حسن کے بنا کردہ آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس دوم منعقدہ لکھنؤ ۱۹۰۸ء میں لسان القوم مولانا سید علی نقی صفی لکھنوی مرحوم نے جو مخمس پڑھا تھا اور جس میں امام باڑہ غفران مآبؒ کی مرمت کے لئے مومنین سے امداد طلب کی تھی اس کے چند بند حاضر ہیں۔

اے لکھنؤ اے مرکز! ہم اہل تشیع کے
کیا ہوگئے بتلا تو ارباب ہمم تیرے

زندہ ہیں ترے مردے، مردہ ہیں ترے زندے
اے کاش کوئی دیکھے عبرت کی نگاہوں سے
وہ قبلہ وکعبہ کا مشہور عزاخانہ
گرتی ہوئی دیواریں ہیں قوم سے فریادی
ٹوٹی ہوئی محرابیں ہیں مائل بربادی
یہ مقبرہ اس کا ہے جو قوم کا تھا ہادی
جنبش میں ذرا آ جا اے قوتِ امدادی
ہستی کا عمارت کی لبریز ہے پیمانہ
تیری رگِ غیرت میں گر کچھ بھی حرارت ہے
اے قوم دل افسردہ فرض اس کی مرمت ہے
جو ہند کے خطّہ میں اک تختہ جنت ہے
حیف اس کی مرمّت کو چندہ کی ضرورت ہے
چندہ نہ کہوں اس کو ہے خلد کا بیعانہ
بس قوت ہمدردی دل میں نہ اٹھا محشر
ہیں جمع یہاں ماشاء اللہ کرم گستر
فصدِ رگِ غیرت کو درکار نہیں نشتر
ہاں جوش میں اب آ جا یہ نظم صفؔی سن کر
اے خون جوانمردی اے ہمت مردانہ

پھر اجلاس سوم شیعہ کانفرنس منعقدہ لکھنؤ ۱۹۰۹ء میں حضرت صفؔی نے ایک جو ''معذرت نامہ'' نامی نظم پڑھی پیش ہے:

ابھی کچھ اور سُنے جاؤ ہم کو کہنے دو
ہمارے دکھتے ہوئے دل پہ ہاتھ رہنے دو
وفائے وعدہ ہے دشوار وعدہ آساں ہے
کیا ہے جرم اگر بخش دو تو احساں ہے
قصوروار ہیں دل کو ملال ہو کہ نہ ہو
ہمیں خیال ہے تم کو خیال ہو کہ نہ ہو
علاج کر نہ سکے اپنے دل کے داغوں کا
دکھائیں خاک تماشا بجھے چراغوں کا
ہمارے جلسۂ قومی کا تھا وہ پہلا سال
کہ اس طرف متوجہ ہوا تھا سب کا خیال
جناب قبلہ وکعبہ کا تعزیہ خانہ
قیامت آئی بنا چاہتا ہے ویرانہ
اجل نے کی ہے جہاں ہر طرف چمن بندی
جھلک رہی ہے مزاروں سے اک نشاں مندی
نہ جاؤ دور یہیں علم کے دفینے ہیں
سپردِ خاک عجب قیمتی نگینے ہیں
یہی ہے منزل روشن فلک وقاروں کی
فرو دگاہ چمکتے ہوئے ستاروں کی
پڑے ہیں پھول وہ بکھرے زمیں کے دامن پر
دکھا رہا ہے یہ طبقہ بہشت کا منظر

اسی بہشت کے قصروں کا حال ابتر ہے
پڑے ہوئے ہیں وہ رخنے کہ عقل ششدر ہے
اگرچہ ایک نظر دیکھ لیجئے روکار
شکست دل کی خبر دیں گے خود درودیوار
ستون خم کا اشارہ ہے یہ خوش اعمالو!
سنبھالنا کہ چلا میں سنبھالنے والو!
ہمارا ہند میں ہاں وادی السلام ہے یہ
مقدس اور متبرک عجب مقام ہے یہ
مٹا جو نقش تو آئے گا قوم پر دھبّا
یہ حال سن کے نہ کیوں اہل دل کو جوش آتا
ہوئی یہ انجمن جعفریہ کی تحریک
کہ اس چمن کی درستی میں دل سے ہے وہ شریک
یہ لکھنؤ نے مگر طے کیا کہ حسبِ رواج
ہم اپنے زخم جگر کا کریں گے آپ علاج
ہمیں کریں گے مرمت امام باڑہ کی
ہمیں پہ فرض ہے خدمت امام باڑے کی
چنانچہ فکر یہی تھی اسی کی تھی تدبیر
کہ ناگہاں ہوئی ظاہر نحوستِ تقدیر
وہ پیش آتے رہے واقعاتِ جانفرسا
کہ ہم کو ہائے کسی بات کا نہ ہوش رہا

گذر گئی جو گذرنی تھی نیم جانوں پر
یہ شعر حضرت آتش کا تھا زبانوں پر
چلی ہے ایسی زمانے میں کچھ ہوا اُلٹی
کہ سیدھی بات سمجھتے ہیں آشنا الٹی

اسی موقع پر امام باڑہ غفران مآبؒ کے تعمیر فنڈ میں امداد کے لئے کتاب ''لختِ جگر'' کی خریداری کی قوم کو توجہ دلانے کے لئے ایک قطعہ بھی صفی مرحوم نے جلسہ میں پڑھا تھا:

ہمارا جوش بھی افسوس جوشِ وقتی ہے
صفی یہ کہہ کے مرا دل ہے خود بھرا آتا
خرید لیتی جو قوم ایک ایک ''لختِ جگر''
امام باڑۂ غفران مآبؒ بن جاتا

''شیعہ کانفرنس کی ایک روئیداد سے پتہ چلتا ہے کہ امام باڑہ کی شیعہ کانفرنس کی جانب سے ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۱ء کے درمیان کچھ مرمت ہوئی تب بھی بہت کچھ باقی تھی، یہ عزاخانہ کی روک تھام کا سبب ہوئی لیکن افسوس کہ اس مرمت میں اس کے بہت سے کتبے چونے سے سفید ہو گئے اور اب صرف ایک شجرہ جو قبر اقدس حضرت غفران مآبؒ کے حجرے کی دیوار پر موجود رہ گیا ہے حالانکہ وہ بھی جا بجا سے مٹ گیا ہے لیکن اگر وہ باقی ماندہ بھی مٹ گیا تو ایک بڑی چیز ہاتھ سے جاتی رہے گی۔''

اجلاس ہشتم شیعہ کانفرنس منعقدۂ ۲۰/اکتوبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۹/ذیقعدہ ۱۳۳۲ء بمقام لکھنؤ صفی نے پھر ایک نظم تصنیف کر کے پڑھی، ملاحظہ ہو:

قوم کچھ تجھ کو زمانے کی خبر ہے کہ نہیں
دل بے حس پہ ترے کوئی اثر ہے کہ نہیں

دردمندان محبت کی بھی کچھ ہے پروا
پاس دل ہے کہ نہیں تیرے جگر ہے کہ نہیں
ہم نے مانا ترا آغاز بہت اچھا تھا
لیکن انجام پہ بھی اپنے نظر ہے کہ نہیں
مٹتے جاتے ہیں سب آثار قدیمہ تیرے
باز پرس اس کی بتا دے ترے سر ہے کہ نہیں
دور کیوں جاؤ یہیں ایک عزاخانہ ہے
جس پہ تم ناصیہ ساتھے یہ وہ در ہے کہ نہیں
قبلہ و کعبہ نے تعمیر کیا تھا جس کو
درو دیوار شکستہ وہی گھر ہے کہ نہیں
اس عمارت کی مرمت کو مکمل کردے
ہم میں اتنا بھی کوئی حوصلہ ور ہے کہ نہیں
ہو سرِ سبزہ خوابیدہ کوئی سایہ فگن
اس چمن میں کوئی ایسا بھی شجر ہے کہ نہیں
یادگار علماء آہ مٹی جاتی ہے
قوم اے قوم توجہ کچھ ادھر ہے کہ نہیں
اٹھیئے گردان کے اب دامن ہمّت لِلّٰہ
باندھیئے پیکر نازک میں کمر ہے کہ نہیں
قافلہ آپ کے اسلاف کا پہنچا ہے جہاں
آپ کو بھی وہی درپیش سفر ہے کہ نہیں

مضمحل قوت احساس ہوئی جاتی ہے
چارہ گر کوئی دوا زود اثر ہے کہ نہیں
ساری دنیا کی ترقی کا ہے محنت پہ مدار
ہم میں قلت اسی عنصر کی مگر ہے کہ نہیں
نیک وبد ہم کو سکھاتا ہے زمانہ لیکن
کچھ نہیں سوجھتا یہ ضعفِ بصر ہے کہ نہیں
قوم اے پیکر بے حس ترے پتھر دل میں
قطرۂ خوں نہ سہی کوئی شرر ہے کہ نہیں
شکن زلفِ گرہ گیر میں الجھی ہے نگاہ
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی بھی خبر ہے کہ نہیں
نزع کا وقت ہے دم توڑ رہا ہے اسلام
صفِ ماتم پہ کوئی خاک بسر ہے کہ نہیں
بارہویں چاند امامت کے نکل آ جلدی
دوش پر حفظِ الٰہی کی سپر ہے کہ نہیں
کاش اٹھے پردۂ غیبت کہ ہوں روشن آنکھیں
شب فرقت کی خدا جانے سحر ہے کہ نہیں
موعظہ رنگ تغزل میں ہے دلکش ایجاد
دیکھ لو نظم صفیؔ سلکِ گہر ہے کہ نہیں

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے اجلاس ہشتم منعقدہ ۱۸، ۱۹، ۲۰/اکتوبر ۱۹۱۴ء مطابق ۲۷، ۲۸، ۲۹/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ بمقام رفاہ عام کلب لکھنؤ زیر صدارت آیۃ اللہ علامہ سید علی حائری

لاہوری کی روئیداد مرتبہ مولانا سید علی غضنفر اجتہادی جنرل سکریٹری آل انڈیا شیعہ کانفرنس میں نواب سید محمد ذکی خاں صاحب ہاتفؔ کی سفارتی رپورٹ بھی شائع ہوئی تھی جس میں ہاتفؔ مرحوم لکھتے ہیں کہ ''لکھنؤ تہذیب وشائستگی، خلق ومروت، فصاحت وبلاغت، سخاوت وایمانداری، خوش وضعی ووضعداری کے علاوہ قومی بلکہ مذہبی اعتبار سے تمام ہندوستان میں ایک نہایت درجہ ممتاز، قابل فخر اور دارالعلم والعمل ہے، جو اپنی ندرت کے اعتبار سے قلب ہندوستان کے مبارک لقب سے مخاطب ہونے کا پورا مستحق ہے.......... فرمانروایانِ سلطنت اودھ کا ۱۱۳۲ھ سے ۱۲۷۲ھ تک یعنی ایک سو اکتالیس سال تک دارالسلطنت رہا ہے جہاں کے تاجدار از ابتدا تا انتہا سب ہی شیعیانِ حیدر کرار علیہ السلام تھے، اسی بنا پر سلطنت اودھ، سلطنت ایران کے بعد تمام عالم میں عدیم النظیر سلطنت تھی جس کے بقیہ آثار ہی دیکھ کر کلیجہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔.......... امام باڑہ جناب غفران مآبؒ حجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی الانام جناب مولانا السید دلدار علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ کا بنا کردہ ہے اور محلہ پاٹا نالہ میں واقع ہے نہایت مقدس ومتبرک وقدیم عمارت ہے اور تاریخ اس بنا کی ''مزار ومدرسہ ہم جائے ماتم سبطین'' ہے۔ اس امام باڑے میں اکثر علماء ومجتہدین کے قبور مقدسہ وقفِ خاص میں ہیں اور اکثر مومنین اور جگہ نہ ملنے کی وجہ سے بعض علماء بھی وقف عام میں دفن ہیں مگر افسوس کہ یہ مقدس عمارت ایسے حال خراب میں مبتلا ہے کہ خود اپنے حال زار پہ زار زار رو رہی ہے۔ امام باڑہ کن کن نائبان حضرت حجۃ عَجَّلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشَّرِیْف کی خوابگاہ ہے ان میں سے ہر ایک بزرگوار اپنے اپنے زمانے میں حجۃ الاسلام، آیۃ اللہ فی الانام، محیی السنۃ اور قامع الضلالۃ والبدعۃ تھا۔

''تذکرۂ جناب عمدۃ العلماءؒ'' میں ہے (بقول رازؔ اجتہادی) کہ حسینیۂ غفران مآبؒ ۱۹۱۵ء کی برسات میں شکست وریخت کی زد میں آیا مولانا سید سبط محمد ہادی عرف مولانا کلّن صاحب کی کوشش سے کچھ اس کی مرمت ہو سکی پھر ایک مرتبہ اس کی شہ نشین دھنس گئی۔ جناب عمدۃ العلماء نے ڈھائی

تین ہزار روپئے کے خرچ سے میرے زیر نگرانی اس کی تعمیر کرائی۔

۱۹؍رجب ۱۳۳۶ھ کو زیر سرپرستی قدوۃ العلماء طاب ثراہ حسینیۂ غفران مآبؒ میں حضرت غفران مآبؒ کی صد سالہ یادگار کی عظیم الشان مجلس میں قدسیؔ جائسی مرحوم نے جو مسدس پڑھا تھا اس میں غفران مآبؒ سے خطاب ہے کہ

تجھ کو تھی اک خاص ارادت حضرت شبیرؑ سے
کشتۂ تیر و سنان و نیزہ و شمشیر سے
سید خونیں کفن سے، سرورِ دلگیر سے
فاطمہؑ زہرا کے ماہِ کامل التنویر سے
آیتِ عشقِ حسینی ہے حُسینیہ ترا
مرکز جذب حقیقی ہے حُسینیہ ترا

اس حُسینیہ کا رتبہ ہو نہیں سکتا بیاں
کربلائے ہند ہے یہ خطۂ جنت نشاں
بعد مردن مل گئی دو گز زمیں جس کو یہاں
فی الحقیقت پا گیا گویا وہ عمر جاوداں
اس کے دامن میں نہاں وہ گوہر شہوار ہیں
جن کے دل زیر زمیں بھی مطلع انوار ہیں

گو ہے آغوشِ حُسینیّہ میں تو رونق فزا
دل شکستہ پھر بھی ہے یہ تیرے غم کا مبتلا
دل بہت مشتاق ہے تیری نگاہ لطف کا
گو یہ بے حس تھا مگر پھر بھی کلیجہ پھٹ گیا

ٹوٹی دیواریں، شکستہ در ہیں اک تصویرِ غم
بے ترے یہ حال اس کا ہو گیا تیری قسم

چادرِ گل قبرِ اطہر پر چڑھاتا ہوں حضور
گل بھی وہ گل جن کے جلووں سے خجل رخسارِ حور
خونِ دل پانی ہوا جب تو ہوا ان کا ظہور
جتنے گل ہیں اتنے دل ہیں دل وہ ساطع جن سے نور

لالہ زارِ فکر کے جلوے ہیں یا روشن چراغ
جلوہ زارِ نظم کے غنچے ہیں یا پھولوں کا باغ

آستاں بوسی کی حسرت کھینچ لائی ہے مجھے
جنبشِ جذبِ عقیدت کھینچ لائی ہے مجھے
جوششِ خونِ ارادت کھینچ لائی ہے مجھے
لکھنؤ تک کوئی قوت کھینچ لائی ہے مجھے

کہہ خدا سے دن پھریں جائس نصیرآباد کے
اب تو پانی پھر رہا ہے نام پر اجداد کے

ماہنامہ "مبلّغ"، لکھنؤ کے "غفران مآبؒ نمبر" رجب وشعبان ۱۳۴۹ھ میں (جس کے مدیر ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور اجتہادی تھے) ایک مضمون "حسینیہ غفران مآبؒ" سے متعلق مولانا علی داور صاحب کا شائع ہوا تھا جو اس "خاندان اجتہاد نمبر شمارہ ۸ میں شائع کیا جا رہا ہے اور چند نظمیں شائع ہوئی تھیں ان سب ہی میں امامباڑہ کی تعمیر کی اپیل ہے۔ اگرچہ اب اس تحریک کی سب سے فعال ذات دنیا میں نہیں رہ گئی یعنی جناب قدوۃ العلماءؒ (جو ہمیشہ اس عزاخانے کی مرمت میں دامے، درمے، قدمے، سخنے مصروف رہے) کا ۷ / ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ پنجشنبہ مطابق ۱۲ / ستمبر ۱۹۲۹ء کو انتقال ہو چکا ہے مگر ان کا صالح جانشین تو موجود ہے۔

غفران مآبؒ نمبر کے وہ اشعار جو حسینیہ ٔ غفران مآبؒ سے تعلق رکھتے ہیں پیش ہیں۔ مولوی دلدار علی راز فرماتے ہیں:

مجتہد کیا مجتہد گر آپ تھے اسلاف میں
منفرد تھے، تھا نہ کوئی دوسرا اصناف میں
آپ کا چلتا تھا سکہ ہند کے اکناف میں
مجتہد ہوتے رہے ہیں آپ کے اخلاف میں
آپ نے اونچا کیا پہلے لوائے اجتہاد
آپ سے قائم ہوئی بے شک بنائے اجتہاد
آپ بہر خاتم اسلام تھے گویا نگیں
آپ ہی سے ہند والوں میں ہوئی تجدید دیں
محفل اسلام کے تھے آپ ہی مسند نشیں
آپ ہی سے کتنی شمعیں ہند میں روشن ہوئیں
کس نے کس نے آپ کے آگے نہیں کھولی کتاب
اصلِ فرعِ علم دیں تھے آپ ہی غفراں مآبؒ
آپ کا مرہون منت آج تک اسلام ہے
نام سے سرکار ہی کے خاندان کا نام ہے
آپ ہی کا آج تک جاری یہ فیض عام ہے
مُہر اس پر آپ کی ہے جو چھلکتا جام ہے
مست وحدت ہوگیا گر پی لیا جام آپ کا
ہوگیا ساقی وہی جس نے لیا نام آپ کا

کام آئی ہے ہمارے آج ہمت آپ کی
بار آور ہوگئی جو کچھ تھی محنت آپ کی
کار موسیٰ کر گئی سعی ہدایت آپ کی
مشعل حق بن گئی دنیا میں زحمت آپ کی

مرکز کفر وجہالت تھا جہاں میں لکھنؤ
آج دارالعلم ہے ہندوستاں میں لکھنؤ

آپ نے ہم کو دکھائی عز و شان اجتہاد
ہر قدم سے آپ کے ظاہر تھی آن اجتہاد
ہے قبیلہ آپ ہی کا بوستان اجتہاد
آپ پر نازاں نہ کیوں ہو خاندان اجتہاد

کارنامے کربلا کے ہو چلے تھے دل سے دور
عزتِ خون شہیداں آپ نے رکھ لی حضور

ڈوب جانے سے بچایا دیں کا بیڑا آپ نے
خون دل سے گلشن مذہب کو سینچا آپ نے
پا کے بے حس قوم کو ہمتائے عیسیٰ آپ نے
روح تازہ پھونک دی تن میں مسیحا آپ نے

کوششوں سے آپ کی اسلام زندہ ہوگیا
لیجئے لِلّٰہ کروٹ پھر زمانہ سو گیا

آپ سے اسلام کو حاصل ہوا عزّ و وقار
آپ تھے ملک شریعت کے جہاں میں تاجدار

سو گئے ہم کو جگا کر آپ خود زیر مزار
آج عبرت کا نمونہ ہے شکستہ یادگار
کس طرح در منہدم، دیوار خم دیکھا کریں
آپ کی آرام گہہ مٹ جائے ہم دیکھا کریں
دفن ہونے کے لئے ہے تختۂ جنت زمیں
مل گئی دو گز جگہ پھر ہم کو مطلب کچھ نہیں
گرتا ہے کس کا مکاں تھا کون اس گھر کا مکیں
دفن ہونا ہے ہمارا ہو ہی جائیں گے کہیں
ہوگیا گر بند وقف عام کیا پرواہ ہے
عیش باغ آرام کرنے کو ہے سیدھی راہ ہے
ہائے یہ غفلت ہماری ہائے یہ خواب گراں
ہند میں جو جو بھی ہے شمع شریعت ضوفشاں
آپ کے پرتو سے وہ روشن ہے اب تک بیگماں
مٹ کے سرکار شریعت، بن گئے کتنے مکاں
نام سے تھا آپ کے اپنا زمانہ میں وقار
خانداں تو مٹ چکا اب مٹ رہی ہے یادگار
کل تو تھے تیار تعمیر عمارت کے لئے
ہے گراں امداد ہم کو اب مرمت کے لئے
جو بھی ہمدردی تھی وہ سب تھی ضرورت کے لئے
دوسرا گھر دیکھ لیں گے اپنی تربت کے لئے

یہ تو مانا یہ مکاں ہے قصر جنت کا جواب
ایسے کاموں کے لئے پیسہ نہیں لیکن جناب

پروفیسر ناصری کہتے ہیں:

آہ وہ قبلہ و کعبہ کا عزا خانہ آہ
مدفن مجتہدین وعلمائے ذی جاہ
روضۂ سبط نبی رشک جہاں عرش پناہ
کسمپرسی وخرابی میں بصد حال تباہ
یہ صدا دیتا ہے جنت کے طلبگاروں کو
آؤ! روکو! مری گرتی ہوئی دیواروں کو

بانی اس کا ہے وہی جس نے سنبھالا ہم کو
ور طۂ کفر و جہالت سے نکالا ہم کو
مہددیں، شرع کی آغوش میں پالا ہم کو
ایسے ملنے کا نہیں چاہنے والا ہم کو
کئے فرزند بھی شاگرد بھی اعلیٰ پیدا
یہ وہ چشمہ تھا کہ جس سے ہوئے دریا پیدا

اور محشرؔ لکھنوی کا کہنا ہے کہ

وہ حسینیہ کہ جو ہے قصر فردوسِ بریں
مدفن غفران مآبؒ ومرکز ارباب دیں
منہدم ہونے کو ہے اے قوم شیعہ ہوشیار
تجھ سے فریادی ہے ایک اک ذرۂ خاک مزار

محشرؔ اہل قبر کی وعظ اب مصیبت خیز ہے
روز وشب گونجی ہوئی آواز عبرت خیز ہے

مولوی منّے آغا صاحب رازؔ تذکرۂ عمدۃ العلماء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''پھر ۱۹۳۶ء کے سیلاب میں اُس (حسینیۂ غفران مآبؒ) کے دونوں پہلوؤں کے کمرے مسمار ہوگئے۔ جناب مرحوم نے لکھنؤ سے نیز جہاں بسلسلۂ ذاکری تشریف لے گئے حسینیۂ غفران مآبؒ کے واسطے بارہ ہزار روپۓ مہیّا کئے، مرزا سجاد حسین صاحب کی نگرانی میں تعمیر کروائی جس کی وجہ سے تقریباً چھ سو روپۓ سالانہ حسینیۂ مذکورہ کی آمدنی ہوگئی، یہ رقم جناب ہی کی نگرانی میں مجالس میں صرف ہوتی رہی اور ہر خسارہ کو مرحوم اپنی جیب سے پورا کرتے رہے۔''

جب عمدۃ العلماء امام باڑہ کی تعمیر کے لئے کمر بستہ ہوئے تو میر ناصر حسین صاحب کی جانب سے ایک اپیل شائع ہوئی جس میں ناصر الملۃ نے فرمایا کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے تو میں حضرت غفران مآبؒ کی قبر مطہر پر آ کے بعد فاتحہ خوانی دعا کرتا ہوں، اس بات کو چودھری سبط محمد نقوی صاحب نے بھی ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے اور وہ مضمون ان کے اخبار ''توحید'' میں شائع بھی ہوا ہے۔

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ اپنی کتاب ''سوانح حیات غفران مآبؒ'' میں صفحہ ۳۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ امام باڑہ جس سے قوم میں مجلسوں کی بنیاد قائم ہوئی اور اسی ارض پاک پر غفران مآبؒ کی آخری آرام گاہ اور مزار بھی ہے، غربی صحنچی وہ مقدس مقام ہے جہاں السپ کمیٹی کے فیصلے پر حکومت کی نظر ثانی ہونے کے سلسلے میں جب جناب نجم الملۃ مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ مرحوم المتوفی ۱۳۶۰ھ کا عدالت عالیہ میں اظہار ہو رہا تھا تو سرکار ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۶۱ھ قبر غفران مآبؒ کے حظیرہ کے پاس مصروف دعا تھے۔۔۔۔۔۔شیعی دنیا میں شام غریباں کی مجلس اسی عزاخانے کی ایجاد اور یادگار ہے جس سے قوم کا بچہ بچہ واقف ہے۔

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی مرحوم سوانحِ غفران مآبؒ کے خاتمے پر رقم طراز ہیں کہ

''حضرت غفرآن مآبؒ کے حالات لکھتے لکھتے میرا دل بھر آیا اور ان کے اس متبرک یادگار کا خیال آیا جو امام باڑہ غفران مآب کے نام سے موسوم ہے جس کی عظمت وجلالت کا اظہار میں نے ذیل کے چند اشعار میں کیا ہے۔ وہ یہ طبقہ ہے جس میں علم وحکمت کے بیش بہا خزانے مخفی ہیں اگر کسی دوسری قوم کے قبضہ میں ایسی زمین ہوتی تو یقیناً اس کی عمارت قابل دید ہوتی۔''

دمی بگذر بخلوت خانۂ غفران مآبؒ ایدل
ببیں زیر زمیں از عالمان باصفا محفل
چہ محفل؟ عرش از وے اکتساب جلوہ می خواہد
چہ محفل؟ قدسیاں بگرفتہ در ہر گوشہ اش منزل
چہ محفل؟ شرح اسرار نہاں پیدا شود از وے
بہنگام خموشی ہم بود از قصہ ہا ناقل
چہ محفل؟ میدہد از بے زبانی شرح صد معنیٰ
سوالے کن ز خاک خفتگان یا ایہا السائل
چہ محفل؟ روکش چرخ مکوکب آں چناں رخشاں
بتاریکی مدفن ہر یکی زانہا مہ کامل
چہ محفل؟ کعبۂ ارباب عرفاں ہر کہ رفت آنجا
چہ محفل؟ قبلۂ اصحاب ایقاں ہر کہ شد داخل
فقیہ و ناقد اخبار، ادیب وشاعر ماہر
حکیم وفلسفی ومنطقی وواعظ فاضل

بہر یک گوشہ جا بگرفتہ می خوابند در راحت
ولے از خاک شاں جوشد منم دریائے بے ساحل
شکستی عہد تقلید وگسستی رشتۂ الفت
ہمیں جائے تو باشد فانتبہ یا ایہا الغافل
بیا آبادی این دشت ویراں را تماشا کن
سواد منظر شہر خموشاں را تماشا کن
بیا! در این حسینیہ کہ صنع کبریا بینی
کشادہ ہر طرف بابے ز علم مرتضیٰ بینی
بہر سو مخزنے یابی ز آیات الٰہیّہ
بہر جا دَور دَورِ اصفیا واتقیا بینی
بلا تشریح ایں ذرات ارضی گر رواداری
بیا! تا جلوۂ اسرار علم کبریا بینی
مدائن از علوم انبیا در ہر کنف یابی
بہر سردابہ نور مرتضیٰ ومصطفی بینی
بخاک آغشتہ می بینی دماغ عرش پیما را
بذرات لحد اجزائے قلب باصفا بینی
بہر سو معتکف بینی خداوندان تقویٰ را
بہر جا خیل خیل از پارساؤ اتقیا بینی
نشانِ مرتضیٰ العصر ومجاہد فی سبیل اللہ
ملاذ الخلق ما حامد حسین مقتدا بینی

نگہ کن مرقد استاذ کل مفتیٔ علامہ
بخاک شوستر تا کیمیاے علم را بینی
چناں می تابد از صبح کفن ہر پیکرے ایں جا
چراغ شاں مگر در زیر دامان قبا بینی
کفن پوشاں ببیں ہم چوں حمائلہا غلاف اندر
بسر عمامۂ یابی نہ بردوشش عبا بینی
قدم از سر بنہ تا می توانی قطع ایں منزل
چناں یاللعجب ایں رہبراں را زیر پا بینی
ببیں ایں بقعہ کاں ہم پایۂ خلد بریں باشد
بخاک ہند اگر خواہی زمین کربلا بینی
بسوے خود دل ما می کشد ہر ذرۂ ایں جا
بداں آئیں کہ اندر کاہ جذب کہربا بینی
ز بے برگی خود ایں ارض مقدس شکوہا دارد
مگر ایں غفلت وناقدر دانی ہازما بینی
ہنوز از رفتگاں یک خوردہ آثار ونشاں باقیست
جمال ماہ کنعانی بگردِ کارواں باقیست
الا! آرامگاہ قدسیاں اینست بیابنگر
منام حضرت غفران مآبؒ آں مہر دیں گستر
بہشت شرع شد دار السرور لکھنؤ ازوی
طریق جعفری از گوہر او یافتہ زیور

بخاک ہند نقش اولیں او شگرف آمد
کشاد از ہر کراں در درسگاہ شرع صد دفتر
مدادش قطرہ زن چوں رشحۂ ابر بہار آمد
چمن از خون گل رنگ شہیداں اندراں مضمر
نگہ کن سیّد علامہ را درخواب گاہ او
کہ آثار جلال از مرقدش پیدا شود یکسر
نشاں گر از مزار حضرت سلطان دیں خواہی
بپائین ضریح خامسؑ آل عبا بنگر
ہمایوں مضجع رضوان مآب آں خاصہ یزداں
کہ مضمر بود در کلکش نہیب ضربت حیدر
بیکسو مدفن اخلاف آن علامۂ دوران
کسے تاج شرف بود وکسے در مجد سر دفتر
ز انوار الٰہی جلوہا پیش نظر دارد
بہر پہلو ہزاراں اختر وشمس وقمر دارد

(نومبر ۱۹۲۳ء ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ لکھنؤ)

بعونہٖ تعالیٰ

اَلوَصِیَّۃُ وَالنَّصِیحَۃُ

ترجمہ

وصایائے آیۃ اللہ فی الانام امام العلماء الکرام جناب
مولانا غفرانمآب سید دلدار علی صاحب طاب ثراہ

مترجمۂ

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی مرحوم

تقریظ

سرکار شریعتمدار حکیم الامۃ علامۂ ہندی آیۃ اللہ حضرت مولانا سید احمد طاب ثراہ

بسملاً و حامداً و مصلیاً

اما بعد کتاب مستطاب "الوصیۃ والنصیحۃ" ترجمۂ وصایائے حضرت جد امجد مجدد دین جدّہ خیرُ الْبَشَرَ عَلٰی رَأسِ الْمِائَۃِ الثَّانِیَۃِ عَشَر المجتہد عَلَی الْاِطْلَاقِ ,وَالْفَقِیہُ بِالْاِسْتِحْقَاقِ, اِمامُ اَفَاضِلِ الْعَالَمِ بِالْاِ تِّفَاقِ, غَوْثُ الْاَسَاتِذَۃِ فِی الْاٰفَاقِ, اُسْتَاذُ الْکُلْ فِی الْکُلْ, وَارِثُ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ, مُقْتَدَیٰ اَمَاجِدِ الْاَصْحَابِ حضرت غفران مآب بَرَّدَ اللّٰہُ مَثْوَاہُ وَمِنْ رَحِیْقِ الْجَنَّۃِ رَوَّاہُ مولفہ حبیب لبیب حسیب نسیب عُمْدَۃُ الْاَعَاظِمِ زُبْدَۃُ الْاَفَاخِمِ اَلنُّورُ الْاَنُور عزیزی مولوی سید محمد جعفر صاحب سَلَّمَہُ اللّٰہُ الْقَوِیُّ المتخلص بہ قدسیؔ جائسی نظر احقر سے گذرا۔ ماشاء اللہ بحسن مرغوب وطرز محبوب واسلوب خوب ترجمہ فرمایا جو کہ مفید خاص وعام ہے۔ یہ نصائح کافیہ اور مواعظ صافیہ عوام مومنین کا کیا ذکر خواص وعلماء کے لئے قابل عمل وموجب نجات وفلاح ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا وَجَمِیْعَ الْعُلَمَاءِ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَاَنَا الرَّاجِیْ غُفْرَانَ رَبِّہٖ الصَّمَدِ۔

السید احمد بن الحاج سید العلماء فردوس مکاں

السید محمد ابراہیم طیب رمسہ

۱۸؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

تقریظ

عمدۃ الواعظین زبدۃ المتکلمین سید الفقہاء سند العلماء جناب مولانا مولوی سید رضی حسن جائسی طاب ثراہ

میں شروع کرتا ہوں بنام اس پروردگار اور آفریدگار رحمان منان کریم رحیم کے جس نے بندوں کو نصیحت اور ان کو بہ عبادت وصیت فرمائی۔ پس جملہ نیائش و تمامی ستائش اسی یکتا ذات واجب الوجود بحق محمود کے لئے لائق ہے جو سب سے برتر و فائق ہے۔ جس نے بتقرر رسل و بتکرر ہادیان خیر سبل عباد کو، ہر مملوک و آزاد کو بات نجات کی بتلائی اور راہ ہدایت بکمال عنایت دکھلائی اور اپنے برگزیدہ پیمبروں اور پسندیدہ رہبروں کو تحفۂ درود و ہدیہ سلام نامحدود سے امتیازی وجاہت دکھائی پس یہی جملہ گروہ اور یہی زمرۂ حق پژوہ مستحق صلوات از سائر مخلوقات ہے۔ انہیں کے اوصاف، محمودہ صفات، انہیں کا کلام، حق حق خدا کی بات، انہیں کا سردار محبوب کردگار، رسول مختارؐ، حبیب پروردگار اشرف انبیاء و شرف اصفیاء، مالک تخت و تاج، صاحب معراج ہے

دانندۂ کیفیت مستورۂ افلاک
بینندۂ اسرار خفی طبق خاک
جوئندۂ سودائے رضائے احد پاک
یابندۂ تشریف گراں مایۂ لولاک
اللہ نے یہ اوج یکایک جسے بخشا
تاج وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ جسے بخشا

وہی تو کہ جس پر خود خدائے ودود درود بھیجتا ہے۔ جس کو خاص نگاہ لطف سے دیکھتا ہے جو بہر وجہ محمد ہے جس کا نام نامی و اسم گرامی زیب فرقان و زینت قرآن احمدؐ ہے، جس کی آل آل اللہ، جن کا

قول قال اللہ، جن کا جاہ جاہ خدا، جن کی راہ راہ خدا، جن کی چشم چشم خدا، جن کا خشم خشم خدا، جن کا ہاتھ دست خدا، جن کا انتظام بندوبست خدا، جن کا پہلو جنب خدا، جن کی رضا رضائے احد، جن کی عطا عطائے صمد، جن کی وغا وغائے خدا، جن کی ولا ولائے خدا، جن کی حکومت حکومت عظیم، جن کا بغض نار جحیم، جن کے بغیر درود ناتمام، جن کی شرکت درود میں بحکم خدا، بارشاد **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوىٰ**، بتصریح سید انبیاء، باشتراک تام ہے، وہی اوصیائے برحق ہیں، وہی رسولؐ کے جانشین مطلق ہیں، وہی عدد میں بارہ ہیں اور ہم عدد بروج فلک، عرش رسالت کے گوشوارہ ہیں، جن میں امام عصر و شافع حشر جناب محمدؐ، محمد کا بارہواں نائب ہے، جس کا لقب زمانہ میں حضرت صاحب ہے، جو حی و قائم رہ کر دلیل وجود خدا ہو کر نظروں سے غائب ہے جس کے زمانۂ غیبت میں علماء اعلام و مجتہدین کرام عباد پر حجت قائم اور نائبان امام و ہادیان انام بعد قائم علیہ السلام دائم ہیں جن کی بے مثل مثال اور ان کے احیاء دین میں جی توڑ کوششوں کی زندۂ جاوید تمثال، سعی مشکور جناب مغفور شریعت دستور، سراپا نور، راس مجتہدین کرام، مجتہد عصر وایام فقیہ اہلبیت ؑ نائب عام ائمہ اوصیاء وارث علوم انبیاء دلدار علی مرتضیٰ، فلذۂ کبد مصطفیٰؐ، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، افضل جہابذہ، اکمل اساتذہ، اثاث بیت شرع متین، غیاث ملت و دین، مجدد آثار مندرسۂ شریعت رسول انام، وجہ آبادی دار اسلام، واقف رموز علوم ائمہ اطیاب جناب مولانا غفراں مآب اعلی اللہ مقامہٗ وزادعندہ اکرامہ، ابوالمجتہدین ابن الائمۃ الطاہرین ہیں جنہوں نے ہند میں آکر جھنڈا دین کا گاڑا، نقشۂ نقش برآب ادیان باطلہ کو اپنے زور بازو سے بگاڑا اور بنیاد برباد ناخداشناسی کو جڑ سے اکھاڑا، بڑے بڑے بانکے ترچھوں منچلوں مدعیان علم و منتحلان سلم کو کتابوں کا علی ڈھیر بنا کر رستمانہ دنگل میں، متصنعین کے جنگل میں علی بند کے پیچ سے پچھاڑا اور گمراہی کے تیرہ و تار اندھیر نگری کو اجاڑا اور نعرۂ اناعلی صاحب ذی الفقار مار کر گردن کشوں کے سروں سے غرور بدگمانی کو گرد برد کر کے گرد کی طرح جھاڑا، اسی سیف مسلول ورمح مصقول نے اپنے فرزند دلبند سلطان المجتہدین موسس

اساس دین، جلاء آئینۂ ملت وآئین، آیۂ رحمت، فاتحۂ عظمت، قدوۂ عالم ربانی، نورشعشعانی، حکمران ملک خدادانی، تاجدار کشور یکتا پرستی، خدیو مصر احکام پروردگار ہر بلندی وپستی، بادشاہ اقلیم اجتہاد، شہنشاہ دیار ہدایت ورشاد سلطان العلماء رضوان مآب، جناب سید محمد مجتہد العصر والزمان رحمۃ اللہ الرحمان کوجن پر حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَحَرَامُہٗ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ صادق ہےاورخودان کے جواب شاہی میں یہ جواب وائق ہے۔ بطرز وصایائے جناب لقمان بہ ندائے شہادت عبارت قرآن اپنا نائب مطلق مان کر بلکہ مومنین مھتدین کے لئے اپنا رسول برحق بمطاوی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ جان کر کچھ ایسی وصیتیں اور خاص خاص نصیحتیں فرمائی ہیں کہ اگران کو جاہل دیکھے تو عالم اور مریض معاصی پڑھے تو عصیاں سے مبرا ہوکر صحیح وسالم ہوجائے ،گمراہ دیکھے تو راہبر ہو، کجرو سیکھے تو راہ پر ہو، طوطی سن لے شکرشکن ہو، موتی چن لے درعدن ہو، آنکھیں دیکھ کر روشن ہوں، گل ایک بھی ورق پڑھیں توگلشن ہوں، ابکم سن کر مثل بلبل چہکے، اگر یہ نصائح مسافر کے ہمراہ ہوں تو وہ راستہ میں بھول کر بھی نہ بہکے، اگر آفتاب کو چھاؤں بھی تحریر دلپذیر کی مل جائے تو کندن کی طرح طلائی ورق اس کا چمکے، اگر کوئی پختہ کار رخام پران نقوش حیات نفوس کو کھودے تو معدن جواہرات اپنے کو کھودے اور وہ سنگ بلا درنگ الماس ڈھنگ لعل بدخشاں پرکلوخ انداز ہوکر دم بدم دمکے، طاق دل میں اگر یہ صحیفۂ نور ہوتو ساغر دل شراب طہور ہدایت سے لبریز ہوکر چھلکے، سورج مکھی کے پھول کی پتی بھی اگران نصیحتوں کی بو باس سونگھے تو اس کے پرتو آفتابی سے باغ کا باغ جھلکے، دنیا دار پڑھ لے تو زاہد، تارک الصلوٰۃ سن لے تو عابد ہو، سر بلند نگاہ ڈالے تو ساجد ہو، انسان پڑھے تو ملک ہو، جس جگہ ان کا ذکر ہو وہ زمین سر بفلک ہو، مملوک پڑھ کر آزاد ہو، پیر پڑھ کر مژدۂ جناں سے جوان کی صورت قامت کشیدہ بسان شمشاد ہو، غمگیں پڑھ کر دل شاد ہو، ویرانہ دیکھے تو آباد ہو، جس مکان میں یہ ہوں نہ تو کبھی وہ خراب ہواور نہ برباد ہو، فنا دیکھے تو فی المعنیٰ بقا ہو، کریہہ المنظر دیکھے تو خوش لقاء ہو، رنگ دیکھے تو غازہ ہو، خشک دیکھے تو تر وتازہ ہو، گمنام

ان کا عامل ہو کر صاحب شہرت و آوازہ ہو، گرتا ہوا سنبھل جائے، ڈوبتا ہوا ابھر کر ہاتھوں اچھل جائے، اس نور نصیحت کی ضیا سے آدمی تاریکیٔ جہل سے نکل جائے، گنہ گار عامل ہو تو پرہیز گار، عاصی عمل کر کے رستگار ہو، طالب دنیا صاحب تقویٰ ہو، راغب علم حضیض نادانی سے بڑھ کر عالم باعمل اور مالک فتویٰ ہو۔ تحریر کمال ہے کہ معجزہ ہے، سحر حلال ہے کہ موعظہ ہے جس کا ترجمۂ صحیحۂ موسوم بہ ''الوصیۃ والنصیحۃ'' ثمرۂ شجرۂ بوستان سعادت، گلبن نو باوۂ گلستان رشادت، عاشق خدا، سالک راہ رضا، دوستدار شاہ خاص و عام، عارف رسول انام، پیرو دوازدہ امام، حق شناس معادن وحی خدا و تراجمۃ امر و نہی خدا، وحید فرید، سعید مجید، رشید مجید، فہیم وسیم، عالی نسب والاحسب، ذوالعلم والادب والمجد والشرف، گوہر منتخب سلک درنجف، نوراز ہر برتر مولوی سید محمد جعفر قدسی سَلَّمَهُ اللهُ الْاَكْبَرُ بِالنَّبِيِّ وَآلِهٖ شُفَعَاءِ يَوْمَ الْمَحْشَرِ بن المرحوم فاضل کامل جناب المولوی السید مجتبیٰ حسین عرشی حَشَرَهُ اللهُ مَعَ الْاَئِمَّةِ الْمُصْطَفِيْنَ نے بزبان عام فہم اردوئے معلیٰ نہایت فصاحت وسلاست وکمال ملاحت ولطافت ومنتہائے طلاقت وفطانت وانتہائے ذکاوت وذہانت سے فرمایا۔ حقیر نے بہر طور بچشم غور اس کراسۂ قلیل العبارہ کثیر البشارہ سے استفادہ واستفاضہ کیا اور فوائد کو اپنے کتاب دل کے متن میں نقش کالحجر کر کے قوت حافظہ کے حوالہ کر دیا جَزَى اللهُ الْمُتَرْجِمَ عَنَّا وَعَنْ سَادَاتِنَا اَجْزَلَ الْجَزَاءِ وَوَفَّقَنَا وَسَائِرَ الْمُومِنِينَ بِالْعَمَلِ بِهَا بِالنَّبِيِّ وَآلِهٖ اَصْحَابِ الْكِسَاءِ۔

كَتَبَهُ الْمُتَشَبِّثُ بِاَذْيَالِ آلِ الْاِجْتِهَادِ وَاَقْيَالِ اِقْلِيمِ الْاِرْشَادِ خَادِمُ الْعُلَمَاءِ رضی حسن صِيْنَ عَنِ الْمِحَنِ بنِ حضرت سَنَدُ الْمُجْتَهِدِيْنَ اَعْلَى اللهُ مَقَامَهٗ فِي اَعْلَى عِلِّيِّيْنَ لِلثَّالِثِ وَالْعِشْرِيْنَ يَوْمَ السَّبْتِ مِنْ جُمَادِي الْاَوَّلِ ۱۳۳۸ مِنْ هِجْرَةِ خَيْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَسَيِّدِ الْبَشَرِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ مَا اتَّصَلَ عَيْنٌ بِنَظَرٍ وَاُذُنٌ بِخَبَرٍ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَہُ الْحَمْدُ وَالرُّجُوْعُ اِلَیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

قُدْوَۃُ الْمُتَکَلِّمِیْنَ صَفْوَۃُ الْمُحَقِّقِیْنَ حَامِی الْمِلَّۃِ وَالدِّیْنِ مُجَدِّدُ شَرْعِ خَیْرِ الْبَشَرِ الْعَقْلُ الْھَادِی عَشَر آیۃ اللہ العظمیٰ حضرت غفراں مآب مولانا السید دلدار علی صاحب قبلہ (جائسی النصیر آبادی اللکھنوی) طاب ثراہ نے اپنے فرزند ارجمند حُجَّۃُ الْاِسْلَامِ عَلَی الْاَنَامِ فَقِیہُ اھلِ بیتِ علیھم السَّلَامُ قُدسی خطاب سلطان العلماء جناب رضواں مآب مولانا السید محمد صاحب نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَہٗ کو اپنے اجازۂ مکتوبہ میں جو وصیتیں فرمائی ہیں وہ ایسی سودمند و مفید ہیں کہ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا اور مجموعۂ وصایا کو اپنا دستور العمل بنا سکتا ہے۔

چنانچہ سید المتفقہین سند المجتہدین مولانا وہادینا جناب المولوی السید علی حسن صاحب قبلہ جائسی مجتہد العصر اعلیٰ اللہ مقامہ کا یہ خیال تھا کہ اگر ان وصیتوں کا ترجمہ ہو جاتا تو معمولی استعداد والوں کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا۔ آخرکار یہ مبارک خیال عالم خیال سے معرض ظہور میں آیا اور حقیر سے ترجمہ کرنے کے لئے ارشاد ہوا مگر خاکسار اپنی قلتِ استعداد سے امتثال امر میں متفکر و متامل رہا۔ جب وہ ارشاد فیض بنیاد اصرار کی حد تک پہنچا تو خدائے تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم اور جناب علیین مآب آیۃ اللہ سید مصطفیٰ میر آغا صاحب کی توجہ واعانت سے یہ کام بہ احسن وجوہ انجام پا گیا۔ ناظرین کرام جب اس سے فائدہ اٹھائیں تو راقم آثم کے لئے بھی دعائے خیر فرمائیں۔ حضرت رب العزت کی درگاہ میں بکمال ادب یہ عرض ہے کہ وہ اس ناچیز خدمت کو قبول اور اپنے بندۂ گناہگار کے حال ومآل کی اصلاح فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ

الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ۔

خاکسار

سید محمد جعفر قدسیؔ احسن اللہ الیہ

۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

عرشی منزل، دار العلوم جائس ضلع رائے بریلی

وصیت نامہ حضرت غفران مآبؒ

حضرت غفراں مآبؒ ارشاد فرماتے ہیں:

اے میرے پیارے فرزند! یہ میری چند وصیتیں گوش دل سے تم سن لو تا کہ دین و دنیا میں ہمیشہ رستگار و فائز المرام رہو۔

حصول یقین

مسائل شرعی اور اصول و فروع دین میں اتنی کوشش کرو کہ علم و یقین حاصل ہو جائے اگر حصول یقین کی سبیل میسر نہ آئے تو احتیاط کی رعایت ضروری ہے کیونکہ احتیاط ہی موجب نجات ہے۔

تحصیل علم و کمال

فضائل علمیہ و کمالات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں ہمیشہ منہمک و مصروف رہو۔ اخلاقی پستی اور علمی نقصان سے اعلیٰ مدارج علم و معرفت کی طرف ترقی کرو کیونکہ قدر و شرف و منزلت و مرتبۂ علم کو بحمد اللہ تم پہچان چکے ہو۔

علوم حکمیہ سے احتراز

تمہیں اس امر سے بچنا چاہئے کہ تم اپنی عمر عزیز کتب فلسفیہ پڑھانے اور علوم حکمیہ کے جمع کرنے میں صرف کرو۔ خواہ وہ مشائیہ کی حکمت ہو یا اشراقیہ کی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں گمراہی و جہالت کی ہیں اور ان کا شائق حسرت و ندامت اٹھاتا ہے۔ ان علوم کے خراب نتائج اور برے

آ ثار کا جوادنیٰ درجہ ہم نے مشاہدہ کیا وہ یہ ہے کہ ان میں جو منہمک ہوا اور کثرت سے ان علوم کو سیکھا اگر وہ ملحد (Athiest) یا دہری (Naturalist) اور صوفی نہیں ہوا تو کم سے کم امور دین میں سستی ضرور کرتا اور احکام دین کا پابند نہیں رہتا ہے جیسا کہ بعض ممالک عجم اور اکثر بلاد ہند میں خود ہم نے دیکھا ہے۔ ہاں جو نہایت ذہین وذکی ہو اور علوم دینیہ بدلائل و براہین حاصل کر چکا ہو تو خیر مضائقہ نہیں۔ کبھی کبھی گھڑی دو گھڑی حکماء کی بعض کتابیں پڑھادی جائیں اگر تم کو ایسا شخص ملے کہ جس کا ذہن صاف ہو اور وہ بھی بہت خواہش رکھتا ہو تو پڑھاتے وقت ان حکماء کی خطاؤں سے اسے اس طرح آگاہ کرتے جاؤ کہ ان کے قصوروار ہونے کا اس کو بخوبی یقین ہو جائے۔ حکماء کے طرفداروں نیز ان کے اہل مذہب کے رد اقوال اور ان کے ساکت کرنے پر اسے پوری قوت حاصل ہو جائے مگر جو شخص زیادہ ذہین اور علوم میں بھی اچھی استعداد نہ رکھتا ہو تو اولیٰ و مستحسن یہی ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ اپنا وقت ضائع نہ کرنا کیونکہ ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے کہ اکثر متوسطین اور قلیل البضاعت لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ارباب ذکا سے ہیں مگر جب انہوں نے ان علوم کو کثرت سے حاصل کیا اور ان علوم سے انہیں موانست ہوگئی تو وہ دین مستقیم سے پھر گئے اور ان لوگوں میں داخل ہو گئے جن کا نہ کوئی مذہب ہے نہ دین۔ ایسا شخص اگر چہ زبانی مدعی ہو کہ میں ارباب ایمان سے ہوں لیکن اس کا دل اس کے قول کی موافقت نہیں کرتا اور اس کا فعل اس کے قول سے مخالف رہتا ہے۔

عمل بہ علم

اے فرزند! حق تعالیٰ نے تمہیں جس کا علم عطا کیا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق کو زیادہ کرے۔ آگاہ ہو کہ اس عالم میں نیکی نہیں ہے جو اپنے علم کے موافق عمل نہ کرے۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ علماء دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں اور وہ بیشک ناجی ہیں ۔ دوسرے وہ جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اور وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ جس نے اپنے علم پر عمل

نہیں کیا اس عالم کی بدبو سے اہل جہنم تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اہل دوزخ میں سب سے زیادہ حسرت وندامت اس عالم کو ہوگی جس نے خدا کی طرف کسی بندہ کو بلایا ہو اور اس نے جب اس کی ہدایت کے موافق عمل کیا تو خدائے برتر نے اطاعت کی وجہ سے اس کو داخل بہشت فرمایا لیکن وہ عالم وہادی اپنے علم پر عامل نہ ہوکر جہنم کا مستحق ہوا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ علم، عمل کے ساتھ رہتا ہے۔ جس نے سیکھا اس نے عمل کیا اور جس نے عمل کیا گویا اسی نے سیکھا۔ علم آواز دیتا ہے کہ میرے موافق عمل کرو اگر اس نے علم کے موافق عمل کیا تو بہتر ورنہ اس سے وہ علم زائل ہوجاتا ہے۔ اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں ان حدیثوں کے صدق پر حق تعالیٰ کا یہ قول کافی روشنی ڈالتا ہے "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"۔ (کیوں کہتے ہو اس چیز کو جسے خود تم نہیں کرتے۔ خدا کے نزدیک یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں) حاصل کلام یہ کہ جب علم کے موافق عمل نہ کیا جائے گا تو وہ علم صاحب علم کو بجز کفر اور خدا سے دوری کے اور کوئی دوسرا فائدہ نہ پہونچائے گا۔

اجتہاد بالرّائے

اے فرزند! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ بغیر علم کے محض اپنی رائے سے فتویٰ نہ دینا۔ بغیر علم یا کسی عالم کی ہدایت کے جو فتویٰ دیتا ہے فرشتگان رحمت وعذاب اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے گناہ کے مطابق ان لوگوں کا بھی گناہ ہوتا ہے جو اس کے فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ تمہیں جس کا علم نہ ہو اس کے متعلق اپنے عدم علم کا اقرار لازم ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں اسے نہیں جانتا اس سے بہتر ہے کہ تم بغیر علم کسی چیز کو بیان کردو۔ آگاہ ہو کہ بغیر علم کے فتویٰ دینا آخرت میں زیادتی عذاب کا باعث اور دنیا میں ندامت کا سبب ہے۔ تمہارے لئے اس امر میں حق تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے **وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ**۔ (جو شخص حکم خدا کے خلاف کوئی

حکم دے وہ کافر ہے)

اَیۡضاً اَلَمۡ یُوۡخَذۡ مِیۡثَاقُ الۡکِتَابِ اَنۡ لَاۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللہِ اِلَّا الۡحَقَّ (کیا قرآن مجید میں تم سے عہد نہیں لیا گیا کہ نہ کہو تم خدا کے متعلق مگر حق)

علم پر غرّہ

اے فرزند! اس پر گھمنڈ لازم نہیں کہ تمہیں خدا نے علم عطا کیا ہے کیونکہ جو شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ اس علم سے علماء پر فخر یا اس علم کے ساتھ احمقوں سے لڑے جھگڑے اور اس کے سبب سے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو وہ جہنم میں اپنی جگہ بناتا ہے۔

تعظیمِ فقہاء و تکریمِ علماء

اے فرزند! فقیہوں کی تعظیم اور عالموں کی تکریم تم پر لازم ہے۔ جناب رسولؐ مقبول نے فرمایا ہے کہ فقیہ مسلم کی جو عزت کرے گا وہ روز قیامت حق تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ خدا اس سے راضی اور خوش ہوگا۔ فقیہ مسلم کی جو توہین کرے گا حق تعالیٰ روز حشر اس پر غضبناک ہوگا۔ تمہیں فقیہ عالموں کی ہمنشینی لازم ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ حواریین نے حضرت عیسیٰؑ سے عرض کی یا روح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں۔ ارشاد ہوا اس کے پاس جس کے دیکھنے سے تمہیں خدا یاد آئے۔ اس کی بات سے تمہارے علم میں زیادتی اور اس کے علم سے تمہیں آخرت کی طرف رغبت ہو۔

جناب امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے کہ عالم سے گھوروں پر ملاقات کرنا بہتر ہے جاہل کے فرشہائے نفیس پر بیٹھ کر بات کرنے سے۔

اہل بدعت سے احتراز

تم کو اہل بدعت سے بچنا چاہئے۔ حضرت سرورؐ انبیاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجلس بدعت میں حاضر ہو اور اس کی تعظیم کرے گویا اس نے اسلام کی خرابی میں کوشش کی۔

احقاق حق و ابطال باطل

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط جس وقت موجود ہوں تم پر اظہار حق اور باطل کا مٹانا واجب و لازم ہے کیونکہ حضرت رسولؐ کریم نے فرمایا ہے کہ جب کسی بدعت کا ظہور ہو تو عالم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہئے اور جو ظاہر نہ کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

دعا

اے لختِ جگر! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنے دل کو ذکر خدا کی طرف متوجہ کرو، ریسمان خدا کو مضبوط تھامو، نفس کو ہر امر میں خدا کی طرف راجع رکھو کیونکہ یہی خدا کی طرف رجوع رہنا ہی تمام آفتوں کی سپر ہے۔ تم کو اپنے رب سے سوال کرتے وقت نیت خالص رکھنی چاہئے کیونکہ محروم رکھنا اور کامیاب کرنا اس کے اختیار میں ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی دعا کی وجہ سے اپنے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی اس طرح مدح فرمائی ہے اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ۔ (ابراہیمؑ خوف خدا سے ڈرنے والا اور بردبار ہے) حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ ''اوّاہ'' کے معنیٰ دعا کرنے والے کے ہیں۔

حنان ابن سدیر اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں (سدیر) نے خدمت جناب امام محمد باقرؑ میں عرض کی کہ کون سی عبادت افضل ہے؟ فرمایا: خدا کے نزدیک اس سے زیادہ اور کچھ افضل نہیں کہ اس سے وہ چیز مانگیں جو اسی خدا کے پاس ہے، خدا کے نزدیک اس شخص سے زیادہ کوئی دشمن نہیں جو عبادت میں غرور کرے اور خدا سے وہ چیز نہ مانگے جو اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جو شخص خدا سے تفضّل کی امیدواری نہ کرے گا وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔

سیف تمار سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہیں دعا کرنا لازم ہے کیونکہ دعا تم کو خدا سے قریب کر دیتی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی خدا سے مانگتے وقت نظر انداز نہ کرو کیونکہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا وہی مالک ہے تمہیں اس طرز عمل میں جناب امیرؑ کی

پیروی حاصل ہوگی کیونکہ وہ جناب ہمیشہ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرتے اور فرماتے تھے کہ دعا نجات وفلاح کی کنجی ہے۔ وہ بہترین دعا ہے جو سینۂ بے کینہ اور پاک دل سے نکلے۔ جب تم پر خوف ودہشت کی زیادتی ہوتو خدا ہی کی طرف جائے پناہ ہے۔ اے فرزند تمہیں دعا کرنا لازم ہے کیونکہ دعا ہی بلاء وقضا کو دور کرتی ہے۔ دعا میں ہر درد کی شفا ہے۔ دعا کے دیر میں قبول ہونے سے دل تنگ وناامید نہ ہو کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن کا علم تم سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

محمد ابن ابی نصر سے منقول ہے کہ میں نے خدمت حضرت ابوالحسنؑ میں عرض کی یا مولا میں آپ پر فدا ہوں۔ مدت ہوئی کہ میں نے خدا سے ایک حاجت کا سوال کیا تھا ابھی تک حاجت روائی نہ ہونے سے اب میرے دل میں خدشہ گزرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے احمد تو شیطان سے پرہیز کر کہ وہ تجھے یہ دکھا کر خدا سے ناامید کر دے۔ تیرے لئے حق تعالیٰ کا یہ قول کافی ہے "لَا تَقْنُطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ (رحمت خدا سے ناامید نہ ہو) اور "وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ" (اے رسولؐ آپ سے جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو فرما دیجئے کہ میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں)

توکُّل بہ خدا

جب تمہیں کوئی امر درپیش ہوتو خدا پر بھروسہ کرو اور نہایت رغبت سے فوراً شروع کر دو۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ خدا نے جناب داؤد کی طرف وحی نازل فرمائی کہ جب ہمارا بندہ سچے دل سے ہم سے پناہ چاہتا اور کسی مخلوق کا سہارا نہیں ڈھونڈھتا ہے تو پھر زمین وآسمان اگرا س سے مکر وفریب کریں اور زمین وآسمان کے درمیان جو چیزیں ہیں وہ بھی فریب کریں تب بھی ہم اپنے بندہ کے لئے امن وآسائش کا راستہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جب کوئی بندہ کسی مخلوق کا سہارا ڈھونڈھتا ہے تو ہم اس کی نیت پہچان کر تمام اسباب ارضی وسماوی کو قطع کر دیتے ہیں پھر اگر وہ کسی

وادی میں ہلاک بھی ہو جائے تو ہمیں کچھ خیال نہیں ہوتا۔

ابوحمزہؒ ثمالی جناب سید الساجدین سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے نکلا اور دیوار تک پہنچ کر گر پڑا دیکھا کہ ایک شخص دو سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے منہ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آخرکار اس شخص نے کہا یا علیؑ بن الحسینؑ کیا سبب ہے کہ میں آپ کو رنجیدہ و محزون دیکھتا ہوں؟ اگر دنیا کے لئے رنجیدگی ہے تو رزق خدا ہر نیک و بد کے لئے مہیا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس کا رنج نہیں کیونکہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اگر آپ آخرت کے لئے مغموم ہیں تو یوم آخرت کا وعدہ سچا ہے اور اس دن کا حاکم بادشاہ قاہر و قادر ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے اس کا بھی رنج نہیں کیونکہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے کہا۔ اس نے پوچھا کہ آخر آپ کو پھر کون سا ملال ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں فتنۂ ابن الزّبیر سے ڈرتا اور اس چیز سے خوف کرتا ہوں جس میں لوگ مبتلا ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں وہ شخص ہنسا اور کہا یا علیؑ بن الحسینؑ آیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے خدا سے دعا کی ہو اور اس نے قبول نہ فرمائی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ پھر اس شخص نے کہا آیا آپ نے کسی کو دیکھا ہے کہ اس نے توکل کیا ہو اور حق تعالیٰ نے کفالت نہ کی ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا آیا آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جس نے خدا سے کسی امر کا سوال کیا ہو اور اس نے اس کو عطا نہ کیا ہو؟ حضرت نے فرمایا نہیں۔ یہ سن کر وہ غائب ہو گیا۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ توانگری و عزت ہمیشہ گردش میں رہتی ہیں۔ مقام توکل یعنی خدا پر توکل کرنے والے کے دل کو جب پاتی ہیں تو ٹھہر جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَنۡ يَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهُ** (خدا پر جو توکل کرتا ہے اس کے لئے خدا کافی ہے) توکل کے متعلق جناب امیرؑ سے جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ توکل کے بہت سے درجہ ہیں ایک درجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر اپنے تمام امور میں توکل کیا جائے اور حق تعالیٰ بندہ کے لئے جو کچھ پسند

فرمائے اسی پر وہ راضی رہے اور یقین رکھے کہ وہ میرے ساتھ فضل و نیکی کرنے میں کمی نہیں کرتا اور یہ بھی سمجھے کہ ہر امر میں اسی کا حکم جاری ہے پھر اپنے تمام امور خدا کو سونپ کے اسی کی ذات پر بھروسہ کرے اور تمام امور میں خدا ہی پر اعتماد رکھے۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ خدا جس شخص کو تین چیزیں عطا فرماتا ہے اس کے لئے اپنے اختیار کی تین چیزیں نہیں روکتا:

۱۔ جس کو دعا کی توفیق دیتا ہے اس کی دعا قبول کرتا ہے۔

۲۔ جسے شکر کی توفیق دیتا ہے اس کو زیادتی عطا کرتا ہے۔

۳۔ جسے توکل کی توفیق دیتا ہے مشکلوں میں اس کی مدد فرماتا ہے۔

یہ فرما کر ارشاد کیا کہ تو نے قرآن مجید میں پڑھا ہے؟ وَمَنْ یَتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (خدا پر جو توکل کرتا ہے اس کے لئے وہ کافی ہے) لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر میرا شکر بجالاؤ گے تو میں یقیناً تم پر نعمت کی زیادتی کروں گا) اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا)

(مترجم:۔توکل بخدا کے یہ معنیٰ ہیں کہ بندہ اپنے کسی امر میں مخلوقات پر بھروسہ نہ رکھے صرف خدا سے امیدوار رہے۔توکل مشتق ہے وکل سے۔حق تعالیٰ فرماتا ہے: لَاتَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلاً (میرے سوا تم کسی کو اپنا وکیل نہ کرو) اپنے امور میں خدا ہی پر اعتماد رکھو۔توکیل کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص کسی پر اعتماد کرے اور اسے اپنا قائم مقام بنائے کہ وہ اس کے تمام کام انجام دے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلاً (اور کافی ہے اللہ سا وکیل) وکیل بھی اسم حق تعالیٰ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر تم خدا پر اس طرح توکل کرو گے جیسا کہ توکل کا حق ہے تو تمہارے تمام امور برآئیں گے۔توکل اس طرح کرنا چاہئے کہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ خدا کے سوا کوئی کچھ کرنے والا نہیں ہے۔خواہ وہ روزی دینا ہو یا کوئی چیز عطا کرنا ہو کیونکہ ہر چیز خدا ہی کے اختیار میں

ہے۔ ایسے کامل الیقین بندہ کو بوجہ احسن لازم ہے کہ اپنے تمام امور میں نہایت عاجزی وگریہ وزاری سے درگاہ الٰہی میں رجوع کرے۔

معانی فی الاخبار میں توکل علی اللہ کے یہ معنی ہیں کہ بندہ اس بات کا یقین کرلے کہ خدا کے سوا مخلوق میں سے نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، کچھ دے سکتا ہے نہ لے سکتا ہے۔ غرضکہ خدا کے سوا کسی سے امید نہ رکھے جو بندہ ایسا ہوگا اس کا ہر عمل خدا کے لئے ہوگا۔ خدا کے سوا کسی سے نہ وہ امید رکھے گا نہ خائف ہوگا نہ کسی چیز میں اور سے طمع کرے گا۔ بعض لوگ توکل کے یہ معنیٰ کس طرح خیال کرتے ہیں کہ انسان جب توکل کرے تو بس ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے اور معاش کی فکر قطعاً چھوڑ دے۔ ایسا خیال جہالت پر مبنی بلکہ حرام ہے۔)

استخارہ و استشارہ

اے فرزند! تمہیں ہر امر خصوصاً اہم اور مشکل کاموں میں حق تعالیٰ سے استخارہ کرنا لازم ہے کیونکہ استخارہ خطا سے بچنے کا ذریعہ اور رضا جوئ خدا کا طریقہ ہے۔ استخارہ وہ نور ہے جس سے ظلمتکدۂ حیرت میں روشنی طلب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہادی ہے کہ انسان اس سے ہدایت پاتا ہے۔

''برقی'' نے اپنی کتاب ''محاسن'' میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے۔ حضرت نے ارشاد کیا: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ امر بھی میرے بندہ کی بدبختی سے ہے کہ اپنے کاموں میں وہ مجھ سے استخارہ نہ کرے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان استخارہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ ضرور اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتا ہے۔ پھر حضرت سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی کام بغیر استخارہ کے شروع کرے اور بعد ازاں کسی بلا میں مبتلا ہوجائے تو اس کے لئے کچھ اجر نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے اور بہت خوب فرمایا ہے کہ صاحب عقل کے لئے بغیر حق کو معلوم کئے ہوئے کسی امر میں مصروف ہونا کیونکر بہتر ہوگا۔ اوامر و نواہی میں جو چیز محصور ہے اس کا اختیار کرنا بغیر استخارہ و استشارۂ ربانی کس طرح بندہ کے لئے مناسب ہوگا۔ پھر بغیر کسی واقفیت اور واقف کار کے اہم اور

مشکل کاموں میں کسی عاقل کا مصروف ہونا کیونکر اچھا ہوگا بلکہ جب تک خدائے علیم وخبیر سے استخارہ نہ کر لے وہ ایسے امور کس طرح شروع کرے گا جن کے انجام کی اسے مطلق خبر نہیں۔ جو خدا سے طلب خیر اور مشورہ نہیں کرتا وہ خود ہی اپنی مضرت رسانی وگرفتاریٔ بلا کا باعث ہوتا ہے کیونکہ اس نے بغیر فکر وتدبیر محض اپنی رائے سے آغاز کار کیا۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ جس نے طلب خیر میں تقصیر کی وہ مصیبت کے بھنور میں گرفتار رہوا۔ جس نے عاقبت کا خوف کیا وہ ان تمام بلاؤں پر ثابت قدم رہا جو ناگہاں اس پر آنے والی ہیں، جس نے کسی امر پر بغیر علم کے سبقت کی اس نے اپنے کو ذلیل کیا۔ جس نے جانا نہیں وہ سمجھا نہیں، جو سمجھا نہیں وہ سالم نہیں رہ سکتا، جو سالم نہیں رہ سکتا اسے کرامت حاصل نہیں ہوسکتی جسے کرامت حاصل نہیں ہوسکتی اس نے اپنی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا ،جس نے اپنی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالا وہ زیادہ تر قابل ملامت ہے، جو اس طرح کی ملامت کا سزاوار ہے وہ اسی لائق ہے کہ اسے ہر جگہ ندامت حاصل ہو۔

حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر علم کے عمل کرے گا اس کا فساد اکثر اُسی چیز سے ظاہر ہوگا جس سے کہ وہ اصلاح کرتا ہے۔ بہ تحقیق کہ میں نے اپنے عمل میں حق تعالی سے استخارہ کیا اور اس نے مجھے رشد کا طریقہ بتادیا۔ (انتھیٰ)

استخارہ کئی طرح سے کیا جاتا ہے۔ ہر طریقۂ استخارہ خصوصاً استخارۂ ذات الرقاع سے میرے لئے جس قدر خوبیاں اور بڑی بڑی مصلحتیں ظاہر ہوئی ہیں اگر میں ان کے اظہار کا قصد کروں تو بیان طولانی اور میرا کلام بھی اس مبحث سے خارج ہوجائے گا جس کا ذکر مجھے منظور ہے۔ استخارہ کی بالکل معمولی خوبیاں یہ ہیں:

آنحضرتؐ کا قول ہے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (عمل کا مدار نیتوں پر ہے) جس کی جیسی نیت ہوگی اس کے لئے ویسا ہی ظاہر ہوگا۔ حق تعالی فرماتا ہے: وَكُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ (اور ہر شخص کا عمل ویسا ہی ہوتا ہے جیسی اس کی خصلت ہوتی ہے) بندہ جب استخارہ کرتا اور حکم خدا کے موافق

عامل ہوتا ہے تو یہ عین طاعت وعبادت ہے کیونکہ جب عادتیں خوش نیتی پر بنی ہوتی ہیں تو عبادتیں ہوجاتی ہیں اور جو عبادتیں نیک نیتی سے واقع ہوتی ہیں وہ عادتیں ہوجاتی ہیں ۔اے فرزند! تم کو معلوم رہے کہ استخارہ میں اس امر سے راضی رہنا لازم ہے جس کو خالق اکرم نے اس کے لئے جائز کیا ہے۔ ایسا خالق جو انجام کار سے بخوبی واقف ہے۔ بہت سے ایسے امور ہیں جن سے نفس کو کراہت ہوتی اور ان سے انکار ہی رہتا ہے مگر انجام کار کا جاننے والا بندہ کے لئے انہیں کو مناسب سمجھتا اور حکم دیتا ہے کہ تجھے یہی کرنا چاہئے، تیرے خدا کی یہی مرضی ہے، تیری فلاح و بہبودی اسی میں ہے۔ بہت سے امور ایسے بھی ہیں جن کی طرف نفس راغب اور ان کو قبول کرنے کے لئے تیار ہے مگر حق تعالیٰ چونکہ یہ جانتا ہے کہ ان میں برائی ہے لہٰذا بندہ کے لئے ان کو پسند نہیں کرتا چنانچہ خود فرماتا ہے: وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور خدا تو جانتا ہی ہے مگر تم نہیں جانتے) بعض علماء نے خوب افادہ فرمایا ہے کہ تمہیں نصیحت مخلوق پر تو اعتماد ہوتا ہے جو تمہاری ہی طرح ہیں۔ پھر خالقِ عالم پر تم کیوں بھروسہ نہیں کرتے اور خدا کے اختیار کئے ہوئے امر نیز اس کی نصیحت کو برا جانتے ہو اور تمہاری خواہش اس کی طرف راغب نہیں ہوتی اور تمہاری طبیعت اپنے افسوس وندامت ورنج وغضب کو ظاہر کرتی ہے تو یہ بتاؤ کہ آیا تم اپنے پروردگار سے زیادہ کسی کو اپنے اصلاح حال میں دانا و بینا سمجھتے ہو۔ آیا تم کسی کو اپنے خدا سے بڑھ کر شفیق و رحیم پاتے ہو حالانکہ خداوند عالم ہم پر ماں باپ سے زیادہ رحیم وشفیق ہے۔ یہ امر اہل سعادت کے نزدیک بدیہی ہے اور کسی دلیل کا محتاج نہیں (خدانخواستہ) اگر تم اہل سعادت سے نہ ہو اور اپنے ہاتھ سے ایسے رحیم کے دامن کو نہ تھامے رہو اور تم پر طبع شیطانی وخواہش نفسانی غالب ہو تو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف راستہ چلنا تم کو لازم ہے مگر تم ندامت اٹھانے کے لئے مستعد رہو۔ ہمیں اور

تمہیں خواہش نفسانی سے خدا محفوظ رکھے۔ وہ ہم کو اور تم کو اسی چیز کی توفیق عطا فرمائے جسے خود مرغوب رکھتا ہو اور جس سے راضی ہے (انتہیٰ) اس کے متعلق ہمارے ائمہ علیہم السلام سے بکثرت روایتیں مروی ہیں۔ جناب امیرؑ سے منقول ہے: حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھ سے استخارہ یعنی طلب خیر کرتا ہے تو میں اس کے لئے نیکی کو اختیار کرتا ہوں مگر وہ غضبناک ہوتا ہے۔

ہمارے بعض علماء نے روایت کی ہے کہ ہم نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ خدا کے نزدیک بزرگترین خلق کون ہے؟ فرمایا کہ جو کثرت سے خدا کا ذکر اور اس کی اطاعت گذاری کرتا ہو۔ پھر سوال کیا کہ دشمن ترین خلق کون ہے؟ فرمایا کہ جو حق تعالیٰ پر تہمت لگاتا ہو۔ ایک نے عرض کیا کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پر تہمت لگائے فرمایا ہاں وہ شخص جو حق تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے اگر استخارہ اس امر کے لئے خوب آیا جو اسے برا معلوم ہوتا ہے تو وہ خدا پر غضبناک ہوتا ہے اور یہی وہ شخص ہے جو خدا پر تہمت لگاتا ہے۔

حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ جناب سید الساجدینؑ جب کسی امر یعنی حج و عمرہ یا خرید و فروخت یا کسی کو آزاد کرنے کا قصد کرتے تھے تو وضو فرما کر دو رکعت نماز استخارہ کی نیت فرماتے اور دونوں رکعتوں میں سورۂ رحمٰن، سورۂ حشر، سورۂ فلق، سورۂ ناس اور سورۂ اخلاص پڑھتے تھے بعد ازاں درگاہ خدا میں عرض کرتے تھے کہ پروردگارا! اگر اس مقصد کے جلد یا بدیر حاصل ہونے میں میرے لئے دین و دنیا و آخرت میں بہتری ہو تو بہترین وجوہ کے ساتھ اس کے حصول کو مجھ پر آسان کر دے اور اگر میرے لئے اس میں دین و دنیا و آخرت میں کوئی برائی ہو تو اس کو باحسن وجوہ مجھ سے پھیر دے۔ خداوندا! تو میری صلاح و بہتری ہی کو میرے لئے تجویز فرما اگرچہ میرا نفس اسے برا جانتا ہو۔ ایسی بہت سی حدیثیں ہیں۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ استخارہ میں کوئی امر میرے خلاف رائے ظاہر ہو یا موافق مرضی، میں کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

اے فرزند! استخارہ کے بعد برادران ایمانی سے مشورہ کرنے کی تمہیں وصیت کرتا ہوں نیز اس امر کی کہ بارگاہ ایزدی میں تم عرض کرو کہ تو ان کی زبانوں پر وہ امر جاری فرمادے جس میں دین و دنیا کی بہتری ہو جیسا کہ اکثر احادیث نبویؐ اور اخبار ائمہؑ سے ظاہر ہوتا اور لوگوں کو مشورہ کرنے کی رغبت دلائی گئی ہے۔

مشورہ کے متعلق چند حدیثیں جناب امام جعفر صادقؑ سے نقل کی جاتی ہیں:۔

۱۔حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ صاحب عقل و دانش سے مشورہ کرنا کیونکہ اس کی نصیحت میں خیر و برکت اور حق تعالیٰ کی توفیق شامل ہے۔ ناصح عاقل جب تمہیں کوئی مشورہ دے تو اس کے خلاف نہ کرنا چاہئے۔اگر خلاف کرو گے تو رنج و تعب اٹھاؤ گے۔

۲۔جب تم کسی بلا میں مبتلا ہو اور کوئی صورت نجات نہ معلوم ہوتی ہو تو مرد عاقل و پرہیز گار سے مشورہ کرو۔

۳۔مرد عاقل و پرہیز گار کے مشورہ پر اگر عمل کیا جائے گا تو حق تعالیٰ اس کو پست نہ ہونے دے گا بلکہ اس کے مرتبہ کو بلند کرے گا اور ایسے امور کی طرف ہدایت فرمائے گا جو حق تعالیٰ سے اس کو قریب کردیں۔

۴۔حضرت رسولؐ خدا سے کسی نے سوال کیا کہ حزم و احتیاط کیا چیز ہے۔فرمایا کہ صاحبان رائے سے مشورہ کرنا اور اس پر عامل ہونا۔

۵۔حضرت رسولؐ خدا نے جناب امیرؑ سے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ یا علیؑ مشورہ سے زیادہ محکم اور کوئی پشت پناہ نہیں ہے۔نہ کوئی عقل مثل تدبیر ہے۔

۶۔جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ توریت میں چار چیزیں منقول ہیں:

(الف) جو شخص مشورہ نہیں کرتا وہ ندامت اٹھائے گا۔

(ب) فقر موت اکبر ہے۔

(ج) تو جیسا کرے گا ویسا پائے گا۔

(د) جو شخص کسی چیز کا مالک ہو اسے لازم ہے کہ پہلے اس میں سے غیر کو دے۔

۷۔ جناب امیرؑ نے اپنے کسی کلام میں فرمایا ہے کہ تو اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کر جو خدا سے ڈرتے ہوں۔

۸۔ مشورہ کی وجہ سے کوئی شخص ہلاکت میں نہیں پڑتا۔

۹۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے غلام سعد کی رحلت کے وقت ارشاد فرمایا کہ تو مشورہ کر اور کسی ایسے شخص کو بلا جو صاحب فضیلت اور امین ہو۔ سعد نے کہا کہ میں حضور ہی سے مشورہ کرتا ہوں۔ حضرت نے غضبناک ہو کے فرمایا کہ جناب ختمی مآبؐ اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے اور مشورہ کے بعد جو امر طے ہوتا اس پر اپنے ارادہ کو مستحکم فرما دیتے تھے۔

۱۰۔ فضیل ابن یسار سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے ایک مرتبہ کسی امر میں مشورہ فرمایا میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے۔ آپ سا جلیل القدر مجھ ایسے ذلیل سے مشورہ کرتا ہے۔ فرمایا کہ جب میں تم سے مشورہ کروں گا تو تم مشورہ دینے کے قابل ہو جاؤ گے۔

۱۱۔ حسن ابن جہم سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم خدمت امام جعفر صادقؑ میں موجود تھے اور حضرت کے والد ماجد جناب امام محمد باقرؑ کا ذکر کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت کی عقل کے برابر کسی کی عقل نہیں تھی۔ آپ اکثر اوقات حبشیوں سے مشورہ فرماتے تھے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ ایسے لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں جو آپ کے برابر نہیں فرمایا کہ کبھی کبھی حق تعالیٰ ان کی زبان پر حق کو جاری کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اسباب و باغات خریدنے میں آپ کو وہ لوگ مشورہ دیتے اور حضرت اس پر عمل فرماتے تھے۔

استخارہ کے بعد لوگوں سے مشورہ کرنے کے متعلق جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں ان میں سے کچھ

لکھی جاتی ہیں:

۱۔حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہے تو جب تک کہ خدا سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کرے کیونکہ حق تعالیٰ کے مشورہ سے جب اپنا کام شروع کرے گا تو وہ اپنی مرضی یعنی نیکی اور بہتری کو مشورہ دینے والے کی زبان پر جاری کرے گا۔اسی طرح شیخ مفیدؒ نے بھی حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے۔

۲۔کتاب مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيهُ میں ہارون ابن خارجہ سے روایت ہے حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرنا چاہے تو جب تک خدائے تعالیٰ سے مشورہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کرے۔ میں نے عرض کیا یا حضرت میں آپ پر فدا ہوں خدا سے کیوں کر مشورہ کروں فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ سے استخارہ کر اس کے بعد لوگوں سے مشورہ لے جب تو مصلحت خدا کے موافق اپنا کام شروع کرے گا تو جسے تو خلق میں اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے اس کی زبان پر حق تعالیٰ تیری بہتری کو جاری کرے گا۔

۳۔مکارم الاخلاق میں حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ جب تو کوئی کام کرنا چاہے تو اس کے متعلق جب تک کہ اپنے پروردگار سے مشورہ نہ کرلے کسی اور سے مشورہ نہ کر۔میں نے عرض کیا کہ پروردگار عالم سے کیونکر مشورہ کروں فرمایا کہ سو مرتبہ اَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ کہہ اور اس کے بعد لوگوں سے مشورہ کر بتحقیق کہ جسے تو دوست رکھتا ہے حق تعالیٰ تیری بہتری کو اس کی زبان پر جاری کرتا ہے۔

۴۔کتاب ذکریٰ مصنفۂ جناب شہیدؒ میں لکھا ہے کہ سید رضی الدین نے معتبر سندوں کے ساتھ اسحاق ابن عمار کی زبانی روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کچھ خریدنا یا بیچنا یا کوئی کام کرنا چاہے تو پہلے خدا سے طلب خیر اور اس سے سوال کرے۔میں نے عرض کیا کہ کس قاعدہ سے۔ فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ كَذَا وَ كَذَا فَاِنْ كَانَ خَيْرًا فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَعَاجِلِ اَمْرِيْ وَآجِلِهٖ يُسِّرْهُ لِيْ وَاِنْ كَانَ شَرًّا لِيْ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ رَبِّ اعْزِمْ لِيْ عَلٰى

رُشْدِیْ وَاِنْ کَرِھْتُہٗ وَاَبَتْہُ نَفْسِیْ (خداوندا! میں ایسا ایسا چاہتا ہوں اگر اس امر کے جلد یا بدیر حاصل ہونے میں میرے لئے دین ودنیا میں بہتری ہوتو اس کو میرے لئے سہل وآسان کردے اور اگر اس امر میں میرے لئے دین ودنیا میں برائی ہوتو اس کو مجھ سے پھیر دے اور باز رکھ ۔ خداوندا! جس امر میں حتماً میرا رشد ہو اسی کو تو میرے لئے اختیار فرما اگر چہ میرے نفس پر شاق گذرے اور مجھے اس سے کراہت ہو) پھر اس کے بعد دس مومنوں سے مشورہ کر۔ دس مومن اگر نہ ممکن ہوں تو پانچ ہی سے سہی مگر ان پانچ مومنوں سے دو دو مرتبہ مشورہ کر۔ ان اخبار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مشورہ سے پہلے استخارہ کرنا چاہیئے یعنی حق تعالیٰ سے طلب خیر کو مقدم رکھے تاکہ حق تعالیٰ بندہ کی بہتری کو مشورہ دینے والے کی زبان پر جاری کرے یا اس طریقہ سے بارگاہ احدیت میں سوال کرے کہ حق تعالیٰ مشورہ کرنے کی اجازت نہ دے مگر اسی قدر کہ جتنے میں اس کی صلاح و بہتری ہو اور پہلے ہی ایسا استخارہ نہ دیکھ لے کہ میں فلاں کام کروں یا نہ کروں جیسا کہ استخارۂ ذات الرقاع وقرآن مجید سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کیونکہ یقین کے بعد پھر مشورہ بیکار ہے۔ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ استخارۂ قرآن مجید وذات الرقاع کس طرح مشورہ پر مقدم ہوں گے کیونکہ مشورہ مقدم ہے استخارہ پر یعنی جبکہ مشورہ کے بعد بھی اس کام کی اچھائیاں اور برائیاں سمجھ میں نہ آنے کے سبب سے تردد باقی رہے اور تحیر نہ زائل ہو تو ایسی حالت میں بندہ کو ایسا استخارہ کرنا چاہیئے جس سے اس فعل پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی ہدایت ہو جائے اور اسی کے مطابق عمل کرے درآں حالیکہ وہ شخص خدا پر متوکل اور اپنے امور کا خدا کو سپرد کرنے والا ہو۔

اے فرزند! عورتوں سے مشورہ نہ لینا کیونکہ احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ کتاب کافی میں منقول ہے کہ جناب امام محمد باقرؑ کے حضور میں عورتوں کا ذکر ہوا حضرت نے فرمایا کہ امور مخفیہ میں ان سے مشورہ نہ لو اور صاحبان قرابت کے بارے میں وہ جو کچھ کہیں اسے ہرگز نہ مانو۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ تم عورتوں کے مشورہ سے پرہیز کرو کیونکہ ان میں ضعف و

سستی و عاجزی ہے۔

جناب امیرؑ نے فرمایا کہ عورتوں کی مخالفت میں برکت ہے پھر فرمایا کہ جو شخص عورتوں کو اپنے گھر کا مدار المہام بنائے وہ ملعون ہے۔

حضرت رسولؐ خدا جب کوئی جنگ سر کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو عورتوں کو بلا کر مشورہ کرتے اور وہ جو کچھ مشورہ دیتیں اس کے خلاف عمل فرماتے تھے۔

حضرت ختمیؐ مرتبت نے فرمایا ہے کہ عورتوں سے امور مخفیہ میں مشورہ نہ کرو اور صاحبان قرابت کے بارے میں وہ جو کچھ کہیں اسے ہرگز نہ مانو۔ پھر فرمایا کہ عورت کا مطیع ندامت اٹھایا کرتا ہے۔ پھر عورتوں کا تذکرہ کر کے ارشاد فرمایا کہ امور جائز میں ان کی نافرمانی کرو قبل اس کے کہ وہ تم سے امور ناجائز کی فرمائش کریں۔ تم درگاہ خدا میں بری عورتوں سے پناہ مانگو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔

جناب امیرؑ نے اپنے بعض ارشادات میں فرمایا ہے کہ تم بری عورتوں سے ڈرو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔ اگر وہ تم سے امور جائز کی فرمائش کریں تو ان کی مخالفت کرو تا کہ امور ناجائز پر عامل ہونے کی تم سے امید نہ رکھیں۔ حضرت صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تم بارگاہ رب العزت میں بری عورتوں سے پناہ مانگو اور اچھی عورتوں سے خائف رہو۔ امور جائز میں بھی ان کی اطاعت نہ کرو کیونکہ پھر وہ چاہیں گی کہ تمہیں امور ناجائز کا مرتکب بنائیں۔

من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اصحاب جناب امیرؑ سے اپنی عورتوں کا شکوہ کیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مردم کسی حال میں عورتوں کی اطاعت نہ کرو۔ اپنے مال کو ان کے پاس امانت نہ رکھو اور امور خانہ داری (متعلق عیال) ان کے سپرد نہ کرو۔ اگر وہ اپنی حالت پر چھوڑ دی جائیں گی تو ایسی ہی باتیں کریں گی جو کہ تہلکہ میں ڈال دیں کیونکہ وقت حاجت انہیں کسی چیز سے پرہیز نہیں ہوتا اور جب انہیں کسی شے کی خواہش ہوتی ہے تو صبر نہیں آتا۔ ہر چند کہ وہ سن رسیدہ اور بوڑھی ہو جائیں لیکن پھر بھی انہیں اپنے بدن کا آراستہ کرنا لازم ہوتا

ہے۔ اگر چہ وہ عاجز ہوں مگران کو غرور لاحق رہتا ہے۔ انہیں بہت دیا جائے تو بھی شکر نہیں کرتیں اور اگر کچھ نہ دو تو تمام نیکیاں بھلا کر برائیاں ہی برائیاں یاد رکھتی ہیں۔ سرکشی میں زیادتی، امور شیطانی کی پیروی، بہتان بازی اور افترا پردازی میں اپنے اوقات بسر کرتی ہیں۔ ہر حالت میں ان سے خاطر ومدارات کے ساتھ پیش آؤ ان سے اچھی اچھی باتیں کرو امید ہے کہ وہ راہ نیک اختیار کریں۔

جناب امیرؑ کی وصیت میں ہے کہ عورتوں سے مشورہ نہ کرو اور ان سے اپنی نگاہوں کو بچاؤ کیونکہ ان پر شرم وحجاب کا کچھ زور نہیں ہے۔ ان کے پاس کسی کا آنا اُن کو ناگوار نہیں ہوتا۔ جہاں تک ہو سکے ایسا کرو کہ وہ غیر کو نہ پہچان سکیں۔

اے فرزند استشارہ کے لئے بھی کچھ حدود مقرر ہیں اگر ان شرطوں کے مطابق مشورہ نہ ہوا تو بجائے نفع کے طالب مشورہ کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔

برقی نے ابوعبداللہ سے روایت کی ہے کہ مشاورت کے چار حدود ہیں:

(ا) جس سے مشورہ کیا جائے وہ صاحب عقل سلیم ہو کیونکہ جب عاقل ہوگا تو اس کے مشورہ سے تجھے نفع پہنچے گا۔

(ب) آزاد و صاحب امانت و دیانت ہو کیونکہ آزاد و امین ہوگا تو نصیحت میں مبالغہ کرے گا۔

(ج) مثل بھائی کے سچا دوست ہو کیونکہ سچا دوست ہوگا تو تیرے راز سے کسی کو واقف نہ ہونے دے گا۔ نیک مشورہ دے گا اور جو نصیحت کرنے کا حق ہے اس طرح نصیحت کرے گا۔

(د) جیسا کہ تو اپنے راز سے واقف ہے اسی طرح وہ بھی تیرے مافی الضمیر سے آگاہ ہو جائے اور وہ تیرا بھید کسی پر ظاہر نہ کرے۔

سلیمان ابن خالد سے منقول ہے کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مرد عاقل و پرہیزگار سے مشورہ کرو کیونکہ وہ سوائے نیکی کے اور کسی بات کا مشورہ نہ دے گا تم اس کی مخالفت سے پرہیز کرو کیونکہ مرد عاقل و پرہیزگار کی مخالفت دین و دنیا دونوں کو فاسد کر دیتی ہے۔

طلب دنیا میں میانہ روی

اے فرزند! تم پر لازم ہے کہ دنیا کو بطرز حلال حاصل کرو جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ (وہ ایسا خدا ہے کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے نرم (وہموار) کر دیا تم اس کے اطراف و جوانب میں چلو پھرو اور اس کی (دی ہوئی) روزی کھاؤ۔)

ایضاً: فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (پھرو زمین پر اور چاہو فضل و عنایت خدا کو)

ایضاً۔وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ روئے زمین پر چلتے پھرتے اور فضل خداوندی کی خواہش کرتے ہیں)

(مترجم: یہاں فی ظرفیت کا نہیں ہے بلکہ بمعنی علیٰ ہے ۱۲)

حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ عبادت کے ستر جز ہیں ان سب میں طلب حلال کا مرتبہ افضل ہے۔طلب کے بعد میانہ روی اختیار کرے اور دنیا کے حاصل کرنے میں زیادہ منہمک نہ ہو۔

جناب امیرؑ نے حضرت امام حسنؑ کو وصیت فرمائی ہے کہ طلب دنیا میں میانہ روی مدنظر رکھو اور معمولی طریقہ سے کسب کرو کیونکہ زیادتی طلب اور کثرت ہوس موجب جنگ وجدل ہوجایا کرتی ہے نہ تو ہر طلب کرنے والا ہی رزق پاتا ہے اور نہ ہر ایسا شخص جو معمولی طریقہ سے طلب دنیا کرتا ہے وہ رزق سے محروم ہی رہتا ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ رزق کو ضایع کرنے والے کی خواہش سے زیادہ اور ایسے حریص کی طلب سے کم طلب کرنا چاہیئے جو محض اپنی دنیا پر مطمئن وخوش رہتا ہو۔تو اپنے نفس کو ایسے درجوں سے نکال اور ایسے منصف کی مانند ہو جو کہ اپنے نفس کو ضعیفوں اور کاہلوں کے درجہ سے بلند رکھتا ہے۔دنیا کو اتنا حاصل کر جتنا ایک مومن کو ضرورت ہوتی ہے جیسے لباس وطعام ضروری

اور نفقۂ عیال وغیرہ۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اے گروہ مردم تم لوگوں سے میں نے وہ تمام چیزیں بیان کر دی ہیں جو کہ تمہیں جہنم سے دور اور بہشت سے قریب کر دیں گی۔ آگاہ ہو کہ روح القدس نے یہ امر میرے دلنشیں کیا اور مجھے بتا دیا ہے کہ جس کا رازقہ جب تک ختم نہیں ہو جاتا اسے موت نہیں آتی۔ تم لوگ طلب رزق میں کمی و احتیاط کرو۔ اگر تم تک دیر میں روزی خدا پہونچے تو اسے معصیت خدا کے ساتھ نہ حاصل کرو کیونکہ جو چیز خدا کے پاس ہے وہ بغیر اس کی اطاعت کے حاصل نہیں ہوتی۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے احمقوں کی روزیوں میں وسعت دی ہے تا کہ صاحبان عقل عبرت حاصل کریں اور یہ سمجھیں کہ دنیا کسی حیلہ و تدبیر سے نہیں ملتی۔

جناب امیرؑ سے منقول ہے کہ ایسے بہت لوگ ہیں جو اپنے نفس کو تعب میں ڈالتے ہیں مگر پھر بھی انہیں رزق کی تنگی رہتی ہے اور بہت لوگ ایسے ہیں جو طلب امور میں میانہ روی سے کام لیتے ہیں مگر ان کی قسمت یاور اور انہیں وسعت رزق حاصل ہوتی ہے۔ اگر بطریقۂ حلال تجھ سے دنیا موافق اور تیری طرف متوجہ ہو تو امور آخرت کے لئے اسے اپنا بہترین مددگار قرار دے۔

حضرت رسالتؐ پناہ نے فرمایا ہے کہ تقویٰ کے لئے تونگری ایک اچھا مددگار ہے۔

عمر ابن جمیع نے جناب صادقؑ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس شخص میں بہتری نہیں ہے جو کسب حلال سے مال جمع کرنے کو دوست نہ رکھتا ہو تا کہ اس کی وجہ سے مخلوقات کے آگے ذلت سوال سے محفوظ رہے۔ اپنا قرض ادا اور اپنے اعزا سے مراعات کرے۔

کسی شخص نے حضرت صادقؑ کی جناب میں عرض کیا کہ میں طالب دنیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ دنیا مجھے حاصل ہو جائے۔ حضرت نے دریافت کیا کہ تو دنیا کو کس لئے دوست رکھتا ہے؟ عرض کیا تا کہ اس کے ذریعہ سے اپنے نفس اور اپنے عیال کو نفع پہونچاؤں۔ عزیزوں کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں۔ خوشنودئ خدا کے لئے بندگان خدا کی حاجتیں برلاؤں، حج و عمرہ بجالاؤں۔ حضرت نے

فرمایا یہ تو طلب دنیا نہیں بلکہ طلب آخرت ہے۔

حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ مومن کا صبح یا شام کرنا ایسی حالت میں کہ وہ پسر مردہ ہو بہتر ہے کہ لوٹ مار کر کسی کو مفلس بنادے۔

حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو دنیا کو آخرت کے لئے اور آخرت کو دنیا کے لئے چھوڑ دے۔

جناب امیرؑ نے جناب امام حسنؑ کو وصیت فرمائی ہے کہ دنیا تمہارے واسطے اسی قدر بہتر ہے جتنا کہ قبر میں کام آئے۔ اگر کوئی شخص اس لئے روتا ہے کہ جو کچھ اسے ملا تھا وہ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا تو جو چیز اسے نہیں ملی اس کے لئے اس کو اور زیادہ رونا چاہیئے۔ ناجائز طور سے طلب دنیا کرنے اور تہلکوں میں پڑنے سے تم کو پرہیز کرنا چاہئے اگرچہ اس کی راہیں تنگ ہو جائیں۔ آگاہ ہو کہ جو شخص خوف خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کو ہر مہلکہ (ہلاکت) سے نکالے گا اور ایسے مقام سے اسے روزی دے گا جہاں سے ملنے کا اسے گمان بھی نہیں تھا۔ پھر یہ امر کسی بندۂ صالح کے لئے کیونکر جائز ہے کہ وہ طلب حرام اور خلاف شرع کچھ حاصل کرے۔

حضرت رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اپنی امت کے ان افعال قبیحہ (کرتوتوں) اور اطوار شنیعہ (ذلیل عادتوں) سے بہت ڈرتا ہوں جو میرے بعد ان سے ظہور میں آئیں گے۔

حضرت امام رضاؑ نے داؤد صیرفی سے فرمایا ہے کہ مال حرام بڑھتا نہیں، نہ اس میں برکت ہوتی ہے، جو شخص اس میں سے جتنا خرچ کرتا ہے اس کا اجر نہیں پاتا اور جو اپنے بعد چھوڑتا ہے وہ جہنم تک اس کے ساتھ جاتا ہے۔

اھل دنیاسے دوری

اے فرزند! میں تمہیں اس امر کی وصیت کرتا ہوں جس کے متعلق حضرت امیرؑ نے اپنے لخت جگر امام حسنؑ سے اس طرح وصیت فرمائی ہے کہ اے فرزند جہاں اہل دنیا کا مجمع دیکھو وہاں ٹھہرنے سے

پرہیز کرو کیونکہ اہل دنیا بھونکنے والے کتے اور پھاڑ کھانے والے درندے ہیں۔ جو اُن میں عزت دار ہے وہ اپنے سے کم رتبہ والوں کو ستاتا ہے، جو قوی ہے وہ کمزوروں پر ظلم و جبر کرتا ہے۔ ان لوگوں نے دنیا ہی کو اپنا پروردگار قرار دیا ہے۔ دنیا ان سے کھیلتی ہے وہ دنیا سے کھیلتے اور آخرت کو بھولے ہوئے ہیں۔ اپنے نفس کو ہر دنی (نیچ) و ذلیل سے بلند رکھو اگر چہ تمہیں اس دنائت (نیچ پن) سے خواہش نفس کے مطابق چیزیں حاصل ہوں۔ جو تمہارے نفس سے جاتا رہا تمہیں اس کا عوض نہ ملے گا یعنی تم نے اپنے نفس کو ذلت میں ڈال کر جو وقت رائگاں کیا ہے وہ پھر پلٹ نہیں سکتا۔ بندۂ غیر نہ بنو کیونکہ تمہارے خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ شر سے جو چیز حاصل ہو وہ ہرگز بہتر نہیں، لالچ کے اونٹوں پر سوار نہ ہو کیونکہ وہ تم کو مقام ہلاکت پر لے جائیں گے۔ حق تعالیٰ کے سوا اگر تم اپنا ولی نعمت کسی کو نہ بناؤ تو بہتر ہے کیونکہ جو تمہارے مقدر میں ہے وہ ملے گا اور جو تمہارا حصہ ہے وہ ضایع نہ ہوگا۔ خدا کی عطا کی ہوئی تھوڑی سی نعمت مخلوق کی دی ہوئی بہت سی نعمت سے عظیم تر ہے۔ اہل خیر سے نزدیکی اختیار کرو کیونکہ اس طرز عمل سے تم بھی اہل خیر میں شامل ہو جاؤ گے اہل شر سے الگ رہو کہ تم بھی شر سے محفوظ رہو گے۔ مصیبت کے وقت اپنے برادر ایمانی کی مدد کرو جب وہ پریشان ہو تو اس سے بہ لطف و مہربانی پیش آؤ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اپنے پاس سے دو، اگر وہ تم سے دوری اختیار کرے تو اس سے نزدیک ہو، اگر وہ تم پر سختی کرتا ہو تو نرمی سے پیش آؤ۔ اگر اس نے تمہاری کوئی خطا کی ہو تو اس کا عذر قبول کرو، تم اس سے اسطرح پیش آؤ گویا کہ تم اس کے غلام ہو اور وہ تمہارا منعم و آقا ہے۔ خلاف مصرف و بے محل امور بجالانے سے تم اپنے نفس کو محفوظ رکھو۔ جو شخص جن امور کا اہل نہ ہو اس کے ساتھ ان امور کا برتاؤ نہ کرو۔ اپنے دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارے دوست سے عداوت کرے گا۔ تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جن کو وعظ و پند سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ صاحب عقل اچھی بات کو بہ سہولت قبول کر لیتا ہے اور بہائم (برے) پر جب تک زدوکوب نہ ہو وہ کہنا نہیں مانتے۔ عاقل کو جاہل کی صحبت سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ چلنے سے پہلے کسی

رفیق سے دریافت کرلو کہ کون سا راستہ اچھا ہے اور کون پُرخطر، گھر کی سکونت اختیار کرنے سے پہلے اس کی حالت ہمسایہ سے پوچھ لو۔ کوئی کلام مضحک تمہاری زبان سے کبھی نہ نکلنے پائے اگرچہ وہ کلام اور وہ حکایت کسی غیر ہی کی کیوں نہ ہو۔ تم اہل خاندان کا اکرام کرو کیونکہ وہ تمہارے ''پر'' ہیں جن سے تم اڑتے ہو یعنی وہ تمہاری تقویت کے باعث ہیں اور ان سے تمہارا نام ہوتا ہے۔ جہاں غیرت و حیا کا موقع نہ ہو وہاں تم ہرگز نہ شرماؤ۔ (ارشادات جناب امیرالمومنین ختم ہوئے)

حسن خلق

اے فرزند! تاوقتیکہ کوئی دینی مضرت نہ ہو میں تم کو برادران ایمانی بلکہ تمامی خَلق سے بہ حسن خُلق پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں۔

جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کے میزان اعمال میں بروز قیامت حُسن خلق سے بہتر کوئی چیز نہ رکھی جائے گی۔

جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ جس میں چار چیزیں ہوں اس کا ایمان کامل ہوگا اگرچہ اس کا بال بال گناہگار ہو:

(۱) سچ بولنا (۲) ادائے امانت (۳) حیا و شرم (۴) حسن خُلق۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے کہ صاحب خُلق حسن کو اس شخص کے ثواب کے مانند ثواب ملتا ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور شب کو عبادت کرتا ہو۔

حضرت صادقؑ نے فرمایا ہے کہ نیکی و حسن خُلق سے گھروں کی آبادی اور عمروں میں زیادتی ہوتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ عطایائے حق تعالیٰ سے خلق اللہ کے لئے حسن خُلق ایک عطا ہے۔ حسن خُلق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سجیہ دوسری نیت (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کیا کہ دونوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا کہ سجیہ کیونکہ صاحب سجیہ کی خلقت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ سوا اس کے اور کوئی امر نہ کر سکے اور صاحب نیت عمل کرنے سے طاعت گذار ہو جاتا ہے۔

اے فرزند! تم سب سے نہایت خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ ملاقات کیا کرو۔ حسن ابن حسین سے منقول ہے، حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اولادِ عبد المطلب تم میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ اپنے مال و دولت کے سبب سے لوگوں کی مدارات کرو لہٰذا خندہ پیشانی و خوش روئی کے ساتھ ملاقات کیا کرو تا کہ وہ خود بخود تمہارے گرویدہ ہو جائیں۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص خدمت حضرت رسولؐ مقبول میں حاضر ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ فرمایا کہ تو اپنے برادر مومن سے بکمال خندہ پیشانی و بہ انتہائے سرور ملاقات کر۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا کینہ کو زائل کرتا ہے۔

(مترجم:۔ تفسیر کبیر میں آیۂ مبارکہ اَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ کے ذیل میں منقول ہے کہ خلیفۂ ثانی کے پاس ان کے زمانۂ خلافت میں فضلائے یہود سے ایک شخص نے آکر کہا کہ مجھ سے حضرت رسولؐ خدا کے اخلاق بیان کیجئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ بلال سے پوچھ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب وہ بلال کے پاس آیا تو بلال نے کہا تم حضرت فاطمہؑ زہرا کی خدمت میں جاؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ جب وہ دولت سرائے جناب سیدۂ عالمیاں پر حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب امیرؑ کی خدمت میں جاؤ۔ جب وہ حضرت کے حضور میں باریاب ہوا اور جناب رسولؐ خدا کے اخلاق دریافت کئے تو آپ نے فرمایا کہ تو مجھ سے متاع دنیا کی تعریف کر تا کہ میں تجھ سے حضرت ختمیؐ مرتبت کے اوصاف بیان کروں۔ اس نے عرض کیا کہ میں تو متاع دنیا کی تعریف نہیں کر سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تو وصف متاع دنیا سے عاجز ہے حالانکہ خدائے تعالیٰ نے اس کے قلیل ہونے پر گواہی دی ہے کہ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (کہو اے رسولؐ کہ دنیا کی ہر چیز تھوڑی ہے) پھر تو حضرت سرور کائنات کے اخلاق کا وصف مجھ سے کیونکر پوچھتا ہے حالانکہ اس کے عظیم ہونے پر حق تعالیٰ نے شہادت دی ہے کہ إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ

عَظِیۡمٍ (بیشک تمہارے اخلاق بڑے (اعلیٰ درجہ کے) ہیں۔

صلہ رحم

اے فرزند! میں تمہیں برادران ایمانی سے عموماً اور جو لوگ تمہارے باپ کی صلب اور تمہاری ماں کے بطن سے ہیں ان سے الفت ومحبت کرنے کی خصوصاً وصیت کرتا ہوں۔ جن لوگوں نے تم پر احسان کیا ہے ان کے ساتھ احسان کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرتے ہیں ان سے درگذر کرو۔ میں تمہارے بھائیوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تمہاری متابعت اور فرماں برداری کریں۔ تمہارے خلاف کوئی امر بجا نہ لائیں اور ان لوگوں میں نہ ہوں جو اختلاف کرتے اور تفرقہ ڈالتے ہیں۔ اگر وہ تمہاری متابعت نہ کریں گے تو ان کے امور فاسد ہو جائیں گے۔ ان کے انتظام میں خلل آجائے گا۔ انہیں اس طریقہ سے بسر کرنا لازم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے پر رحم کریں اور صلۂ رحم بجالائیں۔ میں حق تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں کہ وہ میری اولاد کو صلۂ رحم بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری اولاد میں جو اس وصیت کے خلاف عمل کرے گا وہ خلاف ورزی کا مظلمہ اپنے سر لے گا۔

شعیب عقرقوقی سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ایسے برادر نیک بنو جو خوشنودی خدا کے لئے ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرو اور نیکی واحسان کے ساتھ پیش آؤ۔ صلۂ رحم بجالاؤ اور تم برادران صالحین میں شمار ہونے کے قابل ہو جاؤ جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

جناب امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ اقرباء سے وہ صلۂ رحم بجالاتے ہیں اور ان کی عمر میں صرف تین سال باقی رہ جاتے ہیں مگر حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے صلۂ رحم بجالانے کے صلہ میں ان کی حیات میں تیس برس کا اضافہ فرما دیتا ہے اور وہ قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

جناب امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ عزیزوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اعمال کو پاک، بلاؤں کو

دفع، حساب روز قیامت کو آسان، عمر کو دراز اور مال و دولت کو زیادہ کرتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ تو صلۂ رحم بجالا اگر تجھ میں زیادہ مقدرت نہ ہو تو اپنے عزیز کو ایک گھونٹ پانی ہی پلا دے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ صلۂ رحم اور ہمسایہ سے نیکی کرنا گھروں کو آباد اور عمروں کو زیادہ کرتا ہے۔

جناب امیرؑ نے فرمایا ہے کہ صلۂ رحم بجالاؤ۔ اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے عزیزوں کو محض سلام ہی کر لیا کرو۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِیۡ تَسَائَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ (اور ڈرو تم خدا سے ایسا خدا جو تم سے اور تمہارے عزیزوں سے سوال کرے گا)

ایسی ہی اور بہت سی حدیثیں ہیں مگر طول کلام کے خیال سے زیادہ نہیں بیان کر سکتا۔

بُکَاعَلیٰ الۡحُسَیۡنِ علیہ السلام

اے فرزند! تمہیں جنابِ سید الشہداء خامسِ آلِ عبا سبطِ رسولؐ الثقلین امام الکونین سلطانُ المشرقین حضرت امام حسینؑ کی مصیبت جانگزا پر رونے پیٹنے اور گریہ و زاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ ان کے سر قلم کئے گئے، ان کے حرم محترم قید کیئے گئے، کوچہ و بازار میں ان کی توہین کی گئی، انکے چھوٹے چھوٹے بچے ذبح کیئے گئے۔ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص مظلوم کربلا کے مصائب پر روئے یا رونے والے کی صورت بنائے اس پر جنت واجب ہے۔

جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے خون کے ضایع ہونے، ہماری حق تلفی اور ہتک حرمت پر یا ہمارے کسی شیعہ کے لئے جس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے حق تعالیٰ اس کو اسی بہانہ سے جنت میں جگہ دے گا۔ پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمیں یاد کرے یا اس کے پاس ہمارا ذکر ہو اور اس کی آنکھ سے پرِ پشہ کے برابر آنسو نکلے تو حق تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اگر چہ وہ مانند کف دریا ہوں۔

جناب امام رضاؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے مصائب کا ذکر کرے اور ان مصیبتوں پر گریاں

ہو وہ قیامت کے دن ہمارے ساتھ ہوگا ہمارے درجہ میں۔ جو شخص ہماری مصیبتوں کے ساتھ ہمارا تذکرہ کر کے روئے اور رلائے تو اس دن اس کی آنکھ نہ روئے گی جس دن کہ تمام آنکھیں گریاں ہوں گی۔ جو شخص اس مجلس میں بیٹھے جہاں کہ ہمارا ذکر زندہ کیا جائے تو اس دن اس کا دل مردہ نہ ہوگا جس دن کہ تمام دل مردہ ہوں گے۔

جناب امام جعفر صادقؑ سے ایک حدیث طویل میں یہ منقول ہے کہ جناب سید الشہداءؑ کو جو شخص روتا ہے آپ اس کو دیکھتے اور اس کی مغفرت اور اس کے تمام گناہوں کے آمرزش کی دعا کرتے اور اپنے والد ماجد سے سفارش فرماتے ہیں کہ حضور بھی اس کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں اور خود اس شخص سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اے میرے رونے والے تیرے لئے حق تعالیٰ نے جو کچھ مہیا فرمایا ہے اگر تو اس سے واقف ہو جائے تو یقینا تیرے غم سے تیری خوشی زیادہ ہو جائے گی۔ (ایسی ہی اور بہت سی حدیثیں ہیں مگر یہاں اسی قدر لکھا جاتا ہے۔)

جناب غفرانمآبؒ اپنے فرزند ارجمند سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ان وصیتوں کا ایک حصہ ہے جس سے تم کو نفع پہونچے گا۔ ان وصیتوں کے ساتھ مجھے ہمیشہ بہت انہماک تھا اور ان امور کا وصیت کرنا مجھ کو لازم تھا۔ خدا تم کو اور تمامی مومنین کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی توفیق دینے والا اور معین ہے۔

اے فرزند اب میں اپنے مفید مطلب وصیتیں کرتا ہوں۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ موت کہاں آئے گی اور کل کیا ہوگا تو بے شک میں تم سے کچھ ایسے امور کی وصیت کرتا جو اموات کے متعلق ہیں۔ اگر میں تم سے کچھ باتیں کہوں تو اس کا نتیجہ یقین کی حد تک پہنچتا ہے۔ جبکہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا لہٰذا میں اپنے مقاصد کو مشروط بیان کرتا ہوں۔

صبر وضبط

اے فرزند! خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو میری رحلت کے

وقت میرے پاس موجود رکھے۔ اگر میری خواہش کے مطابق میری تقدیر نے ساتھ دیا اور تمہاری موجودگی میں میری موت آئے اور تم سے ہو سکے تو تم اپنے آقا جناب امیر المومنینؑ کا طریقہ اختیار کرنا کیونکہ تجہیز و تکفینِ حضرت رسولؐ خدا میں وہ جناب خود مصروف ہوئے حالانکہ آنحضرتؐ سے جناب امیرؑ بہت محبت رکھتے اور بے حد مانوس تھے چنانچہ جناب امیرؑ خود فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بجز آنحضرتؐ کے اور کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ میں اس سے انس رکھتا میں حضرت کے سوا نہ کسی پر بھروسہ کرتا اور نہ کسی سے نزدیکی چاہتا تھا۔ آنحضرتؐ نے زمانۂ طفلی میں میری تربیت فرمائی۔ جب میں بڑا ہوا تو مجھے نامور کیا۔ میرا اتمام بار اپنے ذمہ لیا، یتیمی کی مصیبتوں میں مجھے تسلی دی اور میری تشفی فرمائی ۔ مجھ کو ایسا مستغنی فرمادیا کہ میں کسی سے کسی چیز کا طلبگار نہیں ہوا۔ میری اور میرے عیال کی کفالت فرمائی۔ میرے حال پر آنحضرتؐ کی یہ عنایتیں دنیا میں تھیں آخرت میں پیش خدا جو مرتبے مجھے عطا فرمائے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات سے جو مصیبت مجھ پر طاری ہوئی اگر پہاڑوں پر ایسی مصیبت پڑتی تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکتے۔ میں اپنے اہلبیت کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنا گریہ ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے اس حد تک ضبط کیا کہ میرے صبر سے میرا اضطراب دفع ہوا۔ میں نے اس مصیبت میں اس قدر ضبط کیا تھا کہ میری عقل حیران ہو گئی تھی میں کسی بات کے سمجھنے اور سمجھانے سے بالکل قاصر ہو گیا تھا۔ اولادِ عبد المطلبؑ کے سوا سب لوگ مجھے صبر کی ہدایت کرتے اور بہت لوگ ایسے بھی تھے جو گریہ و زاری میں میرے شریک ہوتے یعنی میرے رونے پر خود بھی روتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد میں نے سکوت و صبر سے کام لیا اور اپنے لئے وہ مشغلہ اختیار کیا جس کے متعلق آنحضرت نے مجھے حکم دیا تھا یعنی پہلے تو میں سامان تجہیز و تکفین و حنوط و قبر وغیرہ میں مصروف رہا اور اس کے بعد قرآن مجید کا جمع کرنا شروع کر دیا۔ میرے ان امور میں نہ اتنی بڑی مصیبت بارج ہوئی نہ سوزش دل اور نہ ہی آہ و اشکباری وغیرہ کچھ مانع ہوئی۔ غرضکہ میں نے اسی عالم میں خدا اور رسولؐ کے حقوقِ واجب ادا کئے اور آنحضرتؐ نے جو

کچھ ارشاد فرمایا تھا اسے بجالایا اور میں صرف خداوند عالم ہی سے ان خدمتوں کے اجر و جزا کا خواہاں تھا۔ (انتہی)

ایصال ثواب

اے فرزند! اگر تم اپنی بیتابیٔ قلب، کمیٔ صبر، زیادتیٔ غم والم اور کثرت حزن و ملال سے میری تجہیز و تکفین وغیرہ نہ انجام دے سکو تو یہ کام ایسے برادران ایمانی کے سپرد کر دینا جو احکام میت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرے دفن کے لئے کسی قطعۂ زمین کو پروردگار عالم کے مشورہ اور استخارہ سے تجویز کرنا۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ تم کبھی کبھی میری قبر پر فاتحہ پڑھنا اور بعض طاعتوں کا ثواب مجھے ہدیہ کرنا۔ میرے بعد میرے ذکر میں کمی نہ کرنا کیونکہ اگر مجھے فراموش کر دو گے تو ارباب وفا تمہیں بے وفا سمجھیں گے۔ مجھے بہت یاد بھی نہ کرنا ورنہ صاحبان رضا تم کو عاجز خیال کریں گے۔ تنہائی میں اور نماز کے بعد مجھے ضرور یاد کرنا۔ میرے قرضِ واجب الادا کو ادا کرنا اور میں جن امور کا مستحق ہوں ان کے بجالانے میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔ میں تمہیں نیز اپنی تمام اولاد اور برادران ایمانی کو وصیت کرتا ہوں کہ میری قبر پر آکر قرآن مجید اور دعائیں پڑھا کریں تاکہ میرا پروردگار اس عالم بیکسی و تنہائی میں میری وحشت دور کرے اور مجھ پر اس حد تک رحم فرمائے کہ میں اس کی رحمت کے سوا تمامی مخلوق کی مہربانیوں سے بے نیاز ہو جاؤں۔ بارگاہِ جنابِ احدیت میں یہ التجا ہے کہ وہ مجھے میرے سرداران طیبین و طاہرین کی زیارت سے مشرف اور ان حضرات علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں باریاب فرمائے۔ اب میں تم کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ میری جانب سے وہی تمہارا کفیل و معین و حافظ و ناصر و حامی و مددگار ہے۔

(مترجم:۔ حضرت اکرم الاکرمین کا ہزار شکر و احسان کہ اس کے فضل و کرم سے اس کے عبد ذلیل نے اس رسالۂ نافعہ کو تمام کیا۔ وہی ایسا بخشش کرنے والا ہے کہ بندوں کے تھوڑے عمل خیر کو قبول فرماتا اور بہت سے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہی کریم و رحیم بحق محمد و آلہ الامجاد علیہم الصلوٰۃ والسلام

اپنے اس بندۂ گناہگار پر دونوں جہاں میں ہر آن اپنی نگاہ فضل و رحمت مبذول رکھے تاکہ میرا انجام بخیر ہو جائے۔ میرے پاس اعمال خیر کا ذخیرہ نہیں جس پر مجھے کچھ بھروسہ ہو۔ میں تو اس کی مرحمت کا آسرا لگائے ہوں جس کا دامن عفو میرے تمام گناہوں کو چھپا لے گا اور جس کا دست لطف مجھے خلعت نجات عطا فرمائے گا۔)

عبدہٗ

سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی عفی عنہ

حضرت غفرانمآبؒ کے وصیت نامہ پر منظوم تبصرہ

از قلم۔۔۔۔۔م۔ر۔عابد، گولہ گنج، لکھنؤ

وصیت اک نصیحت، اک ہدایت، اک پیام
وصیت اک روایت، اک تسلسل، اک نظام
وصیت اک کتابت، اک خطابت، اک سلام
وصیت ہستئِ فانی کا اک نقشِ دوام
وصیت آرزوئے زندگی کا نام ہے
وصیت امتیازِ آدمی کا نام ہے

وصیت اک بصیرت، اک نظر، اک آگہی
وصیت حاصلِ عمرِ رواں دیدہ وری
وصیت عافیت کی اک تمنائے دلی
وصیت خواہشِ تکمیل ادھورے کام کی
وصیت وہ ارادہ جو ارادت سے چلے
وصیت وہ ادارہ جو محبت سے چلے

وصیت موت کی دستک کا تحریری جواب
وصیت دورِ مستقبل سے ہنگامی خطاب
وصیت احتسابِ نفس کی ایک آب و تاب
وصیت خودنوشتِ ذہن کا اک خاص باب
وصیت ٹوٹتے خوابوں کا بن جانا بھی ہے
وصیت چھوٹتے رشتوں کا جُڑ پانا بھی ہے

وصیت دائمی رخصت کا جذباتی پیام
وصیت پاسداری کی امانت کا دوام
وصیت دردمندی کا سجایا انتظام
وصیت اصلیت کا امتحانِ احترام
وصیت آشتی کا دلربا پیغام ہے
وصیت سرفرازی کا کھنکتا جام ہے

وصیت ہے سرورِ زندگی بعدِ ممات
وصیت ہے ثباتِ تربیت بعدِ حیات
وصیت نکتۂ تالیف و لطف و التفات
وصیت نسلوں کے مابین ربطِ پُر ثبات
وصیت آرزو بھرتی دلِ احساس سے
وصیت گفتگو کرتی لبِ قرطاس سے

وصیت پختگیٔ فکرِ انسانی کا نام
وصیت وسعتِ تہذیب عمرانی کا نام
وصیت قوتِ تبلیغِ پنہانی کا نام
وصیت طاقتِ غیبی کی سلطانی کا نام

وصیت کے بیانیہ سے قرآں کام لے
وصیت کو علامت کرکے قرآں کام لے

وصیت زور ہے پیرایۂ اظہار کا
وصیت شور ہے میخانۂ افکار کا
وصیت دور ہے پیمانۂ آثار کا
وصیت طور ہے معدوم سے کردار کا

وصیت یادگاری کی غزل خوانی بھی ہے
وصیت ورثہ داری کی سخن رانی بھی ہے

وصیت راز کی بنیاد پر تعمیر ہے
وصیت خوابِ ماضی کی رواں تعبیر ہے
وصیت باطنی رشتہ کی اک توقیر ہے
وصیت یوں پذیرائی کی اک تصویر ہے

وصیت کی پذیرائی کا ساماں کیجئے
وصیت سے زمانوں کو فروزاں کیجئے

وصیت اختیارِ نسلِ پارینہ بھی ہے
وصیت اعتبارِ نسلِ آئندہ بھی ہے
وصیت آنے والے وقت کا نقشہ بھی ہے
وصیت عصرِ حاضر کا بِکا حصہ بھی ہے
وصیت وقفِ ماضی ہے، حفاظت کیجئے
وصیت یاد کا عنواں ہے، عزت کیجئے
وصیت قدر لیتی شخصیت سے بے گماں
وصیت میں جھلکتا ذہنیت کا این و آں
وصیت کا صحافی سرخی دیتا اس کو ہاں
وصیت اہل علم و فضل کی ہوتی نشاں
وصیت ایسی دنیا کے لئے معیار ہے
وصیت یہ خرد کا طرۂ دستار ہے
یہاں دیکھیں وصیت نامۂ غفرآں مآبؒ
وہی غفراں مآبؒ اہلِ صفا، جانِ صواب
وہی فکر و نظر سے پیشوائے انقلاب
وہ پہلا مجتہد ہندوستاں کا، حق جناب
شریعت کا محافظ، مصلح ملت بھی تھا
اڑایا تھا خمار سلطنت، مولائی تھا

بنا وہ سربراہِ خاندانِ اجتہاد
فقیہِ عصر تھا، وہ رہبرِ صدق و سداد
ستونِ علم تھا رکنِ قلم، دیں کا عماد
مجاہد عزم کا تھا، آگہی کا اعتماد

اصولی دین کا رہبر، مروج بھی وہ تھا
مجدد وقت کا تھا یعنی احیائی وہ تھا

وصیت نامہ یہ اس نیک بیں کا چھپ گیا
وصیت نامہ ہے نورؔہدایت سے جلا
اسے دیکھیں، پڑھیں قدسیؔ قلم کا ترجمہ
وہ قدسیؔ شاعر قدسی خیال، اہلِ ولا

وہ عربی، فارسی، اردو کا شاعر، نامی تھا
کوی اودھی کا تھا، بھاشاؤں کا بھی گیانی تھا

وہ فاضل، فخرِ جائس، نازشِ ہندوستاں
وہ عرشیؔ زاد، نیک و امتیازِ شاعراں
وہ مفتاحؔ ہدی، زیرک، سخنور، خوش بیاں
وصیت نامۂ غفراں مآبؒ اس سے عیاں

وصیت نامہ کو اردو کا جامہ دے گیا
سمجھنا کر گیا آسان، تحفہ دے گیا

وصیت نامہ یوں تو خاص ہے بیٹے کے نام
مگر اربابِ ایماں کے لئے ہے یاں پیام
کہ ہر مومن سے روحانی پدر ہے ہم کلام
اشاعت سے ہے اسکی وقت کی خواہش بھی رام

چھپا ہے آج وصیت نامۂ غفراں مآبؒ
۶ ۰ ۰ ۲ ء

چھپا اچھا ہوا آوازۂ غفراں مآبؒ
۷ ۲ ۴ ۱ ھ

✿✿✿

تذکرۂ فرزندان غفران مآبؒ

مولانا محمد جواد صاحب قبلہ

سید المفسرین آیۃ اللہ سید علیؒ

دوسرے صاحبزادے جناب غفران مآبؒ کے عالم کامل، فاضل، بارع ماثل، مجتہد عادل، جناب مولانا السید علی طاب ثراہ تھے یہ جناب سلطان العلماء سے ایک سال اور چند مہینہ چھوٹے تھے۔ ۱۸؍شوال ۱۲۰۰ھ میں ولادت ہوئی اور ابتدا سے آخر تک تحصیل علم اپنے والد بزرگوار جناب غفرانمآبؒ طاب ثراہ کی خدمت میں کی۔ اکثر علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے اور علم قرأت وتجوید میں تو مثل ونظیر بھی نہ تھا۔ ورع وتقدس کا خاص شہرہ تھا، وعظ ونصیحت سے بہت دلچسپی تھی اور خوش بیانی کے ساتھ ساتھ موعظہ مؤثر ہوتا تھا۔ ۱۲۴۵ھ میں سفر عراق کیا۔ جلالت خاندانی اور نیز جوہر ذاتی کی وجہ سے علمائے اعلام خاص اکرام واعظام کے ساتھ پیش آئے۔ ایک سال کے بعد ۱۲۴۶ھ میں وطن کی طرف مراجعت کی۔ دوسری مرتبہ ۱۲۵۲ھ میں پھر سفر غربت اختیار کیا۔ اور شدت وصعوبات منازل کو جھیلتے ہوئے مشہد مقدس پہنچے اور وہاں سے کربلائے معلی کی زیارت کو گئے۔ یہی آخری منزل تھی موت نے وطن کی طرف پلٹنے نہ دیا اور جوار حسینؑ کے انس نے ہمیشہ کے لئے دل میں رکھ لیا۔ ۱۸؍ماہ رمضان ۱۲۵۹ھ کو کربلائے معلی میں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حجۃ الاسلام آقا سید مجاہد خلف سید علی طباطبائی صاحب شرح کبیر کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ یہ اثر ہوا تھا ان جناب کے انتقال کا عراق میں کہ مدرسے بند ہو گئے تھے اور تمام کاروبار چھوٹ گئے تھے، بعض فضلائے عراق نے لکھا ہے فلم یریٰ ذلك الیوم الا باك او باکیۃ وناع وناعیۃ حتی قیل قامت قیامۃ اھل الطف اس دن کوئی ہنستا نہ دکھائی دیتا تھا، جو

تھا وہ رو رہا تھا، اسی ذکر میں مصروف تھا، معلوم ہوتا تھا کہ کربلائے معلّٰی میں قیامت برپا ہے۔ اکثر علمائے عراق نے مراثی نظم کئے اور جناب سلطان العلماء وسید العلماء کی خدمت میں بھیجے۔ جب عراق کا یہ عالم تھا تو ہندوستان میں اس خبر وحشت اثر کا جتنا بھی اثر نہ ہوتا کم تھا، خصوصاً جناب سلطان العلماء اور سید العلماء کو بھائی کے مرنے کا رنج بے حد تھا۔ جناب مفتی صاحب نے قطعہ تاریخ نظم کیا تھا ؎

سید علی آں سید و سردار جہاں
واں شیفتہ حسینؑ و ہمنام علیؑ
از ہند بکربلا سفر کرد و رسید
از دار فنا سوئے سرائے باقی
بے او شدہ رنج و غم عیان و با او
علم و عمل و جود و سخا گشت خفی
گفت پئے تاریخ وفاتش سیدؔ
مہمان حسینؑ ابن علیؑ گشت علیؑ
۹ ۸ ۲ ۱ ھ

جناب مغفور کو باوجودیکہ زمانہ نے مہلت نہیں دی اور سفروں کی وجہ سے فرصت نہیں ہوئی، مگر خدمت تصنیف وتالیف اور حمایت مذہب میں اپنے فرض سے غافل نہیں ہوئے۔ اکثر رسالے فہرست تصنیفات میں مندرج دکھائی دیتے ہیں جن کا بسبب شائع نہ ہونے کے آج وجود نہیں معلوم ہوتا۔ عزاداری کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی جو واقعی دنداں شکن جوابوں پر مشتمل تھی جس کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔

تفسیر قرآن مجید کا اردو میں سب سے پہلے خیال جناب مغفور کو ہوا تھا چنانچہ ۱۲۵۳ھ میں ایک

ضخیم ومبسوط تفسیر دوجلدوں میں قرآن کی لکھی جس کا نام 'توضیح المجید فی تفسیر کلام اللہ الحمید' تھا۔ یہ تفسیر چھپ بھی گئی ہے مگراس کی تصحیح حسب مرادنہ ہوسکی تھی جس کی وجہ سے کثیر اغلاط رہ گئے۔

اس کے علاوہ رسالہ بحث فدک اور رسالہ اثبات متعہ اور رسالہ تجویداور رسالہ رداخباریین وغیرہ نایاب لئالی علمیہ تھے، جوآج نظر عالم سے مخفی ہیں۔

آیۃ اللہ سید حسن طاب ثراہ

جناب غفران مآبؒ کے خلف اوسط اور مولانا سید علی طاب ثراہ سے پانچ سال چھوٹے تھے۔ ۲۱رذیقعدہ ۱۲۰۵ھ کولکھنؤ میں ولادت ہوئی اور جناب غفران مآب طاب ثراہ کے زیر سایہ تربیت پاناشروع کی، تحصیل معقولات ومنقولات اپنے والد ماجداور برادر محترم جناب سلطان العلماء طاب ثراہ کی خدمت میں کی اور اکثر علوم میں مہارت حاصل کی۔تقویٰ وزہد مروت وحلم انکسار ومکارم اخلاق میں مثل ونظیر نہ تھا، ابتدائے عمر میں فلسفہ وحکمت کی طرف زیادہ رغبت تھی اور علم ہندسہ میں ایک بےنظیر رسالہ لکھا تھا۔مگر ایک طویل بیماری کے بعدان علوم کو بالکل ترک کردیا تھااور گوشہ نشینی اختیار کرلی،سوائے عبادت الٰہی کے کوئی شغل نہ تھا، اکثر نماز شب میں نام بنام اہل ایمان کے لئے دعائے خیر کرتے تھےاور اکثر اوقات صائم النہاراور قائم اللیل رہتے تھے۔نماز میں ذکر رکوع وسجود میں بہت طول دیتے تھے۔گھر سے باہر بہت کم نکلتے تھےمگر نماز کے وقت جناب سید العلماء طاب ثراہ کے پاس محتاجین کی سفارش کے لئے۔

احتیاط کی یہ حالت تھی کہ باوجودعلم میں درجۂ عظمیٰ پر فائز ہونے کے کبھی فتویٰ نہیں دیا، اگر کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو احتیاطی اقوال بیان کرکے فرماتے تھے کہ میں صاحب فتویٰ نہیں ہوں اُس کو جناب سید العلماء کے پاس بھیج دیتے تھے۔

اگرچہ سن میں بڑے تھےمگر سید العلماء کا نہایت احترام کرتے تھےاور بخوشی خاطر نماز جماعت میں اقتدا کے لئے تشریف لاتے تھےاور جب خود جناب سید العلماء سے قبل مسجد میں پہنچ جاتے

تھے تو پہلے انتظار کرتے تھے اگر جناب سید العلماء نہ تشریف لائے تو خود نماز پڑھانے کا تہیہ کرتے تھے اتفاقاً نماز شروع ہونے کے پہلے سید العلماء آ گئے تو منتہائے اصرار سے بھائی کو مصلّے پر کھڑا کر کے خود ماموین میں کھڑے ہو جاتے تھے اور اگر نماز شروع ہو گئی ہے تو جناب سید العلماء آخری صف میں شریک ہو جاتے تھے اور بعد ختم نماز مولانا سید حسن صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ حد سے زیادہ عذر خواہی اور از راہ انکسار اپنی لیاقت اور جناب سید العلماءؒ کی جلالت قدر کا اظہار فرماتے تھے۔

صاحب تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں کہ مجھ کو ایک دن جناب مولانا سید حسن مرحوم کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے یا جناب سید العلماء طاب ثراہ کے پیچھے؟ اسی شب میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اَلْحَسَنُ فِی الْجِنَانِ وَالْحُسَین فی الجِنَانِ بار بار یہی کلمہ میرے سامنے دہراتا ہے اور مجھ سے اس کے معنی پوچھتا ہے اور مجھ پر خوف اور وحشت اتنی طاری تھی کہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کیا معنی کہوں لیکن یہ حدیث میرے ذہن میں تھی کہ اَلْحَسن وَالْحُسَین سَیِّدَا شَبابِ اَھلِ الجنّۃ فوراً میں نے کہا کہ حسنؑ و حسینؑ دونوں بزرگ جنت میں ہوں گے، بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کے دوست ومحب بھی جنّتی ہیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں سمجھا کہ یہ میری تنبیہ تھی جناب مولانا سید حسن اور مولانا سید حسین سید العلماء کے مرتبہ پر۔

اور مطلب یہ تھا کہ ان دونوں بزرگوں میں سے ایک کی فضیلت میں دوسرے پر غور نہ کرنا چاہئے اور ان میں سے ہر ایک کی اقتدا باعث حصول ثواب ومدارج عالیہ جنت ہے۔

آپ اکثر فقرا کی پوشیدہ اعانت فرماتے تھے اور امور خیر کو چھپا کے بجالاتے تھے۔ فرطِ حیا وتقدس سے آنکھیں ہمیشہ زمین پر رہتی تھیں۔

مختصر یہ ہے کہ ذات والا صفات محاسنِ کمالات علمیہ وعملیہ کی جامع تھی۔ صاحب تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں ''اوصاف حمیدۂ آنجناب علیہ الرحمہ والغفران زیادہ از ان است کہ در ایں

مقام ذکر تواں نمودی"۔

مصنفات میں اکثر گرانقدر کتابیں ہیں:۔

(۱) حواشی علم اقلیدس (۲) رسالۂ در تحقیق معنی انشاء اللہ (۳) رسالہ در احکام اموات (۴) رسالہ در علم تجوید (۵) تذکرۃ الشیوخ والشان مواعظ (۶) باقیات الصالحات۔

سب سے پہلے آپ کو علم کلام میں اردو کتاب لکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اس کتاب میں آپ نے تمام اصول دین کو بدلائل اس زمانہ کی سلیس اُردو میں تحریر فرمایا ہے، مبسوط اور قابل قدر کتاب ہے، شائع بھی ہو چکی ہے۔

دو صاحبزادے اخلاف میں چھوڑے: ایک جناب مولوی سید حسن مثنیٰ صاحب مرحوم، جن کے خلف الصدق فاضل اجل مولوی حکیم سید علی صاحب آشفتہؔ دام مجدہٗ دنیائے علم وطب میں اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں اور اپنے اسلاف کی صحیح یادگار کہے جانے کے مستحق ہیں، دوسرے مولوی سید حسن مہتیٰ مرحوم۔

۱۱ر شوال ۱۲۶۰ھ کو ۵۴ سال دو ماہ ۲۰ یوم کی عمر میں عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف انتقال کیا۔ جنازہ کے ساتھ کثیر مجمع علماء وصلحاء وطلباءؑ سادات کا تھا، اور ہر شخص جناب کے محاسن صفات واخلاق کو یاد کر کے کف افسوس مل رہا تھا۔ جناب سلطان العلماءؒ نے ایک کثیر اجتماع کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم اپنے والد بزرگوار جناب غفران مآبؒ کے امامباڑہ میں جناب غفران مآبؒ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

جناب علامہ مفتی میر عباس صاحب قبلہ طاب ثراہ نے حسب ذیل تاریخ انتقال نظم فرمائی ؎

یا رب چہ شیونست کہ در عالمے فتاد

فریاد از غمے کہ دل مرد و زن گرفت

سید حسن کہ سید عبّاد عصر بود

برخواست از جہان و جناں را وطن گرفت
درمسجد شریف کہ خالیست جائے او
محراب وطاق صورت بیت الحزن گرفت
چوں نعشِ پاک او ز سرِ کوچہا گذشت
ہر کس کہ دید برسر و صورت زدن گرفت
سیدؔ بارتحال رقم کرد سال فوت
زہد وورع عزائے جناب حسن گرفت
۰ ۶ ۲ ۱ ھ

آیۃ اللہ سید مہدی طاب ثراہ

مولانا سید حسن اعلیٰ اللہ مقامہ سے صرف تین سال چھوٹے تھے، ۱۲۰۸ھ میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار جناب غفران مآبؒ کی خدمت میں علوم نقلیہ کی تکمیل کی بچپنے ہی میں ذہن وذکاوت خداداد اور طبیعت وجودت بے مثل تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ کمسنی ہی میں اپنے امثال واقران سے بلند ہوکے امتیازی شان حاصل کرلی۔ جناب سید العلماء طاب ثراہ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا ہے کہ میں اور برادر معظم مولانا سید حسن اور مولانا سید مہدی مرحوم ہم تینوں جناب غفران مآبؒ کی خدمت میں ہم سبق تھے اور مولانا سید مہدی ہم تینوں بھائیوں میں سے فضل وکمال میں سبقت لے گئے تھے اور دقت نظر میں بلند پایہ تھے، اسی وجہ سے سبق میں عبارت پڑھنا ان سے مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ مولانا سید حسن اعلیٰ اللہ مقامہ سے کسی نے کہا کہ آپ سن میں بڑے ہیں پھر آپ چھوٹے بھائی کے سبق میں کیوں کر شریک ہوتے ہیں؟ آنجناب نے اپنے کمال تقدس وورع و انکسار سے فرمایا کہ علم وکمال میں بہرہ وافر حاصل ہے، پھر میں ان کی شرکت سے صرف تکبر وتعصب کی بنا پر کیوں کراعراض کروں؟ جناب غفران مآبؒ نے جب یہ واقعہ سنا تو مولانا سید حسن رحمۃ اللہ

کے خیالات کی بہت قدر فرمائی اور شاباشی دی۔ جناب مولوی سید مہدی صاحب بہت حدید الذہن تھے۔ اور اکثر شب کو بیدار رہتے تھے، مسائل کے استنباط میں بے نظیر اجتہاد فرماتے تھے۔ اسی کے ساتھ گوشہ نشینی بہت مرغوب تھی اور لذت دنیا سے کنارہ کش تھے۔ موت کو اکثر یاد کرتے تھے اور زندگانی دنیا پر بہت کم وثوق تھا۔ اپنی خواہش نفس کی مخالفت کرتے تھے۔

افسوس صد ہزار افسوس کہ زمانہ نے علمی فیوض جاری نہ ہونے دیئے اور عنفوان شباب میں ۲۳ رسال کی عمر میں باپ کے دل پر داغ مفارقت دیا آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون۔

اولاد میں صرف جناب عمدۃ العلماء مولانا سید محمد ہادی اعلیٰ اللہ مقامہ کو یادگار چھوڑا جو درجہ اجتہاد پر فائز تھے اور اُن کا تذکرہ اگر موقع ملا تو کبھی ہدیۂ ناظرین ہوگا۔

تصنیف وتالیف کا موقع قضا نے کب دیا، پھر بھی بعض حواشی وتحقیقات مسائل متفرقہ خصوصاً حاشیہ تحریر اقلیدس اور رسالہ معنی انشاء بے نظیر شاہد کمالات ہے۔

انتقال کے بعد اپنے والد ماجد جناب غفران مآب رحمۃ اللہ علیہ کے امامباڑہ میں دفن ہوئے۔ تاریخ وفات اس مصرع سے ظاہر ہے۔

گفتہ ز خلق مہدی ہادی نہان شدہ

۱ ۳ ۲ ۱ ھ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید حسین علیین مکان

جناب غفران مآبؒ کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے مگر بلحاظ جامعیت کمالات اکثر سے بہتر۔ آپ کی ولادت باسعادت درحقیقت معصوم کی بشارت پر ہوئی تھی، جس کے بعد آپ کے علوِ منازل وبلندی مرتبہ کچھ قابل تعجب نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جناب غفران مآبؒ نے اپنی تمام اولاد کا نام بسلسلۂ حضرت معصومین علیہم السلام رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے بڑے فرزند حضرت سلطان

العلماء کا نام سید محمد، اُن سے چھوٹے کا نام سید علی، پھر سید حسن، ان کے بعد جو ولادت ہوئی تو جناب غفران مآبؒ نے خلاف ترتیب سید مہدی نام رکھا۔ خواب میں حضرت سید الشہداءؑ کو دیکھا کہ وہ فرماتے ہیں تم نے پہلے ترتیب کا لحاظ کیا مگر اس فرزند کے نام میں تم نے سلسلہ سے قطع نظر کر لی۔ اس کی کیا وجہ؟ آپ نے عرض کیا کہ یہ فرزند اس وقت پیدا ہوا ہے کہ جب مجھ پر پیری غالب آ چکی ہے اور میرے قویٰ کمزور ہو چکے ہیں مجھے امید نہ تھی کہ اس کے بعد کوئی فرزند ہوگا لہٰذا اس کا نام میں نے معصومین علیہم السلام کے آخری فرد کے نام پر سید مہدی رکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ خیال درست نہیں ہے تمہارے یہاں ایک فرزند ابھی اور پیدا ہوگا، اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ اسی خواب کے بعد ۱۴/ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ کو جناب غفران مآبؒ کے بیت الشرف میں جناب سید العلماء کی ولادت ہوئی اور حضرت سید الشہداء کے فرمان پر آپ کا نام سید حسین رکھا گیا۔

''خورشید کمال'' لقب تاریخی تھا جس نے اپنا پورا اثر کیا اور جناب سید العلماء اس کے صحیح مصداق تھے۔ بچپنے ہی سے جناب غفران مآبؒ کے سایۂ عاطفت میں تربیت پانا شروع کی۔

اکثر حصہ آپ کے استفادہ کا جناب غفران مآبؒ ہی سے تھا۔ جب جناب غفران مآبؒ کی طبیعت ناساز ہوتی تھی تو جناب رضوان مآب سے تعلیم متعلق ہو جاتی تھی۔ ملکوتی ذکاوت و ذہانت اور شوق علم کا نتیجہ تھا کہ سترہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہو کر درجۂ اجتہاد کو حاصل کر لیا اور تجزی فی الاجتہاد کے متعلق ایک رسالہ تحریر فرمایا پھر رسالہ 'حکم ظن رکعتین اولین' لکھا۔ لیکن شرم و حیا کی وجہ سے اس کا اظہار کسی سے نہ کیا۔ اکثر اس کے مطالب میں اپنے بڑے بھائی مولانا سید مہدی صاحب سے مباحثہ کیا کرتے تھے۔ جو کچھ مولانا سید مہدی صاحب لکھتے تھے وہ آپ کو اور جو کچھ آپ تحریر فرماتے تھے وہ ان کو دکھالیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن جناب غفرانمآبؒ نے فرمایا کہ مجھے یاد دلاؤ کہ میں تمہارے لئے اجازہ لکھ دوں۔ جناب سید العلماء نے عرض کیا کہ پہلے آپ جو کچھ میں نے لکھا ہے اُسے ملاحظہ فرمالیں کہ میں اس کے حسن و قبح سے مطلع ہوں۔ جناب

غفران مآبؒ نے منظور فرمایا اور رسالوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اثنائے مطالعہ میں فرماتے تھے کہ ان کتابوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی کم مشق اور مبتدی کی تحریر ہے بلکہ ایک منتہی کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال اسی دوران میں جناب غفران مآبؒ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور دو رسالے جناب سلطان العلماء کے متعلق کئے۔ جناب سلطان العلماء نے رسالوں کو تمام وکمال دیکھ کر بہت پسند فرمایا۔ جناب سید العلماء علم منطق وفلسفہ، ہیئت وحساب وادب وعلم کلام وحدیث وتفسیر واصول فقہ، وتاریخ واقلیدس، معانی وبیان ونحو ورجال، غرض تمام علوم میں بحر بیکراں تھے۔

جناب علامہ مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے اوراق الذہب میں لکھا ہے کہ جناب سید العلماء کو تمام علمائے بلاد سے وہ نسبت ہے جو ملک کو بشر سے ہوتی ہے۔ بلکہ متقدمین علماء سے اُن جناب کی وہ نسبت ہے جو ہمارے نبیؐ آخر الزماں کو تمام انبیاءؑ سے نسبت حاصل ہے کہ وہ سب انبیاءؑ حضرت سے باعتبار زمانہ مقدم مگر بلحاظ مرتبہ موخر ہیں۔ اگر وہ جناب زمانۂ رسولؐ میں ہوتے تو خداوند عالم اُن کی مدح میں کوئی آیت قرآنی اُتارتا اور حضرت رسولؐ ان کو ابوذرؓ وسلمانؓ پر فضیلت دیتے۔''

خدمات دینیّہ

جناب سید العلماء نے اپنی قلیل عمر میں وہ وہ مساعی ترویج دین وشریعت میں فرمائے، جس کی مثال ڈھونڈھنے سے نہیں مل سکتی، جن میں سب سے اہم مدرسہ سلطانیہ کی بنا ہے۔ لکھنؤ، بلکہ ہندوستان میں سب سے پہلا یہی مدرسہ ہے جو علوم جعفریہ کی تعلیم کے لئے قائم ہوا۔ جناب مفتی صاحب قبلہ نے ایک رسالہ ترغیب بنائے مدرسہ میں لکھا، اور جناب جنت مآب طاب ثراہ نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا آخر جناب سید العلماء کے مساعی جمیلہ سے مدرسہ کی بنا کی گئی، جناب جنت مآب ممتاز العلماء (ابن جناب سید العلماء) طاب ثراہ مدرس اعلیٰ اور ناظر مدرسہ مقرر ہوئے اور اکثر اجلّہ عصر مثلاً علامۃ العلماء مولانا السید احمد علی محمد آبادی (تلمیذ جناب غفران مآب طاب ثراہ) اور جناب علامہ مفتی سید محمد عباس طاب ثراہ (تلمیذ سید العلماءؒ) مدرس قرار پائے۔

اس کے علاوہ ڈیڑھ لاکھ روپئے عراق میں علامہ نجفی صاحب جواہر کے پاس نہر آصفی کی درستی کے لئے بھیجے اور پندرہ ہزار روپئے روضۂ حضرت مسلمؑ و ہانیؒ کی تعمیر کے لئے روانہ فرمائے اور صاحب ضوابط الاصول کے زیر انتظام دونوں روضوں کی تعمیر ۱۲۶۳ھ میں مکمل ہوئی۔ اور تیس ہزار روپیہ طلاکاری درو ایوان روضۂ حضرت عباسؑ کے لئے صاحب ضوابط کے پاس بھیجے گئے۔

افسوس ہے کہ گنجائش نہیں اور مطالب کا دریا اس کوزہ میں سماتا نہیں، مختصر یہ ہے کہ بے نظیر ہستی تھی اور وہ ذات تھی کہ جو آسمان تشیع کے لئے مایہ ناز آفتاب کہے جانے کے قابل ہے۔ صرف ۶۲ برس کی عمر ہوئی اور ۱۲۷۳ھ میں یہ تیرہویں صدی کا آفتاب علم و کمال ہمیشہ کے لئے پردہ خاک میں نہاں ہوگیا۔

شعرا نے مختلف تاریخیں اور قطعات وفات نظم کئے جن میں سے ایک تاریخ جناب علامہ مفتی میر عباس طاب ثراہ کی حسب ذیل ہے:

بعد الدنیا انها شرك الردے
ان اضحك فی یومها ایکت غدا
اهالها قد غادرت سادتها
وولاتها حتی الامام المقتدی
هو سیدالعلماء مجتهد الزما
ومن تفرّد فی البریّة سوددا
وتواضعا وتخشعا وتضرعا
وتورعا وتقدسا وتزهدا
اعنی سمّی ابن البتول الطهرین
ادبی بطفّ الکربلا مستشهدا
قد ارّخ المهدی یوم وفاته

لتهدمت واللہ ارکان الھدیٰ

۳ ۷ ۲ ۱ ۵

ومن العجائب انہا قد الفیت

فی روعہ من غیر ان یتعمدا

فیعد ذاک من الکرمات التی

حصلت لہ روحی لمرقدہ فدا

میر علی اوسط ہندی حائری نے تاریخ ولادت و وفات کو ایک مصرع میں کیا خوب جمع کیا ہے

ے

تاریخ ولادتش شنیدم

تاریخ وفات او نوشتم

خورشید کمال بودہ اے دل

ا ا ۲ ا ھ

خورشید کمال بودہ اے دل

۰ ۷ ۲ ا ھ

جناب سلطان العلماء نے ایک عظیم مجمع کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جناب سید العلماء اپنے والد ماجد کے پائین پا حسینیہ جناب غفران مآبؒ میں دفن ہوئے۔ طاب ثراہ

جناب سید العلماء نے اپنے بعد یادگار تصانیف چھوڑے، جن کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے۔ اُن میں سے حدیقہ سلطانیہ علم کلام میں اور مناہج التدقیق عربی علم فقہ میں اور روضۃ الاحکام فارسی میں بڑے پایہ کی کتابیں ہیں۔ اور تینوں شائع ہو چکی ہیں۔

دوسرے تلامذہ کہ جن میں بڑے بڑے جلیل القدر افراد ہیں جو افق تشیع کے اوپر آفتاب ضیابار

کہے جاسکتے ہیں۔اس بات پر اہل اطلاع کا اتفاق ہے کہ جس تعداد میں اجلّہ وکملا جناب سید العلماءؒ کے تلامذہ میں تھے اتنے کسی اور کے تلامذہ مشکل سے ہوں گے۔

کون ہے جو استاد الاساتذہ علامۃ الادباء مفتی سید محمد عباس شوستری طاب ثراہ کے نام سے واقف نہیں، انھوں نے اپنے تصانیف کے ذریعہ سے ملت جعفریہ کی جو نصرت کی ہے وہ اہل انصاف کو معلوم ہے۔ روائح القرآن وجواہر عبقریہ وشریعت غرّ اوغیرہ اسی بزرگ کا رشحۂ فیض ہے۔اس وقت ان کے مستفیدین دنیائے علم پر سکہ جمائے ہوئے ہیں مثلاً حضرت صدر المحققین شمس العلماء مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ وحضرت نجم الملۃ شمس العلماء مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے بزرگ حضرت استاد المتکلمین مولانا سید حامد حسین صاحب نیشاپوری اعلیٰ اللہ مقامہ جن کی مساعی جمیلہ عبقات الانوار کے مجلدات سے اہل عالم پر آشکارا ہیں، یہ وہ کتاب ہے جس نے قلعہ باطل کی بنیادوں کو متزلزل کردیا اور آپ کے خلف الصدق حضرت صدر المحققین ناصر الملۃ مدظلہ تعارف سے مستغنی ہیں۔ ان کے علاوہ جناب مولانا سید مہدی شاہ اور مولانا مرزا محمد اخباری اور مولانا میر حیدر علی طاب ثراہ دنیائے کمال میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ جناب سید العلماء کے چار صاحبزادے تھے پہلے جناب زین العلماء عضد الدین مولانا سید علی حسین مرحوم، دوسرے حضرت ممتاز العلماء وفخر المدرسین مولانا سید محمد تقی جنت مآب طاب ثراہ، تیسرے جناب زبدۃ العلماء معین المومنین سید علی نقی طاب ثراہ، چوتھے جناب مولانا سید عبد الجواد صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ۔ ان حضرات کا تذکرہ اگر حیات مستعار باقی رہی تو کبھی اور حوالۂ قلم ہوگا۔

(۱۳۴۹ھ)

جناب رضوان مآب سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ مولانا

السید محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

نام و نسب

جناب غفرانمآبؒ مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ کے سب سے بڑے بیٹے سید محمد نام اور سلطان العلماء خطاب تھا۔ عوام میں بڑے قبلہ و کعبہ کے الفاظ سے مشہور تھے اور انتقال کے بعد جناب رضوان مآب کے لقب سے ملقب ہوئے۔

ولادت

غفرانمآبؒ ۱۱۹۶ھ میں تحصیل علم کے بعد ہندوستان واپس ہوئے تو ان کی عمر اس وقت تیس سال کی تھی۔ اس کے پہلے تحصیل علم میں انہماک کی بنا پر غالباً انہوں نے ازدواجی ذمہ داریوں میں گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اب وہاں سے مراجعت کے بعد اپنے وطن نصیرآباد کے اشراف میں شادی ہوئی جسکے بعد آپ نے تبلیغی مصالح کے پیش نظر لکھنؤ میں قیام فرمایا تو یہاں ۱۷؍ ماہ صفر ۱۱۹۹ھ کو سب سے پہلے فرزند کی ولادت ہوئی جسکا ہندوستان کی اس نسل میں رہنمایان دین کی پہلی فرد سمجھتے ہوئے بامعرفت باپ نے سلسلۂ چہاردہ معصومینؑ کی پہلی فرد حضرت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰؐ کے اسم مقدس سے برکت حاصل کرنے کے لئے محمد نام رکھا چنانچہ اس کے بعد اپنی اولاد کے نام بترتیب علی اور حسن رکھتے رہے جس کا اظہار خود جناب غفرانمآبؒ کی زبانی ایک خواب کے ذیل میں ہوا ہے جس کا تذکرہ جناب مفتی میر عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب اوراق الذہب میں جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان طاب ثراہ کے حالات میں کیا ہے۔

نشوونما

جناب سلطان العلماء کی نشونما جناب غفرانمآبؒ کی آغوش تربیت میں اس ماحول میں ہوئی جب کہ ہندوستان میں مذہب جعفری کی اعلانیہ نشوونما کا آغاز اور بدعتوں کا استیصال ہورہا تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں سلطان العلماء پیدا ہوئے اور ۱۲۰۰ھ میں لکھنؤ میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت ہوئی اور جمعہ کی بنیاد قائم ہوئی اس وقت غفرانمآبؒ کی دینی مصروفیتوں کا کہنا ہی کیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اپنے فرزند اکبر کی تربیت اس بلند معیار پر کی جس کی بنا پر وہ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین ہوسکے جسے تائید الٰہی کے سوا اور کچھ کہا نہیں جاسکتا اور اس تائید الٰہی کا ظہور اس خواب سے ہوگیا جسے جناب غفرانمآبؒ نے جناب سلطان العلماء کے ایام طفولیت میں دیکھا اور جس میں حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ نے غفرانمآبؒ کو اس صاحبزادہ کی تربیت کے لئے اپنے زیر سایہ لینے کی بشارت دی۔ اس پر جناب سلطان العلماء عمر بھر فخر کرتے رہے۔ اسکا ذکر جناب تاج العلماء نے اپنی مبسوط کتاب تفسیر سورۂ یوسف احسن القصص میں رویائے صادقہ کی مثال میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

تعلیم

اسے خواہ سلطان العلماء کی صلاحیت ذہنی کا غیر معمولی کرشمہ سمجھا جائے اور خواہ جناب غفرانمآبؒ کی تعلیم وتربیت کا حیرت انگیز کمال کہ سلطان العلماء کے بعد اس سلسلہ کے جتنے افراد ہوئے ان کے ذرائع تعلیم میں تو برابر وسعت پیدا ہوتی جارہی تھی جناب سلطان العلماء کے دوسرے بھائیوں کی تعلیم میں کچھ نہ کچھ تو باپ کے ساتھ بڑے بھائی یعنی خود جناب سلطان العلماء کی شرکت تھی مگر سلطان العلماء کے لئے مکتب اور مدرسہ اور یونیورسٹی شروع سے آخر تک جتنے مراکز تعلیم سمجھے جاسکتے ہیں ان سب کے لئے بس فقط ان کے والد یعنی غفرانمآبؒ کی ذات تھی۔ اس کے باوجود انتہائی تعجب خیز امر نہیں تو اور کیا ہے کہ انیس برس کی عمر میں سلطان العلماء تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے چنانچہ ۱۲۱۸ھ میں جناب غفرانمآبؒ نے آپ کو اجازہ مرحمت فرمایا

۔اس کے بعد جناب غفرانمآبؒ سترہ برس بقید حیات رہے لہٰذا یوں سمجھنا چاہئے اس طویل مدت میں آپ خدمات دینیہ، تربیت طلاب اور اشاعت دین کے کارناموں میں اپنے والد بزرگوار کے دست وبازو بنے رہے۔

غفرانمابؒ کے بعد

جناب غفرانمآبؒ کی وفات کے وقت جناب سلطان العلماء کی عمر ۳۶ برس کی تھی یہ ہر حیثیت سے کمال کی منزل تھی اوراس لئے آپ کی علمی وعملی جلالت باپ کی زندگی ہی میں مسلم ہوچکی تھی پھر جناب غفرانمآبؒ نے ۱۲ / جمادی الاول ۱۲۳۵ھ کو یعنی اپنے انتقال سے صرف دو مہینے سات دن پہلے ایک وصیت نامہ بھی تحریر فرمایا تھا جس میں آپ کی قائم مقامی کی تصریح فرمادی تھی اس لئے جناب غفرانمآبؒ کے بعد حکومت اور رعایا، خواص اور عوام اہل خاندان اوراغیار سب نے بالاتفاق آپ کو جناب غفرانمآبؒ کا جانشین تسلیم کرلیا۔

تقسیم عمل

خواہ اسے جناب غفرانمآبؒ کی ہمہ گیر صلاحیت اور غیر معمولی خصوصیت سمجھا جائے یا یوں خیال کیا جائے کہ جناب غفرانمآبؒ کے بعد تبلیغی کاموں کا حلقہ اتنا وسیع ہوگیا تھا اب وہ صورت ممکن نہ تھی ، بہرحال یہ واقعہ ہے کہ جناب غفرانمآبؒ تن تنہا جن تمام مہمات کے کفیل تھے اب غفرانمآبؒ کے بعد ضرورت ہوئی کہ وہ امتیازی اہلیتوں کے لحاظ سے متعدد اشخاص پر تقسیم ہوجائیں چنانچہ انتہائی تنظیم اوراتحاد باہمی کے ساتھ یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ بادشاہ اورامراء کے یہاں کے دینی ضروریات کی تکمیل اور تبلیغ واشاعت کے ادارہ کی تنظیم وترتیب وغیرہ جناب سلطان العلماء نے اپنے ذمہ لی اور تدریس وتربیت افاضل اوراجتہادی مسائل کی تحقیق وتنقیح وغیرہ سب سے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے متعلق ہوئی اور عوامی ضروریات کی انجام دہی مثل نماز جماعت اور استخارہ وغیرہ کے درمیانی بھائی جناب مولانا سید علی صاحب اور مولانا سید حسن صاحب سے وابستہ

ہوئی جو کہ تقدس وتقویٰ کے ساتھ امتیازی خصوصیت رکھتے تھے۔

انقلابات سلطنت

چونکہ آل غفرانمآبؒ طاب ثراہ میں جناب سلطان العلماء نے سب سے زیادہ عمر پائی یعنی پچاسی برس دنیا میں زندگانی گذاری، اس لئے آپ کو اپنے دور میں سلطنت وقت کے بہت سے انقلابات کے ساتھ سابقہ پڑا۔ شروع میں غازی الدین حیدر کا زمانہ پھر نصیر الدین حیدر کا پھر محمد علی شاہ کا، پھر امجد علی شاہ، پھر واجد علی شاہ اور پھر انتزاع سلطنت غدر اور اسکے بعد انگریزوں کی حکومت۔

جب تک شاہی رہی، شاہوں کے مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کی وجہ سے مختلف حالات سامنے آئے اور جب شاہی گئی اور انگریزوں کا دور آیا تب تو زمین آسمان ہی بدلے ہوئے نظر آئے۔

یہ تمام حالات اور ان کے تقاضے اتنے مختلف تھے کہ جب تک قدرت کی طرف سے ایسا ہمہ گیر دل و دماغ نہ ملا ہوتا ایک ایسے ہمہ گیر روحانی اقتدار والی شخصیت کو جیسے کہ سلطان العلماء کی تھی ان تمام ادوار میں زندگی گذارنا آسان نہ تھا۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان العلماء ایک محراب و مدرسہ میں محدود قسم کے عالم ہوتے جب تو ہوسکتا تھا کہ انقلابات کی آندھیوں سے وہ غیر متعلق رہ سکیں مگر جس پیمانے پر جناب غفرانمآب نے دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی تھی اور جس منتہائے عروج تک وہ اب سلطان العلماء کے وقت میں پہنچ گیا تھا اس کے لحاظ سے واقعہ یہ تھا کہ وہ شیعوں کے پورے اجتماعی نظام پر حاوی تھا جس کا دائرہ اب ہندوستان کے شرق وغرب پر محیط ہو چکا تھا بلکہ اسکے فیوض عراق وایران تک پہنچ رہے تھے۔

ایسی صورت میں ناممکن تھا کہ گوشہ گیری اور انزواء کے طریقہ پر عمر بسر کی جاتی یا برسراقتدار سلاطین سے بالکل غیر متعلق ہو کر زندگی گذار دی جاتی جب کہ وہ سلاطین بھی مذہب جعفری کے نام لیوا اور پرستار تھے اور انکی صحیح رہنمائی بھی جس حد تک ممکن ہو روحانی رہبر کے فرائض میں داخل تھی۔

اس کا نتیجہ تھا کہ ان میں سے بعض ادوار جناب سلطان العلماء کے لئے کافی امتحانی بن گئے

جن میں سے بڑا نازک دور نصیر الدین حیدر بادشاہ کا ہے جس کے کچھ واقعات کا چرچا امتدادِ زمانہ کے محو کرنے والے اثرات کے باوجود اب تک بعض زبانوں پر بھی جاری ہے اور بعض کتابوں کے صفحات پر بھی آ گیا ہے۔ جن میں کبھی تو جناب سلطان العلماء کی ذہانت نے میدان سر کیا ہے اور کبھی خداداد ہمت وجرائت نے جس کے ساتھ بروقت تائید ربانی اور اقبال سرمدی کے پیدا کئے ہوئے رعب وہیبت کا بھی اثر شامل ہے۔

مثلاً یہ موقع کافی نازک تھا کہ جواں سال نصیر الدین حیدر بادشاہ کے ذہن میں کچھ مخصوص کیفیات کے عالم میں اور پھر عوامی عقیدت کے جذبات کے ساتھ ۲۱ ر ماہ رمضان کے تابوت جناب امیر علیہ السلام کے لئے یہ روہ آ جاتی ہے کہ جناب سلطان العلماء نماز جنازہ پڑھائیں تاکہ شبیہ مکمل ہو جائے۔

عوام غالباً اس موقع کی نزاکت کو زیادہ محسوس نہ کر سکی اور شاید اس دور کے عوامی علماء بھی ایسے موقع پر اسمیں کوئی دشواری محسوس نہ کریں کہ بادشاہ کی خواہش پر عمل کر ہی دیا جائے مگر فرض شناس علماء دین کے لحاظ سے یہ موقع بڑا سخت امتحانی تھا۔

بحیثیت یادگار کوئی عمل وہ نیا بھی ہو تو اصطلاحی طور پر اسے بدعت سمجھنا درست نہیں ہے جب کہ اسے شرع میں خاص طور پر وارد ہونے کے تصور سے نہیں کیا جاتا بلکہ عمومی احکام کے تحت میں انجام دیا جاتا ہے مگر نماز ایک خاص عبادت ہے جس کے لئے شریعت نے مواقع مقرر کر دئے ہیں اور بغیر ان مواقع کے دل بخواہ اسے انجام دینا یا خود ساختہ شکل سے انجام دینا بدعت ہے جو حرام ہے۔

ادھر بادشاہوں کی طبیعت کہ وہ جس وقت جو دھن آ جائے اسکے خلاف کچھ سمجھنے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتے پھر فرمائش ایسی جو انکے اس وقت کے تصورات کے لحاظ سے سلطان العلماء کے فرائض میں داخل ہے۔ یہ وہ موقع تھا عوام کو تو شاید اس وقت کے بھی اسکی نزاکت کا احساس نہ ہو مگر اس وقت کے اہل علم کے طبقہ میں بڑا انتشار اور تلاطم پیدا ہو گیا تھا کہ اب سلطان العلماء کیا کریں گے

۔اگر بادشاہ کی مخالفت کرتے ہیں تو آج جان کی خیر نہیں اور اگر تعمیل کرتے ہیں تو اپنے شرعی موقف کے لحاظ سے پستی میں جاتے ہیں۔ادھر جناب سلطان العلماء کو اس نزاکت کا بھی احساس کہ بادشاہ کے دل میں جو یادگار کے تقدس اور حترام کا جذبہ ہے اس جذبہ کو ٹھیس بھی نہ لگنا چاہئے۔

اس وقت غیر معمولی ذہانت ہی کا کرشمہ تھا کہ جو جناب سلطان العلماء اس خطرہ سے بال بال باہر نکل آئے۔ اس طرح کہ آپ بادشاہ کی طلب پر بلا توقف تشریف لے گئے اور شریک تابوت ہوئے۔ جب تابوت تیار ہوکر آیا اور سامنے رکھا گیا بادشاہ نے کہا بڑھئے آگے اور نماز پڑھایئے تو سلطان العلماء نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ یہ تو امام کا تابوت ہے۔امام کے سوا کون نماز پڑھا سکتا ہے؟ یہ حقیقت پرور جواب وہ تھا کہ جو بادشاہ کے جذبہ احترام کے بالکل مطابق تھا۔اس لئے انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے سلطان العلماء سے زحمت دہی کی معافی چاہی اور آپ بخیر وعافیت شریعت کدہ کی طرف واپس ہوئے۔بہت ممکن ہے کہ کسی وقت فرصت میں اس کے بعد آپ نے بادشاہ کو اصل شرعی پہلو سمجھا بھی دیا ہو مگر ظاہر ہے کہ اس وقت نفسیاتی طور پر اسکا کوئی امکان نہ تھا اور وہی طریقہ کارگر ہوسکتا تھا جو جناب سلطان العلماء نے اپنی ذہانت سے اختیار فرمایا۔

دوسرا واقعہ جس میں جرأت وہمت اور رعب واقبال نے کام کیا یہ تھا کہ کسی وجہ سے نصیر الدین حیدر بادشاہ کو آپ سے پرخاش پیدا ہوگئی اور یہ ارادہ کیا کہ وہ آپ کو مجمع عام میں سبک کریں۔اس لئے آپ کو بلوایا اور اپنے لئے ایک کرسی بچھوائی جس پر خود بیٹھے اور بس ایک کرسی پاس رکھی جس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ یہ کیا کہ آج نہ سلطان العلماء کی تعظیم کو کھڑا ہوں گا اور نہ بیٹھنے کے لئے جگہ دوں گا بلکہ کھڑے کھڑے بات کرنے پر مجبور کروں گا تاکہ لوگوں کی نظر میں وہ سبک ہوجائیں۔

سلطان العلماء حسب الطلب تشریف لائے مگر جب آخری زینہ پر پہنچے تو آپ نے دستور عرب وعجم کے مطابق بلند آواز سے کہا یااللہ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں آرہا ہوں اس آواز سے بادشاہ نے بے ساختہ اوپر دیکھا اور گھبرا کر اپنی جگہ سے تعظیماً کھڑے ہوگئے۔اتنی دیر میں سلطان العلماء

قریب پہونچ گئے اور بلا تکلف قلمدان ہاتھ میں اٹھا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئے اور قلمدان کو اپنے زانو پر رکھ لیا بادشاہ نے مسئلہ پوچھا یہ بھی درحقیقت مسئلہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی بحث منظور تھی کہ کیا یہ درست ہے کہ امم سابقہ میں اگر کسی کے جسم پر نجاست لگ جاتی تھی تو اتنا جسم کاٹ ڈالا جاتا تھا۔ جناب سلطان العلماء سمجھ گئے کہ اس کے بعد کیا سوال ہوگا آپ نے فرمایا ہاں درست ہے مگر خون اس شریعت میں نجاسات میں داخل نہیں تھا۔ اس کے بعد بادشاہ کو کچھ کلام کرنے کی گنجائش محسوس نہوئی اور آپ فی امان اللہ کہکر رخصت ہو گئے۔ بادشاہ رخصت کے وقت بھی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ دیر تک سوچ میں بیٹھے رہے بعد میں کسی بے تکلف شخص سے کہا کہ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ آج قبلہ وکعبہ کی تعظیم نہ کروں گا مگر جب وہ آئے تو ایسا محسوس ہوا کہ کسی نے بغلوں میں ہاتھ دیکر مجھے کھڑا کر دیا بیشک یہ خدا کے مخصوص بندے ہیں۔

اس وقت سے بہت زیادہ آپ کی عظمت سے متأثر ہوئے مگر ان کے اشغال کچھ ایسے تھے کہ بسا اوقات وہ لاشعوری طور پر کچھ احکام دیدیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ حکم دے دیا سلطان العلماء کے مکان کو توپ سے اڑا دیا جائے یہ شام کا وقت تھا حکم افسر توپخانہ کو پہونچا وہ خود سلطان العلماء سے انتہائی متأثر تھا اسے بڑی فکر ہوئی۔ اس نے جان پر کھیل کر راتی رات دو توپیں نصب کرائیں ایک سلطان العلماء کے مکان کے سامنے اور دوسری توپ قصر سلطانی کے بالمقابل بادشاہ صبح کو اٹھے تو اب ہوش میں تھے خبر ہوئی کہ قصر سلطانی کے سامنے توپ لگی ہوئی ہے افسر کو بلایا کہا یہ کیا قصہ ہے اس نے دست بستہ عرض کیا حضور نے رات کو یہ حکم صادر کیا تھا سلطان العلماء کا مکان توپ سے اڑا دیا جائے میری غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا کہ بادشاہ دین کا مکان اڑا دیا جائے اور بادشاہ دنیا کا باقی رہے اس لئے میں نے چاہا کہ میں اپنا دین برباد کر رہا ہوں تو آج دنیا کو بھی برباد کر دوں اور پھر خود بھی ختم ہو جاؤں بادشاہ بہت متأثر ہوئے اپنا حکم سابق منسوخ کیا اور توپخانہ افسر کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ کے بعد محمد علی شاہ ہوئے یہ بڑے دیندار تھے اور علماء سے عقیدت رکھتے تھے ان کے ذریعہ سے جو کار خیر قایم ودائم طور پر انجام تک پہنچا وہ وقف حسین آباد مبارک کی شکل میں اب تک قائم ہے جس سے باوجود انتظامی خامیوں اور بہت حد تک مفاد وقف کے پورا نہ ہونے کے پھر بھی کثیر التعداد کارہائے خیر اب تک انجام پا رہے ہیں۔

حکومت شرعیہ کا قیام

محمد علی شاہ کا دور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا مگر ان ہی کے مذہب پرور سایہ تربیت میں پروان چڑھے ہوئے امجد علی شاہ سریر اقتدار پر آئے تو انہوں نے سلطان العلماء کو بلا کر تاج ان کے سامنے ہی رکھ دیا کہ یہ آپ کا حق ہے میرا نہیں ہے سلطان العلماء نے انہیں شاباشی دی اور فرمایا ہمیں شخصی اقتدار درکار نہیں ہے۔آپ ان مقاصد کی تکمیل کریں جو شریعت مطہرہ میں اہم اور ضروری ہیں تو میں یہ تاج خود اپنی طرف سے آپ کے سر پر رکھ دوں بادشاہ نے سلطان العلماء سے عہد و پیمان کیا اور آپ نے وہ تاج اپنے دست مبارک سے خود انکے سر پر رکھ دیا غالباً اسی کی طرف جناب مفتی میر عباس صاحب نے جناب سلطان العلماء کی وفات کے بعد قطعہ تاریخ میں اس شعر کے ساتھ اشارہ کیا ہے:

آں ہمایوں منظرے کز سایہ اقبال او
بادشاہاں سر بسر دیہیم و افسر داشتند

امجد علی شاہ نے اپنے اس عہد کو پورا یوں کیا کہ تمام نظام مملکت کو قانون شریعت کا تابع بنا دیا دیوانی اور فوجداری دونوں عدالتیں سلطان العلماء کے ماتحت ہو گئیں اور تمام دوائر دولتی سلطان العلماء کی مرضی کے مطابق تشکیل ہوئی چنانچہ محکمۂ شرعیہ کے چیف جسٹس جناب سلطان العلماء کے سب سے بڑے بیٹے جناب منصف الدولہ شریف الملک مولوی سید محمد باقر صاحب ہوئے۔ پولیس جناب خلاصۃ العلماء مولانا سید مرتضیٰ صاحب کے تحت ہوئی اور فوجداری کے محکمہ کے نگران اعلیٰ خود

جناب سلطان العلماء ہوئے جہاں قانون شریعت کے مطابق حدود شرعیہ کا اجراء ہوتا تھا غرض تمام محکمے اسی صورت پر قائم ہوئے۔

استغناء اور قناعت

مذکورہ بالا صورت حال میں ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ سلطان العلماء کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ کرسکتا تھا مگر اس وقت جب پوری حکومت سلطان العلماء کے ہاتھ میں تھی انہوں نے نہ اپنے لئے کوئی عالیشان محل تعمیر کیا نہ اپنی اولاد کے لئے کوئی بڑی جائداد خرید کر گئے۔

گاؤں جو اب تک زمینداری کے خاتمہ کے پہلے اولاد سلطان العلماء کے پاس تھے وہ وہی تھے جو غفرانمآب کو زمانہ آصف الدولہ میں عطا ہوئے تھے جناب سلطان العلماء کے زمانہ کی کوئی جائداد اور کوئی اندوختہ ان کی اولاد تک نہیں پہونچا۔ وہی عالمانہ اپنا ذاتی کاشانہ جوہری محلہ میں تھا جہاں مقدمات بھی فیصل ہوتے تھے اور مجرموں کو سزائیں بھی دی جاتی تھیں اور تمام دفتری کام بھی انجام پاتے تھے۔

یہ سیرت کا پہلو وہ تھا جس سے متأثر ہوکر جناب مفتی میر عباس صاحب کو کہنا پڑا

در حکومت زہد و تقوئے العجب ثم العجب

کیسہ پر زر داشتند و طبع بوذر داشتند

صاف گوئی اور حق پروری

جناب سلطان العلماء نے نصیر الدین حیدر بادشاہ کے دور حکومت میں بھی کبھی ''کلمۂ حق'' سے زبان نہیں روکی یہاں تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ نے کسی ایسی عورت سے جس میں کچھ عذر شرعی تھا تعلق ازدواجی قائم کرنے کا مسئلہ دریافت کرایا اور جناب نے قانون شرعی کے مطابق جواب دیا کہ حرام ہے پھر کچھ مدت کے بعد اور ممکن ہے کہ اظہار ناگواری اور رعب و دبدبۂ سلطانی کے تھوڑے سے

مظاہرات کرنے کے بعد دوبارہ وہی مسئلہ پوچھوایا تو جناب نے ارشاد کیا اس مسئلہ کا جواب ایک مرتبہ جو دیا جا چکا ہے وہی ہے ''حلال محمد حلال الیٰ یوم القیامۃ وحرام محمد حرام الیٰ یوم القیامۃ'' اس میں لطیف پہلو یہ تھا کہ خود آپ کا اسم گرامی بھی سید محمد تھا۔

پھر اب امجد علی شاہ تو آپ کے شرعی ہدایات پر چلنے کا عہد و پیان کر چکے تھے اب اظہار حق میں کون امر مانع ہوسکتا تھا؟ چنانچہ محکمہ شرعیہ قائم ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ ایک تاجر بادشاہ کے لئے کوئی بہت بیش قیمت طلا کار اور جواہر نگار مسند وتکیہ لایا تھا جسے تیرہ لاکھ میں خرید کیا گیا مگر ارکان دولت نے چند لاکھ اسے دے کر باقی قیمت دبالی اور ادا نہ کی۔ اُس نے دفتروں میں بڑی دوا دوش کی مگر اس کی سنی ان سنی کر دی گئی۔ اب جب محکمہ شرعیہ قائم ہو گیا تو اس نے بادشاہ کے خلاف سلطان العلماء کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا آپ نے ضروری ثبوت لینے کے بعد بادشاہ کے خلاف اسے ڈگری دے دی اور بادشاہ کے یہاں سے وہ روپیہ ادا کیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان العلماء کے انصاف وعدالت کی ہر قوم وملت میں دھوم ہوگئی۔

امجد علی شاہ کے بعد واجد علی شاہ تخت حکومت پر آئے۔ ان کے دور میں وہ شرعی نظام تو قائم نہیں رہا جو امجد علی شاہ نے قائم کر دیا تھا مگر سلطان العلماء کے ادب واحترام میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور جناب سلطان العلماء نے اپنی روایتی صاف گوئی اور حق پروری کو برابر قائم رکھا جس کی وجہ سے اب کبھی کبھی تصادم کے امکانات پیدا ہوئے مگر سلطان العلماء نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔

اس کا ایک خاص موقع ہنومان گڈھی کے واقعہ میں آ گیا تھا جب ایک مسجد پر مقامی اکثریت نے قبضہ کر لیا تھا اور امیٹھی کے مولوی امیر علی صاحب تمام آئینی کوششوں کے بعد سر سے کفن باندھ کر مسلمانوں کی ایک پر جوش جماعت کو لیکر اس مسجد کی حفاظت کے لئے چل کھڑے ہوئے حکومت کسی وجہ سے مقامی اکثریت کی ہم نوا بن گئی تھی اور مولوی امیر علی کی حیثیت حکومت کے

باغی کی سمجھی جارہی تھی۔

اس موقع پر یہ تاریخی واقعہ ہے کہ علمائے فرنگی محل تک نے جو مولوی امیر علی صاحب کے ہم مذہب تھے یہ فتویٰ دیا تھا کہ اطاعت اولی الامر واجب ہے اور مولوی امیر علی کو حکومت کی مخالفت نہ کرنا چاہئے مگر سلطان العلماء نے شیعہ عالم ہوتے ہوئے شیعہ حکومت کا ساتھ نہیں دیا اور بادشاہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امیر علی صاحب کے خلاف فتویٰ صادر نہیں فرمایا اور صاف کہہ دیا کہ ان کے خلاف کوئی اقدام حرام اور ناجائز ہے اگر چہ سلطنت نے اس فتوے پر عمل نہیں کیا مگر وہ انتہائی ناگواری کے باوجود سلطان العلماء کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاسکی اس علمی جاہ وجلال کو دیکھتے ہوئے جناب مفتی صاحب نے فرمایا

رہبر دین علی بودست و ہمنام نبی

ہیبتے از رعب او در قلب کافر داشتند

لطائف وظرائف

جناب سلطان العلماء کے رعب وداب اور جلالت وسطوت کی بنا پر تصور ہوتا ہوگا کہ آپ تنک مزاج اور پر خشونت انداز رکھتے ہوں گے مگر یہ حیرت ناک بات ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ آپ بڑے کشادہ رو اور خوش مزاج، لطیف الطبع اور حاضر جواب تھے اور اس خوش طبعی کے ساتھ ذہانت کی کار فرمائی نے آپ کے سوانح نگار کے لئے لطائف کا ایک ذخیرہ باقی رکھا ہے جس کا سینہ بسینہ اب تک تذکرہ چلا آتا ہے ان میں سے چند بطور مثال ذیل میں درج ہیں

۱۔ آپ کے بے تکلف احباب میں ایک سنی عالم مولوی امر اللہ صاحب تھے ایک روز چند ایسے ہی رفقاء کا اجتماع تھا جناب سلطان العلماء نے امر اللہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کے لئے ہم نے مہر کے لئے ایک نقش تجویز کیا ہے وہ بڑے اشتیاق سے متوجہ ہوئے حاضرین بھی گوش بر آواز ہو گئے آپ نے فرمایا۔ آپ کے نقش خاتم میں یہ آیت قرآن بہت مناسب ہوگی "وَكَانَ أَمْرُ

اللہِ مَفۡعُوۡلاً"۔ حاضرین سب ہنسنے لگے مولوی صاحب بھی چارنا چار ہنس پڑے۔

۲۔نصیر آباد میں جو آپکا آبائی وطن تھا محلہ قضیانہ کی طرف سے تعزیہ لے جاتے تھے۔ یہ راستہ قریب کا تھا مگر اس طرف اہلسنت کی آبادی تھی۔ایک سال فرقہ واریت نے ذرا شدت اختیار کی اور اہلسنت کے کچھ ممتاز افراد نے جناب سلطان العلماء کے پاس آکر عرض کیا کہ آپ شیعیان نصیر آباد کو ہدایت فرمائیں کہ وہ تعزیے اس راستے سے نہ لے جائیں۔دوسرے راستے سے لیجائیں آپ حکم دیدیں تو سب تعمیل کریں گے آپ نے فرمایا میں لکھنؤ میں۔ یہ معاملہ نصیر آباد کا میں دخل دے کر کیا کروں۔ پھر آپ اپنے نقطہ نظر سے دیکھئے تو بدعت کا تھوڑی دیر کا ہونا اچھا یا زیادہ دیر تک جب راستہ دور کا ہوگا تو بدعت دیر تک ہوگی۔اس لئے آپ کو بھی راستے کے بدلنے پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔

۳۔غدر میں چونکہ برجیس قدر کی تاجپوشی آپ کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لئے انگریزوں کے یہاں آپ کا نام باغیوں کی فہرست میں درج ہوگیا تھا غدر کے بعد جب انگریزی تسلط ہوا تو آپ سے بدگمانی انگریزوں کی عرصہ تک قائم رہی۔اس زمانے کے انگریز جو یہاں آتے تھے وہ مسلمانوں کے مذہب، معاشرت اور فرقوں کے خصوصیات سے خوب واقف ہوتے تھے ایک دن کسی انگریز حاکم نے ایک مجمع میں سلطان العلماء سے کہا کہ جب آپ کے امام ظہور کریں گے تو پھر آپ ہم لوگوں سے خوب جہاد کریں گے اور ہمیں ماریں گے۔آپ نے مسکرا کر فرمادیا کہ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ مسیح بھی ہونگے جو ان کی ہدایت ہوگی اس پر عمل کریں گے وہ انگریز خاموش ہوگیا اس شگفتہ مزاجی کو یاد کر کے جناب مفتی صاحب نے خوب فرمایا ہے:

حسن خلق و خوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ بر لب داشتند و دیدہء تر داشتند

تصانیف

آج ہی کل نہیں بلکہ ماضی قریب کے بہت سے علماء کو دیکھا جائے تو انہوں نے کوئی ایک مشغلہ خدمت دین کی حیثیت سے اختیار کرلیا خواہ وہ بیان منبر ہو یا کسی ادارہ کا انتظام ہو تو وہی تصنیف وتالیف سے ان کی معذوری کے لئے کافی ہوگیا یا اگر پریشان حالی میں زندگی بسر ہوئی تو ''فکرنان'' ہی عذر قوی بن گئی مگر ذرا سلطان العلماء کے ایک پوری حکومت کے نظام کی سربراہی کو دیکھئے جسے ''فکر نانے'' نہیں ''فکر جہانے'' کی حیثیت حاصل تھی اور اس کے بعد ان کے تصانیف پر نظر ڈالئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان تمام مشاغل وشواغل کے باوجود ان کے تصانیف تعداد میں اپنے پیشرو حضرت غفرانمآب طاب ثراہ اور اپنے چھوٹے بھائی جناب سید العلماء کے برابر ہی نظر آتے ہیں پھر یہ تعداد مختصر رسالوں ہی کے ناموں سے پوری نہیں ہوتی ہے بلکہ ان میں ضربت حیدریہ کی دو جلدیں بھی ہیں جو مجموعاً ایک ہزار صفحات کے قریب ہیں اور متعدد کتابیں کئی کئی سو صفحات کی ہیں۔ ان تصانیف میں علاوہ تحقیق وتدقیق کے جس میں صرف ذہنی جودت کی ضرورت ہے۔ تفحص اور جستجو کے ایسے آثار بھی ہیں جن کے لئے کثرت مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے ساتھ خود انکی انفرادیت اس خوش طبعی کی آمیزش سے ہے جس کا ان کے لطائف کے باب میں تذکرہ ہو چکا ہے۔

ذیل میں کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے:

(۱) طَعْنُ الرِّمَاح (۲) مِنْهَاجُ التَّدْقِيْقِ (عربی) (۳) سَيْفٌ مَاسِحٌ مَسَحَ عَلَى الرِّجْلَيْنِ کی بحث میں (۴) اَصْلُ الْاُصُوْلِ رَدُّ اَخْبَارِيِّيْنَ (۵) سَبْعُ مَثَانِي (۶) عُجَالَةٌ نَافِعَةٌ عربی مختصر علم کلام (۷) بارقۂ ضیغمیہ رد تحفہ در بحث متعہ (۸) ضربت حیدریہ دو جلدیں۔ یہ بھی مبحث متعہ میں ہے بارقۂ ضیغمیہ کے جواب میں مولوی رشید الدین دہلوی شاگرد صاحب تحفہ نے ''شوکت عمریہ'' لکھی ہے اس کا جواب آپ نے ضربت حیدریہ کے نام سے تحریر فرمایا جو بڑی مہتم بالشان تصنیف ہے حالانکہ دیباچہ میں ایک شاگرد کا نام لکھ دیا ہے مگر یہ امر معلوم

ومتیقن ہے کہ کتاب تصنیف جناب سلطان العلماء ہی کی ہے جس کی تصدیق طباعت کے وقت اس دور کے تمام بزرگ مرتبہ علمائے خاندان نے فرمائی ہے (۹) بَوَارِقُ مُوْبِقَةٌ ردتحفۂ اثنا عشریہ بحث امامت (۱۰) اِحْیَاءُ الْاِجْتِهَادِ (اصول فقہ) (۱۱) رسالۂ مسئلہ ضیق و وسعت در قضا (۱۲) فوائد نصیریہ در مسائل زکوٰۃ وخمس (۱۳) رسالۂ جمعہ (۱۴) رسالۂ تحقیق نجاست عرق جنب لجرام (۱۵) گوہر شاہوار در جواب سوالات نصیر الدین حیدر بادشاہ متعلق افضلیت اہلبیت وقرآن (۱۶) بَشَارَاتٌ مُحَمَّدِيَّةٌ (۱۷) قِتَالُ النَّوَاصِبِ (۱۸) حاشیۂ شرح سلم حمد اللہ (۱۹) رسالۂ حل مسئلہ جذر اصم (۲۰) ثَمَرَةُ الْخِلَافَةِ (۲۱) اِزَاحَةُ الْغَيِّ دررد عبد الحی (۲۲) سُمُّ الْفَأْرِ (۲۳) صمصام قاطع، اس میں شعائر عزا پر استدلالی بحث ہے (۲۴) بَرْقٌ خَاطِفٌ (۲۵) کتاب مبسوط دررد تحفۂ بحث امامت (۲۶) حَاشِيَةُ شَرْحِ صَغِيْرٍ فقہ (۲۷) شَرْحُ زُبْدَةِ الْاُصُوْلِ (۲۸) كَشْفُ الْغِطَاءِ (۲۹) اجازۂ جناب ممتاز العلماءؒ (۳۰) رسالہ در اثبات حفاظ قرآن درفرقہ شیعہ (۳۱) اجازۂ جناب عمدۃ العلماءؒ

تلامذہ

باوجودیکہ تربیت وتعلیم طلاب اور یوں سمجھنا چاہئے کہ مستقبل کے افراد کی تعمیر کا کام جناب سید العلماء اعلی اللہ مقامہ کے ذمہ رکھ دیا گیا تھا اور ان کے بعد عملی طور پر ان کے خلف الصدق جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب قبلہ نے اس ادارہ کو سنبھالا پھر بھی کچھ حضرات نے جناب سلطان العلماء سے استفادہ علمی کے لئے بھی کچھ وقت حاصل کر لیا چنانچہ آپ کے حالات میں ان کے تلامذہ کے نام ملتے ہیں۔

(۱) مولوی سید محمد صاحب جنہیں پھر ہوگلی میں امام جمعہ و جماعت کے منصب پر بھیجدیا گیا تھا (۲) مولوی سید سرفراز حسین صاحب (۳) قاضی سید محمد رضا عرف آغا سید صاحب جائسی (۴) حافظ قاری سید جعفر علی صاحب جارچوی (۵) مرزا محمد صاحب فیض آبادی (۶) مولوی

مشرف علی صاحب (۷) سید باقر شاہ بخاری (۸) مولوی سید دیدار جہاں صاحب متوطن بڑا گاؤں ضلع فیض آباد جو مولانا سید عالم حسین صاحب مرحوم مدرس جامعۂ سلطانیہ کے نانا تھے (۹) مولانا سید علی حسن صاحب جائسی جو خطیب آل محمد مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم کے نانا تھے (۱۰) مفتی نواب میرزا صاحب (۱۱) مولانا سید علی صاحب محدث مصنف مجالس علویہ۔

ان تلامذہ کے علاوہ آپ کے صاحبزدگان بھی آپ کے علوم کے وارث تھے جن میں سب سے بلند ہستی جناب خلاصۃ العلماء سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ کی تھی نیز ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو آپ کے جانشین بھی ہوئے ۔ان حضرات کا مرکز استفادہ ان کے والد بزرگوار جناب سلطان العلماء ہی کی ذات تھی۔

وفات

شب جمعہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو لکھنؤ میں ۸۵ سال کی عمر میں یہ آفتاب علم ودین غروب ہوگیا۔

آپ کا زمانہ ہندوستان میں شیعیت کے عروج وسربلندی علمائے دین کے وقار عظمت کے ارتقاء اورخاندان اجتہاد کی سربلندی کے کمال شباب اور پھر ابتدائے زوال کا دور تھا۔

آپ نے اپنی آنکھوں سے وہ دن بھی دیکھا جس کے آفتاب نیمروز وہ خود تھے اور خود اپنے مغرب قبر میں نہاں ہونے کے پہلے ہی اس شام کا دھندلکا بھی دیکھ لیا جو آپ کے بعد رفتہ رفتہ بڑھتا گیا اور جواب ایک رات کی صورت میں محیط ہو گیا ہے۔

جناب مفتی میر عباس صاحب قبلہ نے جو قطعہ تاریخ اس سلسلہ میں نظم کیا تھا اس کے بعض اشعار جستہ جستہ متعدد مقامات پر آتے رہے ہیں اس قطعہ تاریخ میں جہاں سے وفات کا ذکر شروع ہوتا ہے اور پھر مادۂ تاریخ ہے وہ اشعار درج ذیل ہیں:

حیرتم از حال مرگ سید رضواں مآبؒ

گویا شوق لقائے دوست در سر داشتند
با تشنج در نماز آخر روز وفات
رفع ید در گفتن اللہ اکبر داشتند
ساعت دہ از شب بست و دوم ماہ ربیع
رخت بر بستند و عزم بزم داور داشتند
آہ یا ویلاہ ما ادراک ما یوم الخمیس
کاندریں کنج لحد از خاک بستر داشتند
حلہ ہائے نو بنو پوشند در خلد بریں
در جہاں گر چہ لباس کہنہ در برداشتند
سال تاریخ وفاتش را چہ می پرسی زمن
آسمانے بود وائے از زمیں برداختند

اولاد واخلاف

آپ کو عمر کے تناسب ہی سے قدرت کی جانب سے نعمت اولاد فراواں عطا ہوئی تھی جن میں سب صاحبان علم تھے اور متعدد افراد کمال و اجتہاد کی منزل پر فائز تھے (۱) فرزند اکبر جناب منصف الدولہ شریف الملک سید محمد باقر

صاحب مصنف تشیید المبانی (۲) جناب سید صادق صاحب مصنف تائید المسلمین وغیرہ (۳) خلاصۃ العلماء جناب سید مرتضیٰ صاحب اعلی اللہ مقامہ جو یگانہ روزگار فلسفی و معقولی تھے اور جناب فردوس مآب مولانا سید حامد حسین صاحب مصنف عبقات الانوار کے استاد تھے اور پھر فن سپہ گری میں اس دور کے مانے ہوئے استاد تھے (۴) سید عبداللہ صاحب مصنف خلاصۃ الاعمال وغیرہ

ان تمام حضرات کا انتقال جناب سلطان العلماء کی حیات میں ہوا

(۵) ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب جو اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کے جانشین قرار دئے گئے (۱۶) سید غلام حسین صاحب (۱۷) تاج العلماء سید علی محمد صاحب جامع علوم یگانہ روزگار عالم اور کثیر التصانیف۔ آپ کے تذکرہ کے لئے مستقل طور پر ایک کتاب کی ضرورت ہے (۱۸) سید محمد علی صاحب جو جناب خلاصۃ العلماء کے بعد فن سپہگری میں استاد ہوئے۔ (۱۹) جناب ڈپٹی سید علی اکبر صاحب مصنف تصانیف کثیرہ وغیرہ۔

۞۞۞

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ حجۃ الاسلام والمسلمین

آقائی حضرت سید محمد

سلطان العلماء، رضوان مآب مجتہد اعظم طاب ثراہ

علامہ سید محمد رضی صاحب قبلہ کراچی پاکستان

تاریخ ولادت ۱۱۹۹ھ ۱۷ر صفر مطابق ۱۷۸۴ء انیس برس کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہو گئے بے انتہا ذہین تھے۔ حضرت سید دلدار علی غفرانمآبؒ کے بڑے فرزند تھے اور جناب ممدوح نے کم سنی ہی میں اجازۂ اجتہاد عطا کر دیا تھا۔ علماء و مجتہدین عراق و ایران نے آپ کی علمی عظمت کا کھلے لفظوں میں اقرار کیا تھا۔ نجف اشرف (عراق) کے مشہور ترین مرجع تقلید آیۃ اللہ العظمیٰ آقائی الشیخ محمد حسن نجفی متوفی ۱۲۶۲ھ نے بھی اپنے بعض خطوط میں سرکار سلطان العلماءؒ کے کمال علمی کا اعتراف کیا تھا۔

علامہ نجفی مرحوم کی عظیم الشان کتاب جواہر الکلام فی شرح شرائع الاسلام پچاس مجلدات سے زیادہ جلدوں میں ہے اور دنیائے اجتہاد میں بڑی معروف و مشہور اور مرجع علماء و مجتہدین ہے شیخ الفقہاء علامہ نجفیؒ نے اپنے اس مکتوب میں جو انہوں نے سرکار سلطان العلماءؒ کے چھوٹے بھائی سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء حضرت سید حسین مجتہد اعظم طاب ثراہ کو لکھا تھا اور اس میں بعض مسائل فقہ کی تشریح ان جناب سے چاہی تھی۔ اس خط میں شیخ ممدوح علیہ الرحمۃ نے حضرت سلطان العلماء کے علمی بلند مقام کا بڑے شاندار لفظوں میں ذکر کیا تھا۔

(تاریخ سلطان العلماءؒ از مولانا آغا مہدی مرحوم ص/۲۶)

جناب مرحوم علمی کمالات کے باوجود شہ سواری اور شمشیر زنی میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔

منبر پر ذکر مصائب وفضائل حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی ابتداء سلطنت اودھ میں آپ ہی سے ہوئی تھی۔

یہ زمانہ وہ تھا جب ثریا جاہ مصلح الدین امجد علی شاہ کا دور سلطنت تھا یہ سلطنت اودھ کے چوتھے بادشاہ اور نہایت متشرع، عبادت گذار اور دین دار تھے اس کے ساتھ ہی مسائل شرعیہ سے بہت واقفیت رکھتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ سلطنت کا اصلی وارث مجتہد جامع الشرائط ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ امام زمانہؑ کا نائب ہوتا ہے جو ہمارے حقیقی سلطان اور حاکم اور صاحب امر ہیں۔

اس لئے امجد علی شاہ کے زمانے میں پوری حکومت وسلطنت حقیقت میں سرکار سلطان العلماءؒ ہی کی تھی اور بادشاہ ان کے نائب کی حیثیت رکھتے تھے پورے ملک میں سرکار سلطان العلماءؒ کے حکم سے شریعت کے احکام نافذ تھے اور تمام ادارات سلطنت شریعت حقہ کے مطابق کام کرتے تھے۔ سرکار مرحوم کی وفات ۲۲/ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵/جولائی ۱۸۶۷ء میں ہوئی اور اپنے والد ماجد کی بنا کردہ امام بارگاہ (حسینیہ غفرانمآبؒ) میں سپرد خاک کئے گئے۔ سرکار سلطان العلماءؒ کے آثار باقیہ میں ان کی لائق اولاد اور ذریت شہرہ آفاق اور عالم باعمل تلامذہ اور بہ کثرت بے بہا علمی تصانیف ہیں۔

❁❁❁

سلطان العلماء سمیٔ ختم رسل قبلۂ ملک آداب

فاضل نبیل جناب چودھری سبط محمد نقوی صاحب

شمالی ہند میں تشیع کا احیاء غفراں مآب مولوی دلدار علی صاحب کا تاریخی کارنامہ ہے جو آپ نے نواب آصف الدولہ اور ان کے نائب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں کی توجہ سے انجام دیا لیکن آپ کے فرزند اکبر اور جانشین مولوی سید محمد کو حالات نے زیادہ عہد آفریں شخصیت ثابت کیا۔ آپ علمی دنیا میں سلطان العلماء کے شاہی خطاب سے مشہور ہوئے۔ دربار میں بہ اتباع شاہی قبلہ وکعبہ اور گھر میں بڑے آپ کہے جاتے تھے۔ (تاریخ سلطان العلماء ص ۱۱)

عہد امجد علی شاہ اور بعد کی تاریخ میں مجتہد العصر اور بعد وفات رضواں مآب کے لقب سے یاد کئے گئے۔

ولادت

مولوی سید دلدار علی نے اپنے سب سے بڑے فرزند کی ولادت سے قبل (جو ۱۷؍صفر ۱۱۹۹ھ و اوائل ۱۷۸۴ء کو واقع ہوئی)۔ خواب میں دیکھا کہ ''حضرت حجتؑ (بارہویں امام) عجل اللہ ظہورہ فرماتے ہیں کہ اس مولود کی تربیت مجھ سے متعلق ہے۔'' اسی بناء پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے فخر حاصل ہے اور میں بجا طور پر کہتا ہوں کہ امام منتظرؑ میری پرورش کے کفیل ہوئے ہیں۔''

(تاریخ سلطان العلماء ص ۲)

تعلیم وتربیت

مصنف تاریخ سلطان العلماء کا فرمانا ہے کہ ایسے علماء کم ہوں گے جنہوں نے صرف اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کی ہو۔

(تاریخ سلطان العلماء ۱۷)

جناب مصنف کی حیثیت خاندان اجتہاد میں ''اہلبیت'' کی ہے اور یقیناً گھر کے حالات سے بہتر واقف ہوں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ خاندان فرنگی محل میں اسی حیثیت کے مالک مصنف بانئ درس نظامی کا فرمانا ہے کہ...... مولانا سید دلدار علی نصیر آبادی کے فرزند مولانا سید محمد مجتہد نے مولانا حیدر علی سندیلوی سے پڑھا تھا'' (بانئ درس نظامی ص ۱۲۹)

ان متضاد بیانات پر محاکمہ فی الوقت میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جناب نے تحصیل علم میں ایسی جانفشانی کا مظاہرہ کیا کہ ۱۹ سال کی عمر میں تکمیل تحصیل ہوگئی اور مجسمہ علم وکمال باپ نے اس لایق پایا کہ اجازۂ اجتہاد عطا کریں۔

والد کے شریک کار

اجازۂ اجتہاد سے مزین ہونے کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد کی ذمہ داریوں میں ان کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور یہ چھوٹے بھائیوں کی تعلیم وتربیت میں آپ کا اشتغال تھا۔ اگر چہ اپنے پانچوں فرزندوں کی تعلیم کی اساس خود غفرانمآبؒ قائم کر چکے تھے مگر چار بھائیوں کی تکمیل سلطان العلماء کی مجلس درس میں ہوئی۔ چنانچہ خود حضرت سید العلماء اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں...... ہم نے اور ان کی سب اولاد نے سلطان العلماء ہی کے انوار علوم سے فائدے اٹھائے (تاریخ سلطان العلماء ص ۲۷) سید العلماء مولانا سید حسین، آپ کے سب سے چھوٹے بھائی تھے جو آپ کے برابر کے شریک کار و معاون رہے۔ مولانا آغا مہدی صاحب مصنف تاریخ سلطان العلماء جو سید العلماء کی چوتھی پشت میں ایک ذی علم اور بالغ نظر مصنف ہیں۔ سلطان العلماء کو اعلم سمجھتے ہیں اسی نقطۂ نظر کی وکالت موصوف نے اپنی تصنیف تاریخ سلطان العلماء میں فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو سلطان العلماء کی اعلمیت ص ۲۳ مگر مفتی میر عباس شوشتریؒ جو سید العلماء کے جید تلامذہ میں ہیں اور جنہیں اس دودما ن ہدایت نشان سے بڑی قربت، حالات کی گہری واقفیت اور خود سلطان العلماء سے زبردست

عقیدت تھی۔ سیدالعلماء کی مدح میں کہتے ہیں۔ ؎

امامیکہ در کشور اجتہاد

چو اومادر دہر ہر گز نہ زاد

اور یہ بہت بڑی اور معاصر شہادت ہے۔ خاندان اجتہاد کے موجودہ سربراہ جو سلطان العلماء کے سنجھلے (چوتھے) بھائی سید مہدیؒ کی نسل میں ہیں یعنی مولانا الحاج سید کلب عابد صاحب، آپ نے بھی ایک گفتگو میں یہی بتایا کہ اعلمیت وافقہیت جناب سیدالعلماء کے لئے تھی۔ یہی اعلم زمانہ سلطان العلماء سے اپنے استفادہ کا ذکر فرماتے ہیں:۔

''میں نے اپنی تعلیم کی ابتداء اور انتہا دونوں میں، اپنے والد ماجد غفراں مآب کی خدمت میں پڑھا لیکن وہ جناب میرے دوران تعلیم علیل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے میرا درس......اخی معظم مجد اوحد جناب سید محمد...... کے حوالے کر دیا لہٰذا میں طویل مدت تک ان جناب کی خدمت میں علوم عربیہ میں معانی و بیان، بعض علوم حکمیہ وفنون رسمیہ اور بعض علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول رہا...... جب علامہ آفاق والد ماجد کو مرض سے افاقہ ہوا تو پھر میرا درس ان کے یہاں ہونے لگا۔

(مضمون نوشتہ راقم ماہنامہ الواعظ اگست ۱۹۷۴ء ص ۱۸)

دربار اودھ سے روابط

آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کا زمانہ غفراں مآب کے سامنے گذرا اور قدر دانی کے ساتھ۔ غازی الدین حیدر شاہ کے عہد سلطنت میں ۱۲۳۵ھ میں غفراں مآب نے رحلت فرمائی اسی دور سے زیر سطح بے چینی کا آغاز ہوا۔ ہندوستان میں صوبہ اودھ کی حیثیت جب تک خود مختار نہ تھی۔ فرماں روایان اودھ کے تصرفات صحیح تھے۔

جس وقت نوابی کا اختتام اور سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی تو اس اقدام کے جواز کے سامنے سوالیہ نشان لگ گیا۔ پھر بھی غفراں مآب کا عہد بخیر وبخوبی گزرا۔ غازی الدین حیدر سے مولانا سید محمد کا

تعلق بس واجبی سارہالیکن نصیرالدین حیدر شاہ کا دور آتے ہی کش مکش شروع ہوگئی۔ یہ روداد آپ خاندان اجتہاد کے ایک اور اہل قلم سید محمد باقر شمس لکھنوی کے قلم سے دیکھیں:۔

''غازی الدین حیدر کے بعد نصیرالدین حیدر تخت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان العلماء کی بڑی آؤ بھگت کی، ولیعہدی کے زمانے میں اپنی طرف مائل سمجھ کے۔ مگر تخت پر بیٹھتے ہی ان سے ٹکر ہوگئی۔ ایک عورت سے (جسے اس کا شوہر چھوڑ چکا تھا، مگر شرعی طور پر طلاق نہیں ہوا تھا) نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا انہوں نے صاف کہہ دیا کہ شوہر اول سے افتراق شرعی طورر پر ثابت نہیں، اس لئے میں نکاح نہیں پڑھوں گا بادشاہ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوگیا اور آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد شراب کے جواز کا فتویٰ اس صورت سے چاہا کہ طبیب حاذق نے بادشاہ کی زندگی کا انحصار شراب میں تجویز کیا ہے۔ اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے۔ تمام علمائے اسلام نے جواز کا فتویٰ دیا۔ سلطان العلماء جانتے تھے کہ اس بہانے شراب نوشی مقصود ہے جس طرح جان بوجھ کر طبیب حاذق کی غلط تجویز ہے اسی طرح مفتی کا فتویٰ غلط ہوگا۔ حقیقت تو یہی تھی مگر صورت مسئلہ میں طبیب حاذق کی رائے سے مخالفت مفتی کیلئے بے معنی ہے اس لئے انہوں نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لیا اور لکھ دیا "لا شفاء فی الحرام" (حرام چیزوں میں شفا نہیں) ان سے پہلے کسی نے اس محل پر اس حدیث کو پیش نہیں کیا تھا۔ نصیرالدین حیدر کی تندمزاجی مشہور ہے یہ دوسری جھڑپ تھی۔ اب رعب شاہی سے کام لینا چاہا اور ایک مسئلہ پوچھنے کے بہانے سے سلطان العلماء کو بلوایا۔ ایک کرسی پر خود بیٹھے اور ایک کرسی سامنے رکھوا کر اس پر قلمدان رکھ دیا اور ارادہ کیا کہ جب سلطان العلماء آئیں گے تو تعظیم نہ کروں گا۔ سلطان العلماء نے دروزاہ کے پاس پہونچتے ہی عربی قاعدے کے موافق بلند آواز سے یا اللہ کہا اور اندر داخل ہوگئے۔ بے اختیار بادشاہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور وہ قلمدان اٹھا کے بیٹھ گئے۔ بادشاہ دیر تک سناٹے میں رہے اور آخر میں ایک مسئلہ یوں ہی پوچھ کر رخصت کردیا۔

جب مصاحبین خاص نے پوچھا تو کہا جب وہ کمرے میں آئے معلوم ہوا کسی نے بغلوں میں ہاتھ دیکر کھڑا کردیا۔ مفتی میر عباس صاحب نے اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے چہرے میں تنہا وہ رعب وجلال تھا جو بادشاہوں کولشکروں کے ساتھ نصیب نہ تھا۔

اس واقعہ سے سلطان العلماء سمجھ گئے کہ بادشاہ کومخالفت پیدا ہوگئی ہے اور وہ توہین پر آمادہ ہیں۔ دوسری دفعہ جب بلائے گئے تو جانے سے انکار کردیا۔ نصیر الدین حیدر اس کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ آگ بگولہ ہوگئے حکم دیا کہ مکان توپ سے اڑا دیا جائے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی رات کو یہ حکم ہوا تھا کہ بجلی کی طرح سارے شہر میں خبر دوڑ گئی۔ امرائے دربار دوڑے آئے کہ سلطان العلماء معافی مانگ لیں۔ انہوں نے صاف انکار کردیا۔ رات لوگوں نے آنکھوں میں کاٹی، صبح ہوئی، شاہی فوج کے کپتان نواب مقبول الدولہ نے توپ خانے سے دو توپیں نکلوائیں۔ ایک سلطان العلماء کے مکان پر چڑھ گئی دوسری محلسرائے شاہی پر۔ صبح کو بادشاہ کی آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ شاہی محل پر توپ چڑھ گئی۔ حواس جاتے رہے پوچھا یہ توپ کیوں اور کس نے چڑھائی ہے؟ معلوم ہوا کہ شاہی فوج کے کپتان نے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری غیرت قبول نہیں کرتی کہ بادشاہ دین کا مکان توپ سے اڑا دوں اور بادشاہ دنیا کا محل کھڑا رہے۔ اس لئے میں اپنی دین و دنیا دونوں آج ختم کئے دیتا ہوں۔ احساس مذہبی نے بادشاہ کو چونکا دیا اور شرمندہ ہو کر اپنا حکم منسوخ کیا۔ کپتان کو ان کے جوش ایمانی پر گراں بہا خلعت عنایت کیا مگر سلطان العلماء سے زندگی بھر صفائی نہ رہی اگر چہ مذہبی امور کی انجام دہی انہیں کے ہاتھوں ہوتی رہی۔ (شیعیت کی تاریخ ۹ ۳-۷ ۳)

محمد علی شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد حالات میں ہمواری پیدا ہوئی۔ محمد علی شاہ کا رجحان مزاج مذہب کی طرف تھا۔ اب امور خیر وخیرات کی طرف توجہ ہونے لگی اور احکام شرع کو گوش ہوش سے سنا جانے لگا۔ شمس صاحب اسی سلسلۂ بیان میں رقمطراز ہیں:۔

''انہوں نے جامع مسجد بنوائی اور سلطان العلماء سے نماز پڑھانے کی استدعا کی، انہوں نے کہا

اس میں کچھ زمین نعیم خاں کی شامل ہوگئی ہے۔اس لئے میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ یہ بادشاہ نہایت متدین اور بیدار مغز تھے انہوں نے سلطان العلماء ہی کے سپرد اس کی تحقیقات کی اور کہا کہ شرعی حیثیت سے جواز کی صورت آپ نکال دیں انہوں نے نعیم خاں کو بلوا کے معاوضہ پر راضی کیا اور بادشاہ سے معاوضہ دلوا کے نماز پڑھائی۔'' (شیعیت کی تاریخ ۴۰)

یہ دور بادشاہ دنیا اور نائب امام کے تعاون اور ہم آہنگی سے گذرا۔ امجد علی شاہ نے تخت نشین ہو کے سلطنت کے جواز کو شک و شبہ سے بالاتر قرار دینے کے لئے یہ حل تجویز کیا کہ تخت سلطنت سلطان العلماء کو سونپ دیا جائے مگر قبلہ و کعبہ نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے تاج کو اپنے ہاتھ سے انکے سر پر رکھا اور عہد و پیمان لیا کہ حکومت فقہ جعفری کے نظام الٰہی پر ہو۔''

(تاریخ سلطان العلماء ۴۴)

بادشاہ نے ممکن حد تک عہد پورا کیا اور نظم و نسق کا رخ حکومت الٰہیہ کی طرف حتی الامکان ہوا۔ اس کی تفصیل بڑی حد تک آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے۔ یہ واقعہ خود شاہد عادل ہے کہ سلطنت کن حالات میں سلطان العلماء کی طرف بڑھی۔

خطاب

امجد علی شاہ نے قبلہ و کعبہ کے لئے حسب ذیل خطاب تجویز فرمایا تھا:

''مجمع علوم دین، مرجع سادات و مومنین، حافظ احکام اللہ، مورد اعتقادات امجد علی شاہ، سلطان العلماء مجتہد العصر مولانا سید محمد صاحب''

لیکن خود سلطان العلماء کی تجویز پر مورد اعتقادات کو مورد عنایات سے بدل دیا گیا۔

امجد علی شاہ اور سلطان العلماء کے روابط پر یہاں پھر سے اظہار خیال کی ضرورت نہیں، گذشتہ اوراق میں حسب ضررت بحث ہو چکی ہے۔ اب ہمیں سلطان عالم واجد علی شاہ سے سلطان العلماء کے روابط کو دیکھ لینا چاہئے۔ جناب شمس لکھتے ہیں:۔

''ولی عہد واجد علی شاہ پر ایک زن بازاری نے دعویٰ دائر کیا کہ وہ میری حضانت سے ایک لڑکی کو زبردستی لے گئے۔ مقدمہ کی سماعت ہوئی اور فریقین کے ثبوت و بیان کے بعد فیصلہ ہوا کہ اس کی رقیت شرعی نہج سے ثابت ہوئی لہٰذا ولی عہد بہادر کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ فوراً اس لڑکی کو مدعیہ کے سپرد کر دیں۔ واجد علی شاہ نے فوراً حکم کی تعمیل کی اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی تاریخوں میں موجود ہے کہ واجد علی شاہ نے ولی عہدی کے زمانے میں کسی عورت کو اپنے تاہل میں لانا چاہا جوان پر حرام تھی۔ فتویٰ پوچھا، جواب نفی میں ملا۔ جب بادشاہ ہوئے تو خیال ہوا کہ شاید اب مرعوب ہو جائیں۔ کہلوایا کہ کیا اس حکم پر نظر ثانی کی گنجائش ہے؟ سلطان العلماء نے جواب دیا کہ حلال محمدؐ حلال الیٰ یوم القیامۃ و حرام محمدؐ حرام الیٰ یوم القیامۃ (شیعیت کی تاریخ ص ۵۵) (یعنی حضرت پیغمبر آخر الزماں نے جو چیزیں حرام یا حلال کر دی ہیں، اس میں قیامت تک تبدیلی نہیں ہو سکتی۔) چونکہ سلطان العلماء کا اصلی نام محمد تھا اس لئے الفاظ حدیث بہت پر معنی ہو گئے۔

انتزاع کے بعد

واجد علی شاہ کے عہد میں بھی صورت حال برقرار رہی، بادشاہ کو علماء کرام کے احترام و اکرام کا خود بہت خیال رہتا تھا اور تمام نظم و نسق تقریباً اسی نہج پر رہا جوان کے والد جنت مکان کے عہد میں تھا۔ انتزاع سلطنت کے بعد جب تحریک آزادی کی لہر آئی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان العلماء کو کسی ناگوار صورت حال کا سامنا ہوا۔ مولوی اعجاز حسین صاحب ابن مولوی مفتی محمد قلی صاحب نے لکھنؤ پہونچ کر تمام امور بخیر و بخوبی انجام کو پہونچائے۔ انگریزوں نے بھی قبلہ و کعبہ کی قدردانی سے کام لیا۔ حاضری عدالت اور اسلحہ کے لائسنس سے مستثنیٰ تھے، دربار میں کرسی بھی ملتی تھی، دربار اودھ سے جو معافی و مراعات تھی وہ بھی بحال کی گئی (تذکرۂ بے بہا ۸-۷)

علمی خدمات

اگر چہ سلطان العلماء کے اوقات عزیز عدالتی فرائض اور دربار سے متعلق دوسرے امور میں

بہت بڑی حد تک صرف ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے تصانیف وتلامذہ کی بڑی تعداد اپنی یادگار چھوڑی ہے۔ آپ پہلے فردِ تصنیفات ملاحظہ فرمائیں:۔

۱۔ اجازۂ اجتہاد و روایت برائے ممتاز العلماء سید تقی صاحب مطبوعہ ۱۸۴۶ء

۲۔ اجازہ برائے عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب قبلہ

۳۔ احیاء الاجتہاد۔ اصول فقہ

۴۔ ازاحۃ الغی

۵۔ اصل الاصول

۶۔ بارقہ ضیغمیہ

۷۔ کتاب مبسوط

۸۔ بوارق موبقہ

(یہ تینوں کتابیں تحفۂ اثنا عشریہ کے بعض مباحث کے جواب میں ہیں۔)

۹۔ برق خاطف

۱۰۔ بشارت محمدیہ

۱۱۔ ثمرۃ الخلافت

۱۲۔ حفاظ قرآن امامیہ

۱۳۔ حاشیہ حمد اللہ

۱۴۔ رسالہ حل مسئلہ جذر اصم

۱۵۔ حاشیہ شرح صغیر

۱۶۔ رسالہ تحقیق نجاست عرق جنب بحرام

۱۷۔ رسالہ ضیق و وسعت در نماز قضا

۱۸۔رسالۂ جمعہ

۱۹۔سبع مثانی (تجوید میں)

۲۰۔سیف سح

۲۱۔سم الفار

۲۲۔شرح زبدۃ الاصول

۲۳۔صمصام قاطع

۲۴۔ضربت حیدریہ (دو ضخیم مجلدات)

۲۵۔طعن الرماح

۲۶۔عجالہ نافعہ

۲۷۔فوائد نصیریہ

۲۸۔قتال النواصب

۲۹۔گوہر شاہوار

۳۰۔کشف الغطا

۳۱۔لوعلم ابوذر مافی قلب سلیمان

۳۲۔منہاج التدقیق

۳۳۔شرح جعفریہ محقق شیخ علی

۳۴۔تفضیل سادات بر مشائخ

۳۵۔اجازۂ شقشقیہ بحق ملک العلماء بندہ حسین

۳۶۔جوابات،سوالات علی بن شدقم

۳۷۔حاشیہ بر معالم الاصول

۳۸۔جدول ولادت ووفات ائمہ معصومینؑ

۳۹۔احقاق الحق:اسی نام کی ایک مشہور کتاب شہید ثالث نوراللہ شوشتریؒ کی بھی ہے مگر سلطان العلماء نے بھی اس نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

۴۰۔تحریرات سلطان العلماء رام پور کے کتبخانے میں ہیں جن میں تاریخ اودھ اور انتزاع سلطنت پر بحث ہے۔

تلامذہ

یہ ابھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ سلطان العلماء اپنے نامور چھوٹے بھائیوں اور بیٹوں کی تعلیم کے کفیل رہے ہیں۔ان کے علاوہ انہوں نے لاتعداد بچوں کی بسم اللہ بھی کرائی ہے۔ان کے علاوہ جن افراد نے ان کے سامنے باقاعدہ زانوئے ادب تہہ کر کے اکتساب علم وکمال کیا ہے ان میں سے جو نام معلوم ہوسکے ہیں وہ پیش کیے جارہے ہیں:۔

۱۔میرزا جعفر علی فصیحؔ (تحقیقی نوادر ص ۲۰۰)

۲۔قاضی آغا سید صاحب جائسی

۳۔میر اولاد حسین صاحب

۴۔قاضی محسن رضا صاحب۔صاحب تذکرۂ بے بہا (ص ۳۴۲) نے ان دونوں حضرات کو ایک ہی شخص قرار دیا ہے صاحب تاریخ سلطان العلماء (ص ۱۵۸) انہیں الگ الگ فرد قرار دیتے ہیں اور آغا سید صاحب جائسی کا اصل نام محمد رضا بتاتے ہیں۔

۵۔مولوی سید شاہ بخاری

۶۔قاری سید جعفر علی جارچوی

۷۔مولوی سید دیدار جہاں محدث۔ان بزرگوار کو صاحب تاریخ سلطان العلماء نے بڑا گاؤں ضلع فیض آباد کا متوطن بتایا ہے۔اور استاذی مولانا خادم حسین صاحب مرحوم کو ان کی اولاد دختری

میں شمار کیا ہے۔

۸۔مفتی سردار مرزا صاحب

۹۔مولوی سید سرفراز حسین صاحب، مرزا غالبؔ اسی مناسبت سے ان بزرگ کو مجتہد العصر اور سلطان العلماء سے بطور مزاح یاد کرتے تھے۔میر مہدی مجروحؔ کے نام کے خطوط میں ان کا ذکر بہت آیا ہے۔

۱۰۔مولوی میر سید علی صاحب محدث

۱۱۔مولانا سید علی حسن صاحب جائسی

۱۲۔مولوی میر برکت علی صاحب

۱۳۔مولانا سید حامد حسین صاحب فردوس مآب ؒ

۱۴۔مولوی مرزا محمد بن علی محمد فیض آبادی

۱۵۔مولوی سید محمد صاحب

۱۶۔مولوی مشرف علی صاحب

۱۷۔مولوی عبد العلی صاحب

۱۸۔مولانا سید ابوالقاسم قمی صاحب

۱۹۔مولانا شاہ سید علی حسن اشرفی احسنؔ جائسی

ازواج و اولاد

مولانا سید محمد کی شادی چودہ سال کی عمر میں اپنی خالہ زاد بہن دختر سید محمد صالح ابن سید ابوالفضل سے ہوئی۔(دوحۂ ہاشمیہ قلمی کتبخانہ لور پور فیض آباد) ان کے علاوہ چھ بیویاں اور ہوئیں اور صاحب تاریخ سلطان العلماء کے بیان سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب امہات اولاد تھیں۔

گیارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں خدا نے دیں۔(تاریخ سلطان العلماء ص ۱۶۹) صاحب تذکرۂ بے

بہا کے بیان کے مطابق ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔منصف الدولہ سید محمد باقر صاحب

۲۔مولوی سید محمد صادق صاحب

۳۔خلاصۃ العلماء سید محمد مرتضیٰ صاحب

۴۔مولوی سید عبداللہ صاحب

۵۔ملک العلماء جناب بندہ حسن صاحب

۶۔ڈپٹی مولوی سید علی اکبر صاحب

۷۔تاج العلماء جناب سید علی محمد صاحب

۸۔مولوی غلام حسین صاحب

۹۔مولوی سید محمد علی صاحب

دو حضرات کا نام نظر سے نہیں گزرا۔

صاحبزادیوں کا نام معلوم ہونے کا تو امکان ہی نہیں ہے، وہ کہاں منسوب ہوئیں پیش نظر دو ماخذوں میں اس کا ذکر بھی نہیں ہے۔تاریخ سلطان العلماء سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلطان العلماء کی ایک صاحبزادی، ان کے حقیقی برادرزادے سید ہادی صاحب خلف سید مہدی صاحبؒ سے منسوب تھیں۔سلطان العلماء کی ایک صاحبزادی فاطمہ صغریٰ نصیرآباد بیاہ کر گئیں۔ان کے بطن سے سید عسکری صاحب پیدا ہوئے۔ان کو سید العلماء کی دختر طیبہ بیگم منسوب ہوئیں ان کے انتقال کے بعد دوسری صاحبزادی ام سلمہ کا عقد ہوا۔ان کی نسل بھی باقی ہے۔ (تاریخ سلطان العلماء ص ۱۰۵)

سلطان العلماء کی زندگی کے چند اہم واقعات

سلطان العلماء کو اپنی طویل زندگی میں حکومت شرعیہ کے قیام، رقوم زکوٰۃ و خمس کی مستحقین شرعی میں تقسیم اور اسی طرح کے مسائل کے علاوہ بعض نہایت اہم اور دوررس اثرات کے حامل واقعات کا

سامنا کرنا پڑا جنہوں نے جناب کی عام مقبولیت کو متاثر کیا۔ یہ واقعات ایسے تھے جن میں فقہ جعفری کے عالم اور پیشوا کی حیثیت سے ان کے لئے راہ عمل وہی تھی جو انہوں نے اختیار کی کوئی بدل ممکن نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اس طرح سمجھا نہیں جاسکا جس طرح سمجھا جانا چاہیئے تھا۔

آیئے اب انہیں کسی قدر بسط سے دیکھیں۔

سب سے پہلی منزل تو ہندوستان کے انگریزی عہد میں دارالحرب ہونے کا مسئلہ تھا۔ شاہ عبد العزیز دہلوی اور ان کے پیرو ہندوستان کو اس وقت انگریزی راج میں دارالحرب سمجھتے تھے اس لئے جہاد کا سزاوار جانتے تھے۔ فقہ جعفری میں شرائط جہاد کی شدتیں اور سختیاں اتحاد عمل کی راہ میں سنگ گراں تھیں اور اس نے انفرادی طور پر نہیں جماعتی پیمانے پر بعد پیدا کیا۔

سید احمد شہید تو ان حضرات کے ہم وطن ہی تھے ان کی قربانی نے پورے صوبے کو ہلا کے رکھ دیا مگر وہیں اسی اصول کہ ''غیبت امام میں جہاد نہیں'' کی فقہی پابندی نے شیعہ عناصر کو عملی ہمدردی سے کنارہ کش رہنے پر مجبور کر دیا ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھی اعلانیہ اور اجتماعی اقدام میں بھی یہی رکاوٹ رہی۔

سلطان عالم واجد علی شاہ کے زمانے میں مسجد اجودھیا کی بے حرمتی اور مولوی امیر الدین علی کی عزیمت نے بھی غلط فہمیاں پیدا کیں۔ عملی اقدام کی حمایت یا شرکت نہیں کر سکتے تھے ایک استفتاء کے جواب میں بہت واضح فتویٰ دیا:۔

''اہل اسلام وایمان سے کافروں اور لئیموں کے شر کا دفع کرنا حکام اسلام کا فریضہ ہے۔

(مرزا جان: حدیقۃ الشہداص ۱۴۱)

مگر بدگمانی نے اس سیدھے سادھے بالکل بے لاگ فتوے کے معنی پہنائے کہ اس سے قتل سنیاں مقصود ہے، وہ اس پردے میں موجود ہے۔ اس کا سلطان العلماء کیا علاج کرتے!

اسی زمانے میں کچھ پہلے حضرت ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر شہنشاہ ہند نے سلطان

العلماء کے نام ایک مراسلہ بھیج کر مذہب شیعہ قبول کرنے کی اطلاع اور درگاہ حضرت عباسؑ میں چڑھانے کے لئے علم مبارک بھیجا اس واقعہ کی ضروری تفصیل آپ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے حقائق نگار قلم سے ملاحظہ کریں:۔

''علم کے قضیے کے متعلق خود مرزا حیدر شکوہ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں وہ کلکتے میں مقیم تھے بہادر شاہ ظفرؔ بیمار ہوئے اسی بیماری کی حالت میں انہوں نے ایک خواب میں خود کو حضرت عباسؑ کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا اور ایک خط میں مرزا حیدر شکوہ کو اس خواب کا حال لکھ بھیجا۔ جب بہادر شاہ کو صحت ہوئی تو انہوں نے ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی میرزا انور الدین کے پاس لکھنؤ بھیجا۔ جب حیدر شکوہ کلکتے سے واپس آئے اور بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اس خواب اور علم کا حال زبانی بھی ان سے بیان کیا اور لکھنؤ کے مجتہد سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کے نام ایک خط لکھ کر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت روانہ کیا انہیں کے ہاتھ ایک خط مرزا انور الدین کو بھی بھیجا جس میں ان کو لکھا کہ معلوم نہیں کہ علم حضرت عباسؑ کی درگاہ میں چڑھا دیا گیا یا نہیں، اگر نہ چڑھایا گیا ہو تو جلد چڑھایا جائے۔ قصہ مختصر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت بہادر شاہ کا خط وصول ہونے کے بعد مجتہد العصر نے ۶ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ کو وہ علم شاہی انتظام اور شاہانہ جلوس کے ساتھ حضرت عباس کی درگاہ میں چڑھا دیا۔ یہ خبر کچھ جھوٹے سچے حاشیوں کے ساتھ دہلی پہونچی اور وہاں کے علماء و مشائخ نے بہادر شاہ کو دھمکی دی کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جمعہ اور عیدین کے نماز کے خطبے سے ان کا نام نکال دیا جائے گا اس خوف سے بہادر شاہ مکر گئے اور یہ ظاہر کیا کہ مرزا حیدر شکوہ اور مرزا انور الدین نے ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی صحت کے لئے اپنے مذہب کے موافق علم چڑھانے کی نذر مانی تھی جس کو انہوں نے اپنے طور پر پورا کیا۔

علم کے قضیے نے بہت طول کھینچا اور اس کے بارے میں بہت خط و کتابت ہوئی اس سلسلے کی تمام اہم تحریریں مرزا حیدر شکوہ نے ایک رسالے میں جمع کر دی ہیں۔ اسی رسالے میں انہوں نے یہ

دعویٰ بھی کیا ہے کہ امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کل مغل بادشاہ مذہباً شیعہ تھے اور اس دعویٰ کے کچھ ثبوت بھی پیش کئے ہیں یہ رسالہ ۱۲۷۰ھ میں علم حیدری درعقائد سلاطین تیموری کے نام سے لکھنؤ میں چھپا تھا۔'' (نگارشات ادیب ص ۷-۱۹۶)

اس شہرت کے تدارک کے لئے وزیر اعظم حکیم احسان اللہ خاں نے ایک مثنوی مرزا غالبؔ سے کہلوائی۔ اس کا جواب مرزا احید رشکوہ کے علاوہ میر دوست علی خلیلؔ شاگرد خواجہ آتشؔ نے لکھنؤ سے دیا۔ دہلی میں یہ خیال کیا گیا کہ خلیل کی کوشش میں مفتی علامہ میر عباس شوستری کی مدد شامل ہے۔ اس لئے مولوی امام بخش صہبائی نے جواب کی فکر کی اور اس میں مفتی علامہ پر علانیہ طعن و تشنیع سے کام لیا اب مفتی صاحب نے بھی قلم سنبھالا اور ۱۲۷۷ھ میں ان کی مثنوی خطاب فاصل پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ اس طرح مناظرے کے فن کی یکے بعد دیگرے پانچ مثنویاں وجود میں آئیں۔

مرزا غالبؔ کے سلطان العلماء سے بڑے مخلصانہ روابط تھے۔ مرزا اپنے مذہبی تر ددات میں جناب کی ہی طرف رجوع کرتے تھے قبلہ وکعبہ بھی دربار اودھ سے ان کی تواضع میں توجہ فرمایا کرتے تھے۔ اس مثنوی کے بعد بھی، جس میں کافی سخت کلامی سے کام لیا گیا تھا، اگر چہ خواجہ حالیؔ کے بیان کے مطابق قبلہ وکعبہ نے مرزا سے دریافت کیا کہ '' آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا حیدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے۔'' (نگارشات ادیب ص ۱۹۷)

لیکن تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑا اور مرزا کی جناب سے عقیدت اور مرزا پر جناب کی عنایت سابق بدستور رہی۔ غالبؔ ان عنایات کا اعتراف سید یوسف مرزا کے نام کے ایک خط میں یوں کرتے ہیں:۔

''سنو صاحب تم جانتے ہو کہ میں چار پارچے کا خلعت ایک بار اور ملبوس خاص شالی رومال دوشالہ ایک بار پیشگاہ حضرت سلطان عالم سے پاچکا ہوں، مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دوبار کس کے ذریعے سے ملا ہے۔ یعنی جناب قبلہ وکعبہ حضرت مجتہد العصر مدظلہ العالی۔ اب آدمیت اس

کی مقتضی نہیں کہ میں بے ان کے توسط کے مدح گستری کا قصد کروں چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا میرا دستور ہے، کاغذ کو بنوا کر حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا۔ اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ بھیج دیا ہے اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلماء سید نقی صاحب اگر کلکتے پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو......''

(خطوط غالبؔ مرتبہ مہیش پرشاد ص ۳-۱۶۲)

منشی مہیش پرشاد کی تحقیق کے مطابق یہ خط ۵ رنومبر ۱۸۵۹ء یعنی ربیع الثانی ۱۲۷۶ھ کی کسی ابتدائی تاریخ کا ہے گویا تصنیف مثنوی کے چھ سال بعد کا اور ابھی مثنوی کا قضیہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اسی زمانے میں مفتی صاحب جوابی مثنوی کی تصنیف کر رہے تھے اور کلکتہ ہی میں مقیم تھے۔ اس خط سے اس بات کا بھی ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ خاندان سلطان العلماء کے سبھی نمودار بزرگ غالبؔ پر مہربان تھے ورنہ وہ جناب کے برادر زادے زبدۃ العلماء معین المومنین سید نقی صاحبؒ کے بارے میں اطلاع کیوں منگواتے۔ مثنوی کی تصنیف کے بعد غالبؔ کے حال پر سلطان العلماء کا یہ التفات جناب کی معاملہ فہمی ہی نہیں کشادہ قلبی کو بخوبی واضح کرتا ہے۔

ان مسائل میں جو سلطان العلماء کی عام مقبولیت پر اثر انداز ہوئے عزاداری کا مسئلہ بھی تھا۔ حدود شرع میں عزاداری کا فروغ غفرانمآب وآل غفرانمآب کا عمومی کارنامہ ہے۔ سلطان العلماء کی خصوصیت یہ ہے کہ طبقۂ علماء کی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے خود ذاکری کی۔ اس وقت بھی ....مسلمانوں کے ایک چھوٹے مگر با اثر حلقے میں تعزیہ داری بدعت اور اس کے بعض مظاہر شرک کی حد تک شمار کئے جاتے تھے۔ یہ صورت حال بھی منافی قربت تھی۔ یہی سب مسائل تھے جن سے سلطان العلماء کو مدت العمر سابقہ رہا۔ انگریزی مفاد کے ترجمان تاریخ نگاروں نے انہیں نشانۂ ستم اس لئے بنایا تا کہ انگریزوں کی مداخلت کا جواز ثابت کرسکیں۔ اس کے لئے انہیں نظم ونسق کے ہر شعبے کو ہر پہلو سے بدنام اور رسوا کرنا تھا۔ ان تاریخ نگاروں میں کمال الدین حیدر غالباً

ابوطالب اصفہانی کے بعد سب سے اہم شخص ہیں ۔ اس لئے ان کی تحریر میں سلطان العلماء کی سیرت پاک کی نسبت سوءظن کے نہایت ناپاک اشارے پائے جاتے ہیں۔

سلطان العلماء کی خوش طبعی

کے ذکر کے بغیر ان کی شخصیت کا خاکہ مکمل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں تاکہ جناب مفتی صاحب کی اس مدح سرائی کی وضاحت ہو سکے ۔

حسن خلق و خوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ برلب داشتند و دیدۂ تر داشتند

۱۔ رفیق الدولہ نے کسی تقریب عروسی میں قبلہ وکعبہ کے سامنے طلائی اوگالدان بڑھا دیا۔ آپ نے ان کو غور سے دیکھ کر فرمایا ''ہم سونے اور چاندی پر تھوکتے بھی نہیں۔''

صاحب تاریخ سلطان العلماء تبصرہ کرتے ہیں کہ ''امام اہلسنت (علامہ فخر الدین رازی) نے بھی اپنی تفسیر میں سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر حرمت کی صراحت کی ہے۔

(مفاتیح الغیب ص ۵۹۱ مکتبہ ممتاز العلماء لکھنؤ)

۲۔ پالکی پر تشریف لے جارہے تھے، کوئی صاحبزادہ ساتھ تھا، کھلونوں کی دوکان دیکھ کر مچل گیا۔ سواری روک کر آپ نے مٹی کے کھلونے خریدے۔ ایک ملائے مسجد کی نظر پڑ گئی۔ حیرت سے کہا ''آپ اور بت پرستی'' فرمایا کہ ''ہم چاہتے ہیں کہ بچوں کے ہاتھ سے بت شکنی ہو۔''

۳۔ لکھنؤ میں ایک قاری صاحب وارد ہوئے جن کو اپنے فن تجوید وقرأت پر بڑا ناز تھا۔ بار بار کہتے تھے کہ ''جس کا نکاح میں نہ پڑھوں گا وہ صحیح نہ ہوگا'' کسی صحبت میں قبلہ وکعبہ سے ملاقات ہوگئی ۔ جناب نے پوچھا کہ ''قاری صاحب آپ کی والدہ کا نکاح کس نے پڑھا تھا'' اس کے جواب میں قاری صاحب نے مستقل خاموشی اختیار کر لی۔

۴۔نواب فقیر محمد خاں گویاؔ نے ایک معزز عالم کو بھیج کر کہلایا کہ'' آپ شیعوں کے قبلہ و کعبہ کہلاتے ہیں اور لذائذ دنیا میں ایسے منہمک ہیں کہ بغیر متعہ کسی دن چین نہیں آتا؟

ع۔ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

فرمایا کہ کعبے سے کفر کہاں اٹھا تھا!

۵۔بعد انتزاع اودھ ایک پادری صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ مسلمانوں میں جہاد کا بڑا رواج ہے۔'' جناب نے فرمایا'' غیبت امام میں جہاد کہاں'' انہوں نے کہا اچھا بعد ظہور تو آپ ہم پر جہاد کریں گے؟ فرمایا کہ'' ظہور حضرت عیسیٰ بھی ہوگا وہ جو ہمیں فرمائیں گے اس پر عمل کریں گے۔''

۶۔ایک پادری نے کہا: جب امام حسینؑ کو شہید کیا جارہا تھا تو محبوب خدا نے اللہ سے نہیں کہا کہ اللہ! حسینؑ کو قاتلوں سے بچالے۔آپ نے باوقار تبسم کے بعد فرمایا کہ'' محبوب خدا نے خدا سے کہا تھا مگر بارگاہ الٰہی سے جواب ملا آپ نہیں جانتے ان بدبختوں نے میرے بیٹے عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیا جب اپنے فرزند کو میں نہ بچا سکا تو جناب والا کے نواسے کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

سانحۂ ارتحال

۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں لکھنؤ میں زبردست ہیضہ پھیلا۔نماز اموات میں سلطان العلماء کو غیر معمولی تعب کا سامنا ہوا۔۲۱/ربیع الاول کو جناب خود مبتلا ہو گئے۔آخری نماز مغربین جس کا چرچا نصف صدی تک زبانوں پر رہا، اس طرح پڑھی کہ یاد الٰہی سے مرض غافل نہ کرسکا۔تکبیرۃ الاحرام میں دونوں ہاتھ نرمۂ گوش تک، اللہ اکبر کا صحیح تلفظ، تشنج میں کانپتے ہاتھوں کو وقت تکبیر اٹھاتے رہے۔ مگر افسوس شدت مرض نے علامات حیات کو دیر تک جسم میں قائم رہنے نہیں دیا۔ ۲۲/ربیع الاول ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۵/جولائی ۱۸۶۷ء دس بجے رات کو حرارت غریزی مستقر سے خارج ہوئی اور کلمہ طیبہ پڑھ کر یہ آفتاب اجتہاد افق ہستی سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

(تاریخ سلطان العلماء ص ۱۳۴)

نماز میت ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقیؒ نے پڑھائی۔ مجمع اتنا کثیر تھا کہ نماز جماعت کے لئے امام باڑہ آصف الدولہ کا صحن منتخب کیا گیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو شرقی عمارت کی چھت پر صفیں قائم ہوسکیں۔ نماز کے بعد جنازہ امام باڑہ غفرانمآب لایا گیا۔ شہ نشین میں زیر ضریح سپرد خاک کئے گئے۔ تیسرے دن مجلس سیوم ہوئی جس میں سید الذاکرین میر سید علی صاحب نے ذاکری کی۔

شعراء نے قطعات تاریخ میں بڑی دلچسپی لی ہم یہاں چند منتخب تاریخیں پیش کرتے ہیں:

(۱) مفتی میر عباسؒ

سال تاریخ وفاتش راچہ می پرسی زمن
آسمانے بود بالا از زمین برداشتند
سنہ ۱۲۸۴ھ

(۲) منیرؔ شکوہ آبادی

بہر تاریخ وفات آں ملاذ الاصفیا
سال ہجری و مسیحی فکر کردم اے منیرؔ
یافتم در مصرع واحد دو تاریخ این چنیں
وائے خضر عقل کل، ہے ہے امام بے نظیر
سنہ ۱۸۶۷ء — سنہ ۱۲۸۴ھ

(۳) امیر اللہ تسلیم

چو جناب قبلہ عالم زدار بے مدار
شد بجنّت دردلم فکر سن تاریخ گشت
شد طریقت لنگ، بے سرشد شریعت زہد نیر
۳۱۹ + ۲۸۰ ۹

سینہ بشگافید و از آرام و تقویٰ درگذشت

۱۲۸۴ = ۷۷۸ = ۵۰۶ ـ۱۰۸۰

(۴)

گفت تسلیم حزیں سال وفات

باز راہ خلد را آباد کرد

(۵) **لامعلوم**

سنّیم من مگر از ان مخدوم

بود چوں جاں یک اعتقاد بدل

زیں سبب درسن وفات دوبار

گفتہ ام باں ، یک اعتقاد بدل

=۲x۶۴۲ ۱۲۸۴ھ

نوٹ :۔قطعات تاریخ بھی تاریخ سلطان العلماء سے مستفاد ہیں۔

(مضمون مصنف کی کتاب ''امجد علی شاہ'' سے ماخوذ ہے)

قبلہ و کعبہ آیۃ اللہ العظمیٰ سلطان العلماء

سید محمد رضوان مآبؒ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

نام و نسب

مولانا السید محمد خلف اکبر مولانا السید دلدار علی غفران مآبؒ ۲۴ر واسطوں سے آپ کا نسب شریف امام علی النقیؑ تک منتہی ہوتا ہے۔

ولادت و خواب غفران مآب

۱۷ر صفر ۱۱۹۹ھ ہجری کو آپ کی ولادت لکھنؤ میں ہوئی زمانہ رضاعت و ایام طفولیت نے نورانی گہواروں میں نشوونما پائی جناب غفران مآب نے اسی زمانہ میں حضرت حجۃ منتظرعجہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: ''میں تیرے پسر کی پرورش کا متکفل ہوں، چنانچہ سلطان العلماء نے ایک مختصر رسالہ میں اس خواب کو نہایت لطیف عبارت میں لکھا ہے جس کو اس مقام پر بہ خیال طوالت نقل نہیں کر سکتا اکثر اس پر فخر کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: انا افتخر واقول ان صاحب زمانی الحجۃ عجہ المنتظر الربانی قد تکفل لحضانتی وربانی۔

اس رسالہ کے آخر میں اس مقام کا بھی ذکر کیا ہے جہاں حضرت حجۃ نے آپ کی نسبت خواب میں یہ فرمایا تھا جناب غفران مآب کی نسبت کہتے ہیں: کان من عاداتہ طاب ثراہ انہ کان یذھب الی سواد نصیر آباد للتفرج واشتغال القلب وسائر اصحابہ واحبابہ خلفہ یروحون حیث ما راح فکان ذات یوم انہ خرج من الحسینیۃ التی بناھا فی الوطن وقت العصر فصار یمشی وانا وسائر اصحابہ معہ خلفہ واما انا

امشی قلیلاً اذ نادانی یامحمد قلت لبیك یا ابی فلما دنوت منه قال ان هذه الارض الوسعته هی التی کان الامام اشار الیها بیده الشریفة قائلا انك تری هذا الولد فی هذه الارض۔ اسی مناسبت سے آپ جب عریضہ حجۃ کی خدمت میں لکھتے تھے تو اپنے نام کے ساتھ المربوب فی حجر رافتہ محمد بن علی بن محمد لکھتے تھے۔

تحصیل علوم

تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل اپنے والد علامہ سے کی غفران مآبؒ کے بعد ہندوستان میں یہ اجتہاد کا نقش ثانی تھا سلطان العلماء نے اپنے والد کی حیات ہی میں مرجعیت پیدا کی تھی ان کے بعد تو ہندوستان کا چپہ چپہ ان کے فروغ کمال سے جگمگا اٹھا۔ فرقۂ شیعہ جس قدر بھی اس وجود محترم پر ناز کرے بجا ہے۔ آج بھی لکھنؤ میں سیکڑوں چشمے اسی دریائے ناپیدا کنار کے جاری ہیں۔ بچپنے ہی سے جبین اقبال چمک رہی تھی ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے آغوش عطوفت علماء آپ کا گہوارہ تھی امراء ووزراء مرتبہ شناس تھے کئی مرتبہ نواب آصف الدولہ بہادر نے اپنی گود میں لیا پیشانی اور ہاتھوں پر بوسہ دیا۔

۱۸؍سال کی عمر میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ ۱۲۸۲ھ میں جناب غفران مآبؒ نے اجازہ اجتہاد دیا جس کے بعض عبارات نقل کیے جاتے ہیں:

کان بحمدالله تعالیٰ ممن جد فی هذا المطلب وتروی من هذا المشرب الاعذب الفاضل المتوقد الزکی الاوحد الالمعی اللوذعی الاعز الولد الامجد ثمرة فوادی وقرة عینی السید محمد لا زال محمداً بمکارم الاخلاق ومتحلیا بحلی الکمالات محفوظا ومصونا عن جمیع الافات والعاهات بحق محمد واله رفیع الدرجات علیهم صنوف الصلوات والتحیات الزاکیات بانه طوّل عمره فی ریعان الشباب وعنفوانه فاق معظم الامثال والاقران وامتاز

بترقیه مدارج الکمال عن اکثر ابناء الزمان رتع فی ریاض العلوم وترقی اعلی مدارج الفضائل الی حاله الی احسن الحال اوشك ان یبیض المداد من اشراق ذکائه ویتنوّر قلوب اهلبیتنا بنور ضیائه ولعمری لو قلنا ان رایته تکاد یضیء ولولم تمسسه نار ،لم تکن مستبعداً ولو قلنا انه مطمح محل عنایة حجة الله المنصور بعون الله لکان قولا مسددًا کما هو مفاد بعض الرویاء الصادقة فی المنام وتفصیله یقتضی محلا اخر غیر هذا المقام واضاف ایضا بمنه تعالیٰ وکرمه الی ما اعطی من العلم حسن العمل والتنزه عن کثیر من الخطاء والزلل برا بالوالدین ولم یعصنا طرفة عین فجزاه الله عنا خیر ماجاز الولد عن والدیه وجعله غده خیرا من مسه والیوم بین یدیه۔ الخ

دوسرے اجازہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”من از مدتے ولد امجد معزی اللہ یعنی جناب مجتہد العصر والزمان را مرتقی بسوے مدارج کمال ومتخلق بمکارم اخلاق ومحامد خصال یافتم در خاطر داشتم کہ اجازہ چنانکہ معمول علمائے کرام است براے او بنویسم زیرا کہ اور الائق ایں امر دیدم اگرچہ سائر فرزندانم پارہ دل وثمرہ جگر می باشند لیکن او بفضل الٰہی درمیان ایشان ممتاز است بآنکہ اکمل اولاد روحانیہ ونتائج نفسانیہ نورانیہ است وچوں بعضے امور در باب ایں مطلب یعنی نوشتن اجازہ مانع بود خصوصاً ملاحظہ حسد ولداد اہل تعسف وعناد کہ معظم بضاعت ایشان سلوک طریق اعوجاج است وبہترین امور را حمل بر بدترین محامل می کنند اظہار آں در حیز تعویق افتادہ بود تا آنکہ وقت اظہار آں در رسید وخوبی چیزے کہ ارادہ اظہارش داشتم بر عقل حق پسند ظاہر شد پس آنچہ مکنون خاطرم بود بمنصہ ظہور در آوردم پس اور اجازہ دادم حق تعالیٰ اور او سائر

اولاد مارا بسوی بلند ترین معارج علما واقصی مدارج فضلا گرداناد که روایت کند از می جمیع مرویات مرا از مصنفات اسلام و مولفات خاص و عام و فنون و علوم از کتب حدیث و تفسیر و کلام و اصول و فقه و رجال و نحو و لغت و قرأت و حکمت و غیرہ ایں ہا کہ دخلے در علوم دین دارد تا ایں اجازہ کافی و وافی باشد۔"

جناب غفران مآب کی حیات میں سلطان العلماء کا تبحر علمی اور کمال نفسی اس حد تک تھا کہ آئینہ حق نما میں ان کا تذکرہ نہایت وقیع اور گراں قدر الفاظ میں کیا ہے۔ آئینہ حق نما جناب غفران مآب کے ایک شاگرد کی تالیف ہے جو انھیں کے عہد میں لکھی گئی اور جناب غفران مآبؒ نے اس کی تالیف میں اعانت کی۔

سلطان العلماء کا تبحر علمی اگر دیکھنا ہو تو ذیل کی کتابیں دیکھئے:

(۱) اوراق الذہب جناب مفتی سید محمد عباس صاحبؒ (۲) ظل ممدود مکاتیب علامہ مفتی سید محمد عباس صاحبؒ (۳) شذور العقیان از علامہ مولانا سید اعجاز حسین صاحب (۴) مکاتیب یمانی الشیر وانی (۵) نجوم السماء از جناب والد علام

جب غفران مآب نے انتقال کیا اس وقت سلطان العلماء کا خورشید کمال نصف النہار پر تھا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بنیاد دین غفران مآبؒ نے قائم کی، عمارت کو سر بفلک سلطان العلماءؒ نے کیا غفران مآب نے آخر عہد میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۵ھ ہجری کو اپنے سامنے سلطان العلماء کو اپنی وصی و قائم مقام کیا۔

۱۹/ رجب کو جناب سید دلدار علی اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہوئے اس وقت سے سلطان العلماء نے اپنے تمام اوقات کو فضلائے ہندوستان کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر دیا عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً لکھنؤ ان کے کمالات علمیہ سے چھلک گیا بڑے بڑے زبردست عالموں نے ان کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

محامد و اوصاف

سلطان العلماء محاسن ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے حسن و جمال ہیئت و اجلال ظاہری بھی حدکمال تک تھا۔ منبر پر ان کی خاص شان ہوتی تھی عمامہ و جامہ سفید ان پر اس قدر زیب دیتا تھا کہ لوگ دیکھا کرتے تھے۔ عاشور کے دن اپنے امام باڑہ میں مصائب امام مظلوم بیان کیا کرتے تھے سر پر سبز عمامہ دوش پر سیاہ عبا ہوتی۔ آنکھوں سے متصل آنسو جاری ہوتے تھے اور صورت خود ایک مرثیہ ہوتی تھی گریہ گلوگیر ہوتا تھا مشکل سے چند فقرے حدیث کے بیان کر کے منبر سے اتر آتے تھے دیر تک گرد ہجوم رہتا تھا۔

محنت و استقلال

راتوں کو بہت کم سوتے تھے اور جس کام کو شروع کرتے تھے اس کو نہایت محنت و جانفشانی سے انجام دیتے تھے جناب مفتی صاحب قبلہ نے بعض صفات کو نظم کیا ہے جس کا اندراج خالی از لطف نہیں۔

الیف	التقی	وارث	الانبیا
نظر	کردۂ	حضرتِ	کبریا
امام	ہمام	خبیر	بصیر
کریم	السجایا	عدیم	النظیر
خطیب	وعجیب	علی	المنبر
منوع	نہو	عن	المنکر
علیم	کریم	حلیف	السدا
شجاع	مطاع	رفیق	الفواد
صبور	وفور	لطیف	وفی
عطوف	رؤف	حفی	صفی

رئیس البرایا ولی الکرم
جزیل العطایا رفیع الہمم
فرازندہ رایت اجتہاد
ز حق حُجّت وآیتے برعباد
مہ ساطع آسمان ہُدیٰ
سمی جنابِ رسولؐ خدا
زہے وارثِ علم خیرالانام
وحید الزماں مرجع خاص وعام
امامی کہ در قطعِ فضل وعدا
حسامے است مسلول دستِ خدا
طریق شریعت موید از وست
کہ نام نشانِ محمد از وست
نمایاں بمیدان دیں پروری
زہر ضربتش ضربتِ حیدری
عدیلش بعدل وبانصاف نیست؟
نظیرش کس از قاف تا قاف ہست
شود گرز فرط زکا حرب زن
ز مکنون دلہا برآرد سخن
بدست وعلم حامی مذہب است
مددگار اسلام روز وشب است

قلم در کفِ اولوائے علی است

کہ ازوئے نشان ولائے علی است

شان وجبروت کا یہ عالم تھا کہ سلاطین ملک کے سر پر تخت نشینی کے وقت تاج شاہی انھیں کے ہاتھوں سے رکھا جاتا تھا اس عہد کے علماء وفضلاء کے اسناد واجازات انھیں کی مہر سے معزز ومفتخر ہوتے تھے نماز اموات عمائد وسلاطین، نماز جمعہ وعیدین مخصوص انھیں کی ذات سے تھی۔

تقرر محکمہ مرافعہ کے قبل تمام اراکین کے مقدمات حدود وقصاص اور دیگر احکام شرعی کا نفاذ انھیں کی رائے اور فتاویٰ پر موقوف تھا سلاطین وقت پیچیدہ مقدمات انھیں کے سپرد کردیتے تھے ان کے فیصلے عدل وانصاف سے ہم وزن اور بغیر رو ورعایت ہوتے تھے سلاطین سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے علم وحکمت، شجاعت وجلادت ان کے خاص صفات تھے اعلان کلمہ حق میں کبھی کسی کا لحاظ نہیں کیا احکام شریعت کا نفاذ اکثر سلاطین کی مرضی کے مخالف کیا چنانچہ واجد علی شاہ نے کسی مسئلہ کی نسبت کہلا بھیجا کہ اس پر نظر ثانی وتجویز ثانی کیجئے جواب میں کہلا بھیجا: **حلال محمد حلال الی یوم القیامه وحرام محمد حرام الی یوم القیامه۔**

زمانہ غدر میں چیف کمشنر نے جہاد کے متعلق کچھ کہا، فرمایا کہ ہمارے مذہب میں جہاد غیبت امام میں جائز نہیں چیف کمشنر نے کہا کہ اگر آپ کا امام آجائے فرمایا ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ بھی ہوں گے جیسا حکم دونوں کا ہوگا اس کی تعمیل واجب ہوگی۔

نصیر الدین حیدر بادشاہ نے ایک نکاح پڑھنے کے لئے طلب کیا وہاں پہنچ کر صاف کہہ دیا کہ شرعی صورت سے افتراق شوہر اول سے ثابت نہیں اس لئے میں نکاح نہیں پڑھ سکتا بادشاہ کا چہرہ غصہ سے متاثر ہوا آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک دن سلطان موصوف نے شبیہہ جنازہ حضرت امام حسینؑ پر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے طلب کیا۔ جب ایوان شاہی میں داخل ہوئے تو بعض اراکین نے اصرار کیا کہ آج مصلحت اسی کی

مقتضی ہے کہ آپ تعمیل حکم شاہی میں انکار نہ فرمائیں اتنے عرصہ میں بادشاہ مع خدم وحشم سراپردۂ شاہی سے سیاہ لباس پہنے برآمد ہوئے اور استدعاے نماز جنازہ کی آپ نے کہا کہ شرعاً یہ صورت جائز نہیں نہ میری یہ مجال ہے کہ جنازہ امام کی نماز پڑھوں اس لئے کہ نماز جنازۂ امام، امام ہی پڑھا سکتا ہے نصیر الدین حیدر یہ سن کر خاموش ہوگئے۔

محمد علی شاہ بادشاہ نے بعد تعمیر مسجد جامع حسین آباد میں نماز عید الفطر کی استدعا کی جواب میں کہلا بھیجا کہ اس میں بعض اراضی مملکت نعیم خان کی شامل ہے تاوقتیکہ اس کا معاملہ اور مصالحہ شرعی صورت پر نہ ہوگا نماز نہیں پڑھاؤں گا چنانچہ بعد تحقیقات ایک معقول معاوضہ خان موصوف کو دیا گیا اس وقت آپ نے نماز پڑھائی۔

یوں تو تمام سلاطین اودھ کے عہد میں آپ کا پایہ اعزاز بلند رہا لیکن محمد امجد علی شاہ بادشاہ مخصوص ارادت کیش عقیدت مند تھے محکمہ مرافعہ شرعیہ آپ کے متعلق کیا جن میں آپ صدر الشریعہ تھے اور باقاعدہ مفتی اور اہل قلم اور اہالیان دفتر عصا بردار خاص بردار وغیرہ مقرر کئے گئے جن میں صدر کے احکام کے موافق حکم سنایا جاتا تھا۔

ایک مقدار کثیر خیرات ومبرات وزکوٰۃ کی سرکار شاہی سے آتی تھی جس میں تین لاکھ سے زیادہ رقم صرف زکوٰۃ کی ہوتی تھی جو مستحقین کو تقسیم ہوتی تھی۔

امجد علی شاہ بادشاہ نے ایک مہر کندہ کرا کے بھجوائی جس میں یہ عبارت تھی:

"مجمع علوم دین ومرجع سادات مومنین حافظ احکام شرع مبین مجتہد العصر سلطان العلما"

اس عبارت کے ساتھ "مورد اعتقاد امجد علی شاہ" کی بھی تجویز شاہی تھی آپ نے جب سنا تو منظور نہیں کیا بلکہ مورد عنایات پسند کیا چنانچہ اسی طرح کندہ ہوا۔ ہمیشہ منشیان دفتر شاہی یہی القاب لکھا کرتے تھے امجد علی شاہ کی عقیدت روز بروز آپ کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔

اسی زمانہ میں سلطان العلماء کے ایما اور سید العلماء کی کوشش سے ایک مدرسہ بھی جاری ہوا یہ

مدرسہ مقبرہ نواب جنت آرام گاہ میں تھا چاروں طرف دالان اور حجرے تھے جس میں طلباء رہتے تھے اور تقریباً تیس مدرس تھے جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء اور اس عہد کے اکمل افراد مجتمع تھے۔ مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں مقرر تھیں طلباء کو وظائف ملتے تھے اکثر امجد علی شاہ ہوادار پر سوار ہوکر مدرسہ کا معائنہ کرنے آتے تھے اور چاروں طرف دورہ کرتے تھے امراء کے یہاں سے تقریبات میں جس قدر طعام یا تحف وہدایا آتے تھے وہ سب طلباء کو بھیج دیتے تھے اور خاص طور سے الطاف شاہانہ ان پر مبذول تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانہ میں تحصیل علم کا شوق لوگوں میں پیدا ہوگیا سلطان العلماء اِن امور میں برابر محرک رہتے تھے۔

سلطان العلماء بے حد متواضع اور منکسر تھے ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی (سید العلماء) کو اپنے نفس سے مقدم رکھتے تھے اور تمام امور دینی ودنیوی انھیں کے متعلق کردیئے تھے یہاں تک کہ ایک روز ان کی نماز جماعت میں بحیثیت ماموم شریک ہوئے۔

حلم ومروت کا یہ حال تھا کہ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور مطلب برآری کرتے تھے علاوہ ان رقموں کے جو آپ کے پاس آتی تھیں اپنے ذاتی مصارف سے بھی ہمیشہ بذل وایثار کرتے تھے اپنے نفس کے واسطے کوئی سامان راحت نہ تھا نہ کبھی کوئی بلند عمارت تعمیر کرائی نہ قیمتی لباس نہ طعام لذیذ کی طرف رغبت ہوئی اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

باکمال احتیاج از خلق استغنا خوش است
بادہان خشک مردن برلب دریا خوش است
ہیچ کارے بے تامّل گرچہ صائبؔ خوب نیست
بے تامّل آستیں افشاندن از دریا خوش است

جب انتقال ہوا تو سوا کتب خانہ کے ایک درہم بھی نکلا جو ورثہ پر تقسیم ہوتا یا اس سے تجہیز وتکفین کی جاتی۔

تقریر وتحریر نہایت پرزور تھی بذلہ سنج ولطیفہ گو بھی تھے زاہد خشک نہ تھے جواب نہایت برمحل دیتے تھے کسی رئیس نے باہر سے ایک خط لکھا اس نے آپ کے نام کے ساتھ سید محمد بہادر لکھ دیا آپ نے جواب میں اپنے نام کے نیچے سید محمد بے بہادر لکھا۔

ایک روز کسی شخص نے عرضی پیش کی کہ اس پر آپ جناب مفتی سید محمد عباس صاحب سے سفارش کرادیں آپ نے اس کی پیشانی پر لکھ دیا ''یا حضرت عباس علی وقت مدد ہے۔''

ان کے لطائف علمیہ بکثرت ہیں جن کو اس مختصر رسالہ میں درج کرنے سے معذور ہوں۔

ان کے زور قلم کا اندازہ ان کے تصنیفات سے ہوسکتا ہے میدانِ مناظرہ میں ان کا خامۂ دو زبان ذوالفقار(۱) تھا۔ کلام نہایت متدل اور مضبوط ہوتا تھا۔ ایسی تحریروں میں اپنے نام کے ساتھ محمد ابن علی صاحب ذوالفقار لکھتے تھے۔ ان کی شیریں سخنی اور لطائف بیان کا اکثر علمائے عراق نے اپنی تحریروں میں اعتراف کیا ہے۔

مصنفات

(۱) کتاب مبسوط ردتحفہ اثنا عشریہ در مبحث امامت (۲) سیف ماسح در اثبات حکم مسحِ رجلین (۳) حاشیہ بر شرح سلم ملا حمد اللہ (۴) اصل اصول رد اخباریین (۵) حاشیہ شرح صغیر از سید علی طباطبائی (۶) صمصام قاطع (۷) طعن الرماح در قصہ فدک (۸) ضربت حیدریہ در دو جلد (۹) ثمرۃ الخلافۃ در کلام (۱۰) عجالہ نافعہ در کلام (۱۱) سم الفار (۱۲) برق خاطف (۱۳) رسالہ در نماز جمعہ (۱۴) شرح زبدۃ الاصول (۱۵) فوائد نصیریہ در احکام زکوٰۃ وخمس (۱۶) کشف الغطاء (۱۷) گوہر شاہوار در فضیلت ائمہ ہدیٰ بر قرآن مجید (۱۸) احیاء الاجتہاد، واصول فقہ (۱۹) سبع مثانی در قرأت وتجوید (۲۰) بارقہ ضیغمیہ (۲۱) بوارق موبقہ (۲۲) مسئلۃ التضیق والوسعۃ فی القضا (۲۳) رسالہ در تحقیق نجاست عرق جنب بحرام (۲۴) بشارت محمدیہ (۲۵) ازالۃ الغی (۲۶) رسالہ استبداد بکر (۲۷) رسالہ حفظ الحافظین۔

ان کتابوں کے علاوہ اور بھی مختصر رسائل ہیں۔

اولاد

(۱) منصف الدولہ جناب سید محمد باقر مرحوم (۲) جناب سید صادق مرحوم (۳) جناب سید مرتضیٰ مرحوم (۴) جناب سید عبداللہ مرحوم (۵) ملک العلماء جناب سید بندہ حسین مرحوم (۶) جناب مولوی سید علی اکبر مرحوم (۷) تاج العلماء جناب سید علی محمد مرحوم (۸) جناب سید غلام حسین مرحوم (۹) جناب سید محمد علی مرحوم

تلامذہ

(۱) جناب مولوی سید محمد امام جمعہ و جماعت قصبہ ہوگلی (۲) جناب میرزا محمد فیض آبادی (۳) مولوی مشرف علی (۴) سید باقر صاحب بخاری (۵) مولوی سید دیدار جہاں (۶) علامہ مفتی سید محمد عباس (۷) فقیہ موتمن مولانا السید علی حسن الجائسی (۸) علامہ سید حامد حسین (۹) مفتی نواب مرزا مرحوم (۱۰) محدث خبیر مولانا سید علی مرحوم (۱۱) مولوی سید عبدالعلی (۱۲) مولوی سید سرفراز حسین (۱۳) قاضی سید محسن رضا عرف آغا سید جائسی (۱۴) قاری حافظ جعفر علی صاحب (۱۵) مولانا شاہ سید علی حسن اشرفی احسنؔ جائسی۔ان کے علاوہ اور بھی تلامذہ ہیں۔

وفات

شب پنجشنبہ ۲۲؍ربیع الاول ۱۲۸۴ھ کو انتقال کیا لکھنؤ میں وہ دن بھی ایک تاریخی دن تھا۔ بیت الشرف سے وامحمدا کا شور بلند تھا لکھنؤ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے رونے کی آواز نہ آ رہی ہو دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ کسی جنازہ کے ساتھ اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ ۱۲؍بجے دن کو حسینیہ غفران مآبؒ میں یہ زندۂ جاوید دفن کیا گیا۔ چادر کفن کا ایک ایک تار تبرکاً لوگ لے گئے اس حادثۂ جانکاہ میں مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ نے حسب ذیل تاریخ کہی:

مات مجتہد العصر

۴ ۸ ۲ ۱ ھ

قبلۂ دیں کعبۂ ایماں جناب مجتہد
کزو جو دش رونق محراب ومنبر داشتند
آیۂ نور الٰہی کز فروغ طلعتش
ذرہائے کوے او باخور برابر داشتند
ایں ہمایوں منظرے کز سایہ اقبال او
بادشاہاں سربسر دیہیم وافسر داشتند
رہبر دین علیؑ بود است وہم نام نبیؐ
ہیبتے از رعب او در قلب کا فر داشتند
در حکومت زہد وتقویٰ العجب ثم العجب
کیسہ پرزر داشتند وطبع بو ذر داشتند
حسن خلق وخوف محشر از جناب شاں نگر
خندہ بر لب داشتند ودیدۂ تر داشتند
آہ از سید محمد، حیف از سید حسین
وہ چہ علم وفضل ایں ہر دو برادر داشتند
تلخ شد عیش جہاں گشتند بعد از ہم بروں
بسکہ باہم اختلاط شیر وشکر داشتند
نیست بے جا گر بدرو نعش او پیر و جوان
دیدۂ تر داشتند وشور محشر داشتند
درعرب یادرعجم درعلم وفضل وحسن خلق

کس نمی گوید که در آفاق ہمسر داشتند
ہر چه از عقل رسا گویم زعزوشان شاں
آسماں خندد که ایشاں شان دیگر داشتند
شدز آفاقِ جہاں زایشان رواج نقددیں
سکه گوہر نگین شاہِ خاور داشتند
حیرتم از حال مرگِ سید رضواں مآبؒ
گوئیا شوق لقائے دست در سر داشتند
با تشنج در نماز آخر روز وفات
رفع ید در گفتن اللّٰہ اکبر داشتند
ساعت ده از شب بست ودوم ماه ربیع
رخت بربستند وعزم بزم داور داشتند
می نوشتند از پئے سعی وسفارش رقعہا
بسکه پاسِ خاطر مسکین مضطر داشتند
آه یا ویلاه ما ادریٰکَ ما یوم الخمیس
کاندریں کنج لحد از خاک بستر داشتند
حلہائے نو بنو پوشند در خلد بریں
در جہاں گرچه لباس کہنه در برداشتند
سال تاریخ وفاتش را چه می پرسی زمن
آسمانے بود واے از زمیں برداشتند
۴ ۸ ۲ ۱ ھ

نوٹ: ناظرین ''تجلیات'' تاریخ مفتی علامہ سید محمد عباس صاحب ملاحظہ فرمائیں دونوں ایک ہی قلم کی تحریریں اور ایک دوسری کی صاف صاف تکذیب کررہی ہے ؎

به بین تفاوت ره از کجاست تا به کجا

❁❁❁

آیۃ اللہ مولانا سید علی

بن بحر العلوم علامہ سید دلدار علی غفران مآب طاب ثراہ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

۱۸؍ماہ شوال ۱۲۰۰ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے ایک سال چند ماہ جناب سلطان العلماء سے چھوٹے تھے۔ اپنے والد علامہ جناب غفران مآب سے تکمیل علوم کی اور اکثر علوم میں مہارت تام حاصل کی خصوصاً علم قرأت وتجوید میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ فضل وتقدس میں یکتائے روزگار تھے ہمیشہ مواعظ وہدایت خلائق واقامت جمعہ وجماعت میں مصروف رہتے تھے نہایت خوش گفتار اور شیریں سخن تھے حسن بیان کا اثر خاص طور پر قلوب میں ہوتا تھا جود وسخا وصلاح ومروت ان کے خاص جوہر تھے۔ شذور العقیان میں جناب علامہ سید اعجاز حسین صاحب کنتوری تحریر فرماتے ہیں:

"الامام الهمام السيد السند مولانا السيد على بن آية الله فى العلمين مولانا السيد دلدار على النصيرآبادى كان عالماً فاضلا خبيرا بالمعانى والبيان واقفا على الفروع وتفسير القران قاريا، صالحا، متدينا۔"

۱۲۴۵ھ میں ہندوستان سے کربلائے معلّٰی روانہ ہوئے وہاں کے علماء نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آئے خصوصاً فاضل سید کاظم رشتی نے آپ کی نہایت قدر ومنزلت کی ۱۲۴۶ھ میں واپس آئے اور عرصہ تک مشغلہ تدریس وتصنیف جاری رہا۔ دوبارہ ۱۲۵۶ھ ہجری میں کثیر التعداد رفقا کے ساتھ پھر سفر کیا اور مختلف قسم کی تکلیفیں اٹھائیں شہر بشہر اور دیار بہ دیار ہوتے ہوئے وارد خراسان ہوئے اور مشرف بہ زیارت ہوکر مع تمام احباب ورفقا کربلائے معلّٰی پہنچے اور وہیں ۱۸؍رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ کو ۵۸ سال ۱۱ ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔ آقا سید مجاہد ابن آقا سید علی طباطبائی کے پہلو میں دفن

ہوئے۔ مولانا سید ابراہیم حائری نے جناب سید العلماء کو تعزیت کا خط لکھا جس میں منجملہ اور اشعار کے یہ شعر بھی تھا:

وماالدهر الا محنة وبلية
تنوب وابناء الزمان ينام

جناب سید العلماء نے جواب میں حسب ذیل خط تحریر کیا جس سے ان کے رنج وغم کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اما بعد! فقد وافى الينا كتاب من جنابك المستطاب مخبرا بمصاب ياله من مصاب واقلقنا بوفاة السيد الممجد المكرم المعظم الاخ الا قوم السيد على اعلى الله مقامه وزاد اكرامه كما ختم له بالشرف واقبره بالموضع وقد والله هطلة العبرات على الخدود لهذه الرزية المفتتو للكبود وارتحل السّرور انكسرت الظهور ويحق لنا ذلك فلقد كنا نحن نحن الى لقاء محياء دائما ونترقب ايابه سالما غانماً فكان قد كان يوم توديعه عنه تاهبه للسفر۔ هو اليوم الذى زرية فيه عائد اله وهو مختضر۔ وهكذا الزمان يمضى على الغير وما للدهر من وفاءٍ وعلى الدنيا بعده العفافانا لله وانّما اشكو بثى وحزنى الى الله ولاحول ولا قوة الا بالله ومما جرى على لسان القلم اقتضاءٍ بيراعه الاقوم۔

عيون المنايا لا تنام هنيئه
ولكن ابناء الزمان نيام
وناعٍ اتانا من طفوف حسين
فلم يبق فينا راحة وجمام

لغی سیدا حبراً علیا ممجداً
له فی جوار المصطفین مقام
اتی حائراً من بعد ما ظل حائرا
فنومته نوم الحمام حمام
غریب کئیب نازح عن دیاره
علیه من الله السلام سلام
کتاب اتانی ناعیاً وهو ناصح
ففیه شفاءٌ لی ومنه سقام
وقد اسبلت تلك العبائر عبرتی
وفکرت فیها والدموع سجام
لعمری ان الرّز والجزر والاسی
جلیل وبالله الجلیل عصام
مزار بعید والجسوم ضعیفة
فصبر جمیل والسّلام ختام

اکثر فقہاء وعلمائے عراق نے مراثی نظم کئے علامہ مفتی سید محمد عباس صاحب شوستری نے یہ قطعہ فرمایا:

ترحل صاحب العلیا علی
وسافر وهو مفجوع کظیم
مجید کابر من اهلبیت
بهم عرف الصراط المستقیم
اولی ابد وابصیر ومجد

له قد اذا عن القلب السليم
تغلغل صيتهم فى كل ارض
وجدد منهم الشرع القويم
ومن كتبت مودتهم علينا
وانزل فيهم الذكر الحكيم
طفا بالطف محموما غريباً
وفى قرب الحسينؑ له نعيم
شهيد الكربلاء له ضمير
ورب غافر برّ كريم
واملاك السمآ مورخات
لرحلته له اجر عظيم
۹ ۵ ۲ ۱ ھ

فارسی کا مصرع تاریخ ہے ؎

مہماں بحسین ابن علی گشت علی
۹ ۵ ۲ ۱ ھ

مرحوم نے اپنے تلامذہ اور اولاد میں جناب سید کلب حسین صاحب کو اور حسب ذیل کتابیں یادگار چھوڑیں:

(۱) تفسیر قرآن دو جلد ۱۲۵۳ھ میں امجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی فرمائش سے تصنیف کی۔

(۲) رسالہ در بحث فدک (۳) رسالہ در اثبات حلت متعہ (۴) رسالہ در تجوید (۵) رسالہ دیگر در اثبات متعہ (۶) رسالہ در رد اخباریین (۷) رسالہ در اثبات جواز عزائے سید الشہداؑء۔

آیۃ اللہ مولانا السید حسن

بن حضرت غفرانمآب طاب ثراہ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

۲۱؍ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۵ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور تحصیل علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد ماجد اور برادر محترم جناب سلطان العلماء سے کی، علم وعمل وحلم وزہد وتقویٰ اور تمام مکارم الاخلاق میں بے نظیر تھے۔ نہایت منکسر المزاج اور کم سخن تھے۔ باوجود علم وفضل کے جب کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو احتیاطی اقوال بیان کیا کرتے تھے اکثر باقتداء جناب سید العلماء نماز پڑھتے تھے باوجود بزرگی کے جناب سید العلماء کا نہایت احترام کرتے تھے۔ ہمیشہ شدت حیا سے نگاہیں نیچی رہتی تھیں صاحبان احتیاج کی مخفی اعانت کرتے تھے آخر عمر میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی سوائے عبادت الٰہی کوئی شغل نہ تھا اکثر بعد نماز نام بنام مومنین کے لئے دعائے خیر کرتے تھے بیشتر صائم النہار قائم اللیل رہتے تھے۔ محراب عبادت میں کثیر الذکر طویل الرکوع والسجود تھے۔ نماز ظہرین مسجد میں پڑھا کر مغرب تک مشغول وظائف رہتے تھے بعد عشاء تعقیبات میں مصروف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام مومنین اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے تھے گھر سے باہر کم نکلتے تھے مگر نماز کے لئے یا کفالت مساکین کے لئے۔

جناب مفتی صاحب قبلہ اوراق الذہب میں ان کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

وکان رحمہ اللہ سیدا متورعا لیّنا متواضعا مصروف الی العبادات ومشغوفا بالسعادات کان فی بدو شبابہ قویا حتی حکی انہ وجد فی الحمام سریرا من الرخام وزنہ ثلاث امنان بالمن الھندی فننجس سطحہ الاعلی فاشالہ بکفہ الیمنی ووضعۃ فی الماء من غیرغنا واعباء ثم انہ توغل فی العبادۃ وترک العشا علی الدوام رغبۃ فی التھجّد والقیام حتی ضعف ارکانہ

وسقطت اسنانه وکان فی سالف الایام یباحث بالعلوم الحکمیة والفنون العقلیة وقد الف فی الھندسة رسالة انیقة اودعھا لطائف دقیقة فی شکل عجیب ونمط بھی لم یتصور مثله لا قلدس الصوری ثم ترك تلك العلوم بعد ان مرض مرضاً شدیداً فجعل بینھا وبینه امداً بعیداً وکان رحمه اللہ زاھد فی الدنیا محتاطاً فی الفیتا مشتغلا للصّلوة الطویلة الاذیال والادعیة الطوال فلما اصبح وصلی صلوة الغداة جلس فی مصلاہ حتی ارتفع النھار ثم اکل قلیلا فاذا زالت الشمس صلی الظھرین مع نوافلھا ثم جلس معقباً زماناً طویلا وکان یزور الحسین وشھداء الطفوف فی کل یوم من الایام ویھدی ثوابھا الی والدیه وکبرائه والی اموات المومنین من احبابه وحیث کانت قوۃ عینه فی العبادات واقباله علیھا اوجب علی نفسه بعض الاذکار والزیارات المندوب الیھا الی ان مرض وارتحل الی جوار رحمة اللہ عزوجل۔

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر کرتے ہیں:

”حقیر کثیرالتقصیر بسیار حاضر خدمت فیض درجت آنجناب بودہ ام وآنجناب را در اوصاف تواضع وحلم وزہد ومروت ومحاسن اخلاق وسکینہ ووقار والتزام اکثر آداب مستحبہ قلیل النظیر یافتہ ام بسیار مقدس ورحیم وکریم ورقیق القلب وکم سخن بود ودر اواخر عمر خود ازمدتی مدید معاشرت اکثر مردم را ترک فرمودہ بود ہرگاہ از خانہ فیض کاشانہ خود بیرون تشریف می آورد غالبا ازد وحال خالی نبود یا برائے نماز متوجہ مسجد می شد یا برائے سعی در حوائج بعض مومنین الخ۔۔۔۔

تصانیف

(۱) حواشی اقلیدس (۲) رسالہ عربیہ درانچہ بہ انشاء اللہ گفتن تعلق دارد (۳) رسالہ در احکام اموات (۴) رسالہ در علم تجوید (۵) تذکرۃ الشیوخ والشبان، مواعظ (۶) کتاب مبسوط درعلم کلام

اولاد

(۱) جناب مولوی حسن مثنّی صاحب مرحوم (۲) جناب مولوی سید حسن معروف سید مہنا مرحوم

وفات

۱۱؍ ماہ شوال ۱۲۶۰ھ کو لکھنؤ میں انتقال کیا ۵۴؍ سال دو ماہ ۲۰ یوم کی عمر تھی۔ حسینیہ غفران مآبؒ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ

قطعۂ تاریخ

سید حسن آں سید عباد زمن
درخلد بریں رفت بہ گلگشت چمن
معنی حدیث از سر الہام بخوان
سردار جوانان جنان است حسن
۰ ۶ ۳ ۱ ھ

جناب مفتی صاحب مرحوم

سید حسن کہ سید عباد عصر بود
برخواست از جہاں وجناں را وطن گرفت
در مسجد شریف کہ خالیست جائے او
محراب وطاق صورت بیت الحزن گرفت
سید بارتحال رقم کرد سال فوت
زہد و ورع عزائے جناب حسن گرفت
۰ ۶ ۲ ۱ ھ

آیۃ اللہ مولانا السید مہدی طاب ثراہ

ابن حضرت غفران مآبؒ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب کے فرزند جن کی ولادت ۱۲۰۸ھ میں بمقام لکھنؤ ہوئی۔

اپنے والد ماجد کی خدمت میں زانوے تلمذ تہ کیا اور تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہوئے صاحب نجوم السماء تحریر فرماتے ہیں۔

''فاضل ذکی وعالم المعی صاحب قوت قدسیہ ونفس ملکیہ وجامع فضائل جلیلہ بود باوجود حداثت سن در حدت ذہن وجودت طبع وذکا وعلم وعرفان وصلاح وتقوی گوے سبقت از امثال ربودہ۔''

سید العلماء طاب ثراہ جناب سید ہادی صاحب (فرزند جناب سید مہدی صاحب) کے اجازہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''سید مہدی مرحوم ہم تینوں بھائیوں سے فضل وکمال میں سبقت لے گئے تھے نہایت دقیق النظر تھے درس کے وقت ہمیشہ روے خطاب والد مرحوم کا انھیں کی طرف ہوتا تھا نہایت جدید الذہن تھے عمر کا زیادہ حصہ شب بیداری میں بسر کیا ہمیشہ تحقیق مسائل وتنقیح دلائل میں اجتہاد کرتے تھے ان امثال میں کوئی اس مرتبہ پر فائز نہ تھا۔ بااین ہمہ خلوت وعزلت ہمیشہ محبوب رہتی ہے اور لذات دنیوی سے محترز رہے موت کو بیشتر یاد کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عنفوان شباب میں مریض ہوئے اور ۲۳ رسال کی عمر میں آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔ جناب غفران مآبؒ عالم ضعیفی میں اس جانکاہ صدمہ سے بے حد متاثر ہوئے اور اس زخم کے اندمال کے لئے کتاب مسکن

القلوب تحریر کی جس میں مصائب مظلوم کربلا کا تذکرہ ہے دیباچہ میں اکثر اوصاف حمیدہ سید مہدی صاحب مرحوم کے تحریر فرمائے ہیں۔

اولاد میں صرف عمدۃ العلماء سید ہادی صاحب کو یادگار چھوڑا جن کی عمر ان کی وفات کے وقت ۳۰ سال کی تھی۔ تصنیف و تالیف کی فرصت ہی زمانہ نے نہ دی تاہم بعض حواشی و تحقیقات مسائل ان کی یادگار ہیں۔

حسینیہ غفران مآب میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ

مصرع تاریخ وفات

گفتہ۔ زخلق مہدی ہادی نہاں شدہ

۱ ۳ ۲ ۱ ھ

اعلم عالم قبلہ و کعبہ آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء

سید حسین

علیین مکانؒ ابن حضرت غفرانمآبؒ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی

ولادت

جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اولاد امجاد کے ناموں میں ترتیب اسمائے معصومین کا لحاظ رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے بڑے فرزند کا نام سید محمد رکھا۔ ان سے چھوٹے کا نام سید علی، ان کے بعد سید حسن، یہاں تک نام بالترتیب رکھے۔ جناب سید حسن کے بعد جو فرزند پیدا ہوا اس کا نام سید مہدی خلاف سلسلہ رکھا۔ حالانکہ اصول ترتیب سے ان کا نام سید حسین ہوتا۔ چنانچہ خواب میں دیکھا جناب سید الشہداء تشریف لائے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم نے پہلے ترتیب کا لحاظ کیا مگر اس مولود کے نام میں تم نے اس سلسلہ کو نظرانداز کیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے عرض کی یہ فرزند میرے یہاں اس وقت پیدا ہوا تھا جب میرے اعضاء میں پیری کے آثار نمایاں تھے اور شیب نے قویٰ کو کمزور کر دیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ میرا آخری فرزند ہے اس لئے میں نے اس کا نام آپ کے سلسلۂ مبارکہ کی آخری فرد کے نام پر رکھا۔ (اوراق الذہب از جناب مفتی صاحب)

اس خواب کی تعبیر یوں ظاہر ہوئی کہ ۱۴/ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ کو جناب سید العلماء کی ولادت ہوئی۔ اور جناب غفران مآبؒ نے حضرت سید الشہداء کے امتثال امر میں اس مولود کا نام سید حسین رکھا۔ ''خورشید کمال'' تاریخ ولادت ہے اور جناب مفتی صاحب نے حسب ذیل قطعہ اس تہنیت

میں فرمایا تھا ؎

بارك الله لنا في نجل
طيب المولد مولى الورع
دوحة شامخة سامكة
ثابت الاصل عظيم الفرع
اوضح السيّد عن مولدة
طلع شمس سماء الشرع

تحصیل علوم

سید العلماء نے عہد طفلی سے استفادۂ علوم جناب غفران مآب سے کیا۔ علاوہ کتب درسیہ حسب ذیل کتابیں اپنے والد سے پڑھیں:

(۱) عماد الاسلام (جناب غفران مآب کی گراں قدر تصنیف) (۲) شرح اربعین شیخ بہاء الدین عاملی (۳) اصول کافی کلینیؒ (۴) منتی الجمان شیخ حسن بن شہید ثانی۔

جس زمانہ میں جناب غفران مآبؒ کو کوئی امر مانع ہوتا تھا تو آپ کی تعلیم آپ کے برادر معظم سلطان العلماء سے متعلق رہتی تھی۔ چنانچہ موصوف نے جناب سلطان العلماء کی خدمت میں سیف ماسح (تصنیف سلطان العلماء) اور سلم العلوم اور شرح سلم ملا حمد اللہ پر نظر ڈالی۔ تقریباً ۱۷ رسال کی عمر میں علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوکر درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ امجد علی شاہ انار اللہ برہانہٗ نے سید العلماء کا خطاب دیا۔ اس عمر میں ایک رسالہ ''تجزی فی الاجتہاد'' کے متعلق تصنیف کیا او ردوسرا ''رسالہ تحقیق شک درر کعتین اولین'' تصنیف کیا مگر بہ سبب شرم وحیا کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ یہاں تک جناب غفران مآبؒ سے بھی تذکرہ نہ کیا۔ صرف اپنے برادر مکرم سید مہدی صاحب سے اکثر اس کے مطالب میں مباحثہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز جناب غفران مآب نے

ارشاد کیا کہ مجھے یاد دلاؤ کہ تمہارے لئے اجازہ لکھوں۔ سید العلماء نے عرض کی کہ پہلے آپ اس تحریر کو ملاحظہ فرمایئے جو میرے قلم سے نکلی ہے۔ چنانچہ وہ رسالے پیش کئے۔ جناب غفران مآبؒ نے رسالوں کو دیکھنا شروع کیا اور اثنائے مطالعہ میں فرمایا کہ اس کی عبارت اور طرز تحریر سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مبتدی کی تصنیف ہے بلکہ کسی فارغ التحصیل منشی کی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ اس اثنا میں جناب غفران مآب پر مرض نے غلبہ کیا۔ اور وہ رسالے سلطان العلماء کے حوالے کئے اور سلطان العلماء نے تمام وکمال ملاحظہ کر کے بے حد پسند کئے۔

سلسلۂ روایت وحدیث جناب غفران مآبؒ ورضوان مآبؒ کے واسطے سے جناب آقا باقر بہبہانی اور آقا سید علی طباطبائی صاحب ریاض اور بحر العلوم آقا سید مہدی طباطبائی اور آقا محمد مہدی بن ہدایت اللہ اصفہانی اور مرزا محمد مہدی بن ابی القاسم شہرستانی طاب ثراہم تک پہنچتا ہے۔

جناب سید العلماء، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول، حدیث، کلام، تفسیر، تاریخ، اقلیدس ہندسہ، حساب، ہیئت غرض تمام علوم میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ علم قرأت اور تجوید میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ آپ کے بڑے بھائی جناب سید حسن صاحب اگرچہ علم تجوید میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور اپنے عہد میں مسلم الثبوت شخص تھے مگر مشکلات فن میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

(مفتی میر محمد عباس کی تصنیف اوراق الذہب سے ماخوذ)

علم ادب میں بھی کافی مہارت حاصل تھی۔ ہاں شعر سے فطرتاً ذوق نہ تھا۔ جناب تقی صاحب نے اس کو نہایت لطیف عبارت میں ادا فرمایا ہے جس سے اشارہ اس طرف بھی ہے کہ شعر نہ کہنا کوئی نقص نہیں۔ رسالت مآب بھی اس صفت میں شریک ہیں۔ فرماتے ہیں:

"الم یکفك فی الدلیل عبده الفقید الذلیل وانه لما کالملك الضلیل وهوانه من ایأته ورایة من ایأتیة فان ابیت الا التفصیل فهال لما القول وان ادی الی التطویل اما المنظوم فلا اشبة له ولا ادعی له وما علمناه

السّلام ومایںبغی لہ۔"

خدمات دینیه

بفرمائش جناب سلطان العلماء مدرسہ شاہی کا افتتاح ہوا۔ یہ پہلا مدرسہ تھا۔ جو تعلیم دینی کی غرض سے لکھنؤ میں قائم کیا گیا۔ جناب نقی صاحب نے ایک رسالہ ترغیب بنائے مدرسہ کے لئے تحریر کیا اور جناب ممتاز العلماء نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور بنائے مدرسہ کے لئے کوشش بلیغ کی۔ تجویز علامہ ممدوح سے جناب مفتی صاحب مدرس مقرر ہوئے۔

ایک رقم کثیر صاحب جواہر کے پاس نہر آصفی کے لئے بھیجی تاکہ زائرین ومجاورین کے لئے پانی کی سہولت ہو۔ روضۂ جناب مسلم وہانی بھی جناب سید العلماء کی توجہ سے تعمیر ہوا۔

مشاغل

سید العلماء ہمیشہ تدریس علوم وتصنیف کتب ومواعظ ودستخط مسائل وعیادت مرضیٰ اور قضائے حوائج محتاجین ومساکین میں مشغول رہتے تھے۔ اوقات شب وروز کو اس طرح تقسیم کیا تھا کہ آخر شب نماز جماعت کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور طلوع تک اذکار ونماز ہائے مستحبہ میں مشغول رہتے تھے۔ بعد فراغت نماز جماعت وتعقیبات مکان تشریف لاتے تھے اور تالیف وتصنیف، ملاحظۂ کاغذات ضروری میں مصروف ہوتے تھے اس کے بعد باہر آتے تھے۔ پہلے درس ہوتا تھا جس میں اکثر علماء وفضلاء شریک ہوتے تھے۔ پھر معروضات اہل حوائج ملاحظہ کرتے تھے۔ بعد زوال مسجد میں نماز جماعت کے لئے جاتے تھے۔ تعقیبات نماز عصر کے بعد سلطان العلماء کی خدمت میں ایک ساعت تک حاضر رہتے تھے۔ پھر مکان آکر پڑھانے میں مصروف ہوتے تھے۔ نماز مغرب باجماعت مکان ہی پر ہوتی تھی۔ بعد نماز دستخط مسائل ودرس میں تقریباً نصف شب تک مصروف رہتے تھے۔ باوجود کثرت اشغال اکثر قرآن مجید لکھنے میں بھی مشغول رہتے تھے۔

چنانچہ کتب خانۂ جنت مآب میں آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف موجود ہے۔ بخط نستعلیق

ومحشی جس کی کتابت سے ۲۵ / جمادی الآخر روز یکشنبہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے فراغت پائی۔

صفات و عادات

جناب سید العلماء مجمع صفات وکمال تھے۔ ان کی زندگی سیرت ائمہ کا نمونہ تھی۔ ہمیشہ بوسیدہ لباس پہنتے تھے اور معمولی سے معمولی غذا کھاتے تھے۔ لذائذ دنیا سے ہمیشہ محترز رہتے تھے۔ اکثر بوسیدہ لباس زیب بدن رہتا تھا۔ عرصہ تک کوئی گھر اپنی سکونت کے لئے نہ لیا۔ زہد کی یہ حالت تھی کہ ایک دن گھر میں آئے اور گرسنہ تھے۔ کسی خادمہ نے کھانے کی فرمائش نہ کی۔ خود جستجوئے طعام میں مصروف ہوئے۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک روٹی اور ایک پیالہ رکھا ہوا ہے آپ نے شوربہ خیال کر کے روٹی کے ساتھ کھالیا۔ اتفاق سے وہ ایک بیمار بچے کی دوا تھی۔ جب اس کا وقت آیا تو دوا تلاش کی گئی۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کہاں رکھی تھی۔ خادمہ نے پتہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو شوربہ سمجھ کر روٹی کے ساتھ کھالیا۔

اس طرح بذل وایثار میں بھی آپ اپنے عہد میں عدیم النظیر تھے۔ عراق وایران سے سائنس کے سوال پہنچتے تھے اور ان کا انجاح مرام ہوتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ زکوۃ کا روپیہ تقسیم کر چکے اور مکان میں جانے لگے تو فقراء نے دامن پیراہن پکڑ لیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ ایک مرتبہ آپ گھر سے باہر تشریف لے چلے دو فقیروں نے آ کر گھیر لیا اور کچھ مانگا، اس وقت آپ مجبور تھے، عذر کیا کہ کچھ موجود نہیں۔ دونوں فقیروں نے آپ کی ردا کو گردن میں باندھ کر کھینچا قریب تھا کہ گلا گھٹنے لگے جناب سید علی نقی صاحب آپ کے فرزند دیکھ رہے تھے دوڑ کر ردا گردن سے کھولی اوران فقیروں کو مار کر ہٹایا۔ جناب سید العلماء جناب نقی صاحب سے اس بات پر عرصہ تک ناراض رہے کہ ان کو مارا کیوں؟ بعد میں ان فقراء کی حاجت کو کسی طرح پورا کیا۔

خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ دشمنوں سے بھی کبھی کینہ دل میں نہیں رکھا۔ آپ کی صحبت میں اکثر لوگ شور وشغف کرتے تھے۔ خصوصاً سائلین جو بعض اوقات حسن ادب کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے۔

مگر آپ کسی سے چیں بہ جبیں نہ ہوتے تھے۔ اور ہر ایک سے بمقتضائے وقت کلام کرتے تھے۔

عبارت بھی ان کی اس پایہ کی تھی جس کا مخالفین تک اعتراف کرتے تھے۔ محافل عید میں کثرت معانقہ سے جب ضعف محسوس ہوتا تھا تو فرماتے تھے:

بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد

اس عہد کے ایک رئیس محترم سے آپ نے کسی محتاج کی سفارش کی تھی اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد تعمیل ارشاد بجالاؤں گا۔ مکان پر جا کر ملاہیٔ دنیا میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن جب راہ میں جناب سید العلماء سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا:

ھل انت علی العھد الذی فارقتنا علیه۔

روز پنجشنبہ نماز صبح کی پہلی رکعت میں سورہ ہل اتی اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ کی قرأت فرماتے تھے۔ کچھ رات باقی رہتی تھی جب مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور نافلۂ فجر وفریضہ پڑھنے کے بعد تعقیبات وسجدۂ شکر، زیارت پڑھتے تھے۔ اکثر مریضوں کی عیادت کرتے تھے اور ان کی تیارداری میں کوشش کرتے تھے بعد فراغت نماز اپنے اساتذہ اور آبائے کرام اور دیگر برادرانِ ایمانی کے لئے دعا کرتے تھے۔

جب نماز کے بعد لوگ مصافحہ کے لئے ہجوم کرتے تھے تو فرماتے تھے:

غفر اللہ لنا ولکم وتقبل اللہ اعمالنا واعمالکم۔

جب پانی پیتے تھے تو سید الشہداء کی تشنگی یاد کرتے تھے۔

جب ہنستے تو فرماتے تھے: اللّٰھم لا تمقتنی۔

جب قبور پر گذرتے تھے تو سورۂ حمد اور انا انزلنا پڑھتے تھے۔

جب کسی مردہ مومن کا ذکر ہوتا تھا تو رحم اللہ کہتے تھے۔

جب کوئی ملنے آتا تھا تو خود ابتدائے سلام کرتے تھے اور نہایت اخلاق سے پیش آتے تھے۔

جب کسی فعل کا ارادہ کرتے تھے تو پہلے استخارہ کرتے تھے ہفتہ میں تین روز بعد عصر موعظہ بیان کرتے تھے۔ دوشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ۔ اکثر نوافل مکان کے اندر ادا کرتے تھے کہ کوئی مطلع نہ ہو اور خلوص باقی رہے۔ اکثر داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر رکھ کر سوتے تھے۔

جناب مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب زکوۃ کا روپیہ سلطان العلماء کے یہاں سے سید العلماء کے پاس آتا تھا تو اکثر فقراء و مساکین بغرض سفارش میرے پاس آتے تھے۔ میں ان سب کے نام ایک کاغذ پر لکھ لیتا تھا لیکن اس کا خیال رکھتا تھا کہ جو زائد مستحق ہوں ان کا نام مقدم کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک کاغذ پر نام لکھ لئے جب سید العلماء کی خدمت میں جانے لگا تو ایک گروہ ایسا آیا جو سب سے زیادہ مستحق تھا۔ میں نے آخر میں ان کے نام لکھ لئے۔ اتنا وقت نہ ملا کہ ناموں کو ترتیب سے لکھتا۔ جناب سید العلماء کی خدمت میں وہ کاغذ پیش کیا۔ آپ نے نام کے مقابل میں ایک مقدار روپیہ کی لکھنا شروع کی اور بہ ترتیب استحقاق روپیہ گھٹاتے چلے گئے یہاں تک کہ ان لوگوں کے نام تک پہنچے جو آخر میں تھے۔ میرا خیال تھا کہ یہاں اور زائد کمی کردیں گے مگر میں نے دیکھا کہ سید العلماء نے وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ رقم بڑھا دی اور ترتیب کو بدل دیا۔

جناب سید العلماء باعتبار علم و عمل ایک فرد فرید تھے۔ مفصل حالات ان کے جناب مفتی صاحب قبلہ نے اوراق الذہب میں تحریر فرمائے ہیں۔

تصانیف

(۱) پہلی تصنیف رسالہ تجزی فی الاجتہاد ہے جو تیرہ سال کے سن میں تصنیف فرمایا تھا۔ (۲) رسالہ در تحقیق جواز تقلید میت۔ (۳) رسالہ مسئلہ شک در رکعتین اولین۔ ان دونوں رسالوں کو بھی عنفوان شباب میں لکھا تھا اور جناب غفران مآب کی نظر سے گذر چکے تھے۔ (۴) مناہج التدقیق در معارج التحقیق کتاب الصلوٰۃ۔ جس کو دیکھ کے صاحب جواہر نے بہت بڑا خط، کتاب کی تعریف میں بھیجا تھا۔ (۵) وجیز رائق علم فقہ میں جس کو اپنے فرزند سید تقی صاحب کے لئے تصنیف کیا تھا۔

(۶) روضۃ الاحکام کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب المیراث (۷) رسالہ مبسوط دراحکام میراث (۸) حدیقۂ سلطانیہ درعلم کلام فارسی توحید وعدل ونبوت وامامت (۹) رسالہ وسیلۃ النجات فارسی دراصول دین تا آخر بحث نبوت (۱۰) رسالہ اصالۃ الطہارہ عربی (۱۱) رسالہ منع از بیع مالیات نجس و متنجس (۱۲) طرد المعاندین فارسی (۱۳) حاشیۂ ریاض المسائل کتاب الصوم وکتاب الھبہ، کتاب الصدقہ عربی (۱۴) حواشی شرح ہدایۃ الحکمہ ملاصدراؒ عربی (۱۵) رسالہ در تحقیق نسبۃ بین الحقیقۃ والمجاز (۱۶) تفسیر سورۂ حمد، جونہایت مبسوط ہے۔ (۱۷) تفسیر سورۂ بقر از اول سورہ تا چند آیات (۱۸) تفسیر سورۂ ہل اتیٰ (۱۹) تفسیر سورۂ توحید (۲۰) تفسیر آیہ **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** متضمن بر نقض کلام فخر رازی (۲۱) مجالس مفجعہ مشتمل بردوجلد درحالات اصحاب کساء (۲۲) امالی التفسیر والمواعظ (۲۳) فوائد فی تنقیح العقائد ملقب بافاداتِ حسینیہ (یہ آخر تصنیف ہے)

اولاد ذکور

(۱) جناب زین العلماء عضد الدین السید علی حسین مرحوم مغفور (۲) جناب ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی مرحوم ومغفور (۳) جناب زبدۃ العلماء سید علی نقی طاب ثراہ (۴) جناب مولوی سید عبدالجواد صاحب مرحوم

تلامذہ

(۱) استاذ الاساتذہ مفتی سید محمد عباس شوستری طاب ثراہ (۲) سلطان المتکلمین مولانا سید حامد حسین کنتوری اعلی اللہ مقامہٗ (۳) مولانا سید مہدی شاہ صاحب مرحوم (۴) مولوی میر مرتضیٰ خاں (۵) قائمۃ الدین مولانا محمد علی (۶) مولوی مرزا فخر الدین احمد خاں مرحوم (۷) مولانا سید محمد باقر واعظ موسوی مرحوم (۹) مولوی منور خاں مرحوم (۱۰) مولوی شاکر علی مرحوم (۱۱) مولوی سید کاظم رشتی (۱۲) سید امان علی مرحوم (۱۳) سید سجاد علی مرحوم (۱۴) میر عبدالعلی مرحوم (۱۵) مولوی سید محمد مرحوم (۱۶) مولوی مرزا محمد حسن (۱۷) مولوی مرزا کاظم علی مرحوم (۱۸) مولوی سید نظام الدین

مرحوم (۱۹) مولوی حکیم مرزا جواد علی (۲۰) مولوی کلیم مرزا علی شریف (۲۱) مولوی سید مرتضیٰ مرحوم (۲۲) مولوی مرزا اعظم علی مرحوم (۲۳) مولوی مرزا مغل مرحوم (۲۴) مولوی میر علی اصغر مرحوم (۲۵) مولانا سید علی نقی طاب ثراہ (۲۶) مولوی سید عابد حسین عرف سید علی بخش مرحوم (۲۷) مولوی مرزا اسمٰعیل (۲۸) مولوی سید احسان علی (۲۹) مولوی سید خدا بخش (۳۰) مولوی سید پناہ علی (۳۱) مولوی مرزا محمد اخباری (۳۲) مولانا السید اولاد حسین (۳۳) مولانا حکیم مرزا غازی (۳۴) مولوی میر حیدر علی (۳۵) علامہ غلام حسنین کنتوری (۳۶) حکیم اکبر شاہ صاحب

وفات

شب شنبہ ۱۷ رصفر ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸ راکتوبر ۱۸۰۶ء بعمر ۶۳ رسال مرض تپ میں مبتلا ہوکر انتقال کیا۔ اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ شعراء نے بکثرت تاریخیں اور مرثیے نظم کئے جن میں سے مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ایک قطعہ اور مرثیہ درج کیا جاتا ہے:

تاریخ وفات سید العلماء سید حسین علیین مکان

حسین ابن علی آبروی علم وعملی
کہ سید العلماء نقش خاتمش بودی
نماند وماندی اگر بودی پنج سال دیگر
غم حسین علی سال ماتمش بودی

مرثیۂ سید العلماء از مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی

زیں خرابی کہ در جہاں افتاد
بگزر از خاک کا سماں افتاد
چشم ودل غرق خون یک دگر است
زیں کشاکش کہ درمیاں افتاد

می کشد بے سنان ودشنه و تیر
غم بر احباب مہرباں افتاد

شعله در چرخ ناگرفت گرفت
لرزه بر عرش ناگہاں افتاد

جست از سدره طائر قدسی
کش ازاں نخل آشیاں افتاد

زیں قیامت که نے بہنگام است
در حرم شور الاماں افتاد

آنچناں جوش خورد از تف غم
کاب زم زم زنا وداں افتاد

از فرازِ فلک گزار مسیح
سوئے ایں پست خاک داں افتاد

مردن خواجه چوں به کعبه شنید
مرده آساز نردباں افتاد

خوں زغم در دل کلیم افسرد
لا جرم عقده برزباں افتاد

گر فرووافتد آسماں به زمیں
باقضا در نمی تواں افتاد

گشت داغِ غم حسینِ علی
تازه در ماتم حسینِ علی

از زبان ہا بہ معرض آثار
خوں فرومی چکد دمِ گفتار
عالمی راست در نہان وعیاں
دل غم اندوز ودیدہ دریا بار
درد ایں سوفشردہ پا در دل
اشک آں سود و یدہ بر رخسار
ماجرا از خرد پژوہش رفت
گفت می بیں ودم مزن زنہار
دیدہ باشی کہ خواجہ چوں می زیست
لختی آں فرو فرخی یاد آر
رگ برگے از و نیافت گزند
دل مورے از وندید آزار
داد تن چوں بخواب باز پسیں
بادل شاد و دیدۂ بیدار
برد اللہ گرد مضجع او
نقش بستند بر در و دیوار
می نہ سوز دز تاب شعلہ شمع
بال پروانۂ چراغ مزار
مرگ سید حسین آساں نیست
دہر آرد چنیں کسے دشوار

از صفر روز رفت چوں دہ وہفت
شب شنبہ بزاد روز شمار
ماہ وتاریخ گز امام رضاؑ ست
ماہ وتاریخ سید العلما ست
آں امام ہمام یزداں داں
قہرمان قلم رو ایماں
آں کہ گر نطق او نشاں نہ دہد
نہ رسد کس بہ معنی قرآں
آنکہ گردوں بدیں توانائی
باشد ش گوئے در خم چوگاں
آنکہ باو ے بہشت ودوزخ را
چارہ نبود زبردن فرماں
صفت ذات و ے بشرط وجوب
در نہ گنجد بہ حیز از امکاں
جوہرش را عرض بود اسلام
ایں نپاید اگر نباشد آں
از اولی الامر ثامن وضامن
کہ نجات نفوس راست ضماں
حسب دعوت بما من ماموں
گشت مہر سپہر دیں مہماں

آں ستم پیشه راہمی بایست
که کند خدمت از بن دنداں

بریاء ونفاق وخدعه و زرق
کرد لطف ومروت واحساں

به ولی عہدیش فریفت مگر
می ندانست پایۂ سلطاں

خیره سر بیں که در حمایت عہد
پادشه را دہد ولایت عہد

گفت ماموں شبی به چند غلام
که ہمی دوں دریں شبا ہنگام

پائے از سر کنید وبشتا بید
سوئے بنگاه قبله گاه انام

گر بود در فراز زود از و
باید آمد فرود از رہِ بام

پس بداں پائے کش صدا نبود
جانب خواب گه کنید خرام

یکسره برسرش فرود آرید
تیغہائے برآمده زنیام

ابر من گوہران تیره دروں
خانه زاد سواد ظلمت شام

شاہ را یافتند تا جستند
صحن وایوان آں خجستہ مقام
بود آندم درون حُجرۂ خاص
برنہالی برخت خواب امام
اوصیا راست از نہایت قرب
جامۂ خواب جامۂ احرام
تیغہا برسرش فرود آمد
ہم چناں کز خدا درود وسلام
ہمہ باز آمد ندو دانستند
کار ماہ تمام گشت تمام
بستر از خون پاک نم نہ گرفت
برتنش ہیچ موئے خم نہ گرفت
پیکر خواجہ بود چشمۂ نور
چشم بد باداز نکو یاں دور
نور دیدے شود بہ تیغ دو نیم
خوں شنیدی چکد زرخشاں ہور
تو ویزداں بود چنیں پیکر
در خور زخم دشنہ ساطور
نہ پیمبر گزاشت در گیتی
اہل بیت وکلام رب غفور

پایۂ اہل بیت تا دانی
ہست تو ام به ایزدی منشور
گر نه خفاش تیره روز ستے
روز ماندے از وچرا مستور
کے فروز د ظہور نور دلش
آں که دز دد نگه زنور ظہور
دیده باشی که نور در سر سام
برنتا بد طبیعت رنجور
حاسداں را ازیں مشاہده شد
سینه ہا ریش وریشہاناسور
در خلاف خلافت از ره کیں
بود چوں کشتن امام ضرور
عاقبت میزبان مہماں کش
شاه راز ہر داد در انگور
زائراں را کنوں به مشہد طوس
آسماں آید از پئے پا بوس
قصۂ سینه سوز وزہره گداز
گفته آمد به شیوۂ ایجاز
ناز پروردۂ نیازی ہست
عجز من در گذارش اعجاز

من بداں سوختن نساختہ ام
کہ توانم شناخت سوز از ساز
زا سمانم شکایتست عظیم
بر زبانم حکایتست دراز
اینت آشوب دل زخوں پُرکن
اینت رنج تن از رواں پرداز
مرد سید حسین وبُرد غمش
ازد لم تاب واز لبم آواز
تا چہابا رسول بودش روے
تا چہابا خدائے بودش راز
خاست در حاملان عرش عظیم
شور وشیون ز شہپر پرواز
پایۂ عرش ہشتہ اند زدست
تاگذارند بر جنازہ نماز
در جہان مثال دار ندش
میہماں برسماط نعمت وناز
بہرا حیای رسم جہد وجہاد
خواجہ ہمپائے مہدی آید باز
آفریں بر روان پا کش باد
مہر از ذرہ ہائے خاکش باد

دگر اے دل بخوں شناور باش
آشنا روئے دیدۂ تر باش

کمتر از شمع در شمار نۂ
پائے بر جادر آب وآذر باش

خویشتن را فگن در آتش تیز
گرنہ پروانہ سمندر باش

تا نیای زلا غری بنظر
تارے از تار ہائے بستر باش

گرگریباں زتست چاکش کن
ور رگ جاں زتست نشتر باش

واحسنیا بگوئے ودر گفتن
بفغاں آئے وشور محشر باش

دیدہ را گرد وخار و پیکاں شو
سینہ را تیر وتیغ وخنجر باش

غم میرا جل غم دینست
غالبؔ از غصّہ خاک بر سر باش

گفتہ باشی کہ زارو غمزدہ ام
لختے از خویشتن فزوں تر باش

خیز وگرد مزار خواجہ بگرد
باسپہر بریں برابر باش

بیتے از خود بسینه می خلدم
می کنم مویه گو مکرر باش
گشت داغ غم حسین علی
تازه در ماتم حسین علی

علامہ سید العلماء علیین مکان علیہ الرحمۃ والرضوان

استاذ العلماء علامہ سید گلاب علی شاہ بخاری

جامعۃ العربیہ مخزن العلوم ملتان پاکستان

قبلہ وکعبہ آیۃ اللہ العظمٰی بحر العلوم سید العلماء مولانا ومولیٰ الکونین السید حسین علیین مکانؒ ابن اعلم العلماء العظام وافقہ الفقہاء الکرام محیی الملۃ مجدد الشریعۃ ماحی البدعۃ قاطع الصوفیت والاخباریۃ آیۃ اللہ العظمٰی السید دلدار علی النقوی المعروف بہ غفران مآب کی فلسفۂ توحید پر لاثانی کتاب حدیقۂ سلطانیہ (فارسی) حصہ اول کے ترجمے خزینۂ ایمانیہ کے آخر میں جو مضامین ترجمہ فرمائے ہیں پیش ہیں۔

کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کے آخر میں جن بلند پایہ الفاظ کے ساتھ مصنف علام کا تذکرہ موجود ہے۔ اختصاراً اسے درج کیا جاتا ہے۔ امام ہمام، حَبر علام، نحریر قمقام حجۃ الاسلام، شمس فلک افادات، بدر سماء افاضات، محیط نقطۂ کرم، مرکز دائرہ ھمم، معدن کمالات انسانی، مخزن فواضل نفسانی، مہبط فیوض ربانی، منزل برکاتِ سبحانی مقتدائے عادل، ہادی کامل، زنگ زدای مرأت تدقیق، مصنقل آئینۂ تحقیق، درج رفعت واعتلاء کے گوہر درخشاں، برج مجد وعلا کے اختر تاباں، غصن دوحۂ امامت وولایت، ثمر شجرہ نبوت ورسالت، نور حدیقہ افتاء واجتہاد، نور حدقہ ہدایت وارشاد، مجمع فضائل رضیہ، منبع شمائل مرضیہ، صاحب قوتِ قدسیہ، مالک ملکاتِ ملکیہ، ممہد ارکان شریعت خیر البشر، مشید بنیان ملت ائمہ اثناعشر، جامع معقول ومنقول، ہادی فروع واصول، مرجع علماء فحول، موسس دین رسول، ملاذ فضلاء کاملین، ملجاء علماء عالمین، افضل المتکلمین العلام، اکمل المحققین آیۃ اللہ فی العالمین، فخر المتفقہین الکرام، خاتم المجتہدین العظام، ظہیر الملت والدین، مولانا ومولی الخافقین سید

العلماء السید حسین اسکنہ اللہ بحبوحۃ جنانہ وافاض علیہ شہابیب رضوانہ۔

آپ کے علم وکمال کا جھنڈا تابفلک بلند ہوا۔ اور آپ کے فضل وجلال کا ذکر خیر روئے زمین کے مشرق ومغرب تک پہنچا۔ آپ کے مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف سے آفاق دنیا معطر ہوئے اور آپ کی تحقیقات عالیہ کی شعاعوں نے مثل آفتاب عالم تاب اطراف عالم کو روشن اور منور کیا۔ آپ کے فضائل ومناقب حد احصاء سے زیادہ ہیں۔ اور آپ کے علوم وکمالات کے بیان سے زبان عاجز ہے اور قلم قاصر ہے۔

علماء کرام وفقہا عظام نے اپنے تقریظات میں جن بلند پایہ الفاظ سے ان کا ذکر خیر کیا اور جن باعظمت القاب سے ان کو نوازا ہے۔ ان سے آپ کی جلالت قدر اور رفعت شان پر کافی روشنی پڑتی ہے اور ان کے علم وفضل کی بلندی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نسب شریف وتاریخ ولادت

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی اپنے جد امجد ثالث ائمہ اطہار خامس، اہل کساء حضرت سید الشہداء علیہ وعلی جدہ وابیہ وامہ ونبیہ المعصومین الاف التحیۃ والثناء کے نام مبارک پر سید حسین ہے۔ علیین مکان لقب ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ علی الانام اجمعین علامہ دھر وحید عصر جناب سید دلدار علی غفران مآب اعلی اللہ مقامہ ورفع درجاتہ فی دار الکرامہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کا شجرۂ عالیہ چوبیسویں پشت پر عاشر ائمہ معصومین حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے اتصال پذیر ہو جاتا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت بتاریخ چودہ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ایک ہزار دو سو گیارہ ہجری کو سرزمین لکھنؤ پر ملک ہندوستان میں واقع ہوئی۔ خورشید کمال آپ کی ولادت کا مادۂ تاریخ ہے۔ آپ اپنے چار برادران بزرگ سید محمد، سید علی، سید حسن اور سید مہدی کے بعد تولد ہوئے۔ اسوۃ المتکلمین، قدوۃ المجتہدین، اکرم الناس حضرت علامہ مفتی سید محمد عباس اعلی اللہ مقامہ اپنی کتاب اوراق الذہب میں

رقم طراز ہیں کہ بعض باوثوق حضرات کا بیان ہے جب آپ کے برادر بزرگ جناب سید مہدی اعلی اللہ مقامہ اپنے تین برادران سید محمد، سید علی اور سید حسن اعلی اللہ مقامہم کے بعد تولد ہوئے تو جناب کے والد ماجد حضرت علام غفران مآب اعلی اللہ مقامہ نے حضرت جناب سید الشہداء امام حسینؑ کی عالم خواب میں زیارت کی۔ امام عالی مقام علیہ التحیۃ والسلام نے حضرت علامہ غفران مآب اعلی اللہ مقامہ سے سبب دریافت کیا کہ آپ نے اپنے فرزندان کے نام تجویز کرنے میں جس ترتیب کو ملحوظ رکھا تھا اپنے اس چوتھے فرزند کا نام تجویز کرتے وقت اس ترتیب کا لحاظ کیوں نہیں کیا۔ کیونکہ ترتیب مذکور کا تقاضا یہ تھا کہ چوتھے فرزند کا نام سید حسین رکھا جائے نہ کہ سید مہدی، تو حضرت علامہ علیہ الرحمۃ نے جواباً عرض کیا کہ میرا یہ فرزند میری زندگی کے ان ایام میں پیدا ہوا کہ جب میں کبیر السن ہو چکا ہوں۔ قویٰ ضعف پذیر ہو گئے ہیں لہٰذا مجھے یہ خیال دامن گیر ہوا کہ اب میرا کوئی اور فرزند تولد پذیر نہیں ہوگا اور یہ میرا آخری فرزند ہوگا۔ اس لئے میں نے اس کا نام قائم آل محمد علیہم السلام کے نام پر سید مہدی تجویز کیا۔ کیونکہ قائم آل محمد سلسلۂ معصومین کے آخری فرد ہیں۔

حضرت سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا کہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، جیسا آپ کو خیال ہوا بلکہ عنقریب آپ کا ایک اور پاکیزہ فرزند ہوگا لہٰذا جب وہ تولد پذیر ہو تو اس کا نام میرے نام پر تجویز کیجئے گا۔ چنانچہ جیسے حضرت امام علی مقام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارت دی تھی ایسے ہی ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے حضرت علامہ غفران مآبؒ کو بعد از سید مہدی ایک اور فرزند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے اپنے جد امجد حضرت امام حسین ۔ کے ارشاد پاک کے مطابق سید حسین رکھا جو یہی ہمارے ممدوح حضرت علامہ فہامہ ملقب بہ علیین مکان ہیں۔

بچپن اور زمانۂ تعلیم کے حالات

آپ اپنے عہد طفولیت اور زمانۂ بچپن میں ہمیشہ لہو ولعب اور کھیل کود سے کنارہ کش رہے۔ ابتدائی نشوونما کے زمانہ میں بھی آپ مسلسل تحصیل علوم وفنون میں مصروف رہے۔ دیگر بچوں کی طرح

کھیل کود وغیرہ سے کوئی محبت نہ تھی ہمیشہ اپنے اوقات کو اکتساب کمالات میں صرف کیا آپ نے علوم وفنون کا تمام تر استفادہ اپنے والد ماجد حضرت آیۃ اللہ غفران مآب اعلی اللہ مقامہ اور اپنے برادر بزرگ سلطان العلماء حضرت سید محمد رضوان مآب رضوان اللہ علیہ سے کیا۔

آپ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتکلمین مخزن مدرسین عمدہ اساتذہ عظام زبدۂ جہابذۂ کرام ممتاز العلماء جناب سید محمد تقی اعلی اللہ مقامہ کے لئے جو اجازۂ اجتہاد تحریر فرمایا اس میں آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم بھی اور انتہائی بھی اپنے والد علام اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ سے حاصل کی۔ اسی اثناء میں والد گرامی کی طبع اقدس کچھ عرصہ کے لئے ناساز ہوگئی تو والد ماجد نے میرا درس برادرم بزرگ جناب سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ کے سپرد کردیا چنانچہ ایک زمانہ تک میں نے کچھ علوم حکمیہ فنون رسمیہ اور قدرے علوم دینیہ اپنے برادر بزرگسے حاصل کئے۔ جب والد بزرگوار کو مرض سے افاقہ حاصل ہوگیا تو پھر میرے اسباق والد گرامی کی خدمت میں عود پذیر ہوگئے۔

فرماتے ہیں کہ کتاب مرأۃ العقول کو جو عماد الاسلام فی علم الکلام کے لقب سے ملقب ہے۔ میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں پڑھا۔ یہ کتاب والد بزرگوار کی تصانیف عالیہ میں سے ہے۔ نیز کتب حدیث کا ایک حصہ بھی جیسے کہ شیخ بہاء الدین عاملی علیہ الرحمہ کی شرح اربعین، اصول کافی وفروعِ کافی اور کتاب منتقی الجمان کو والد ماجد سے پڑھا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ جمیع علوم وفنون کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوگئے اور مدارج اجتہاد میں سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز اور کامران ہوئے۔ آپ اگرچہ عمر میں اپنے تمام بھائیوں سے چھوٹے تھے لیکن میدان علم وفضل میں اکثر پر فوقیت رکھتے تھے۔ اور وجہ اس کی آپ کی طبع وقاد کی جودت، ذہن دراک کی حدت اور تیزی تھی۔ کیونکہ آپ اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے تمام علماء زمانہ وفضلاء روزگار کے سرتاج تھے۔ آپ نے نہایت بلند پایہ تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل تصنیفات وتالیفات عالیہ کا خزانہ اہل دنیا کو

عطا کیا۔

شرم وحیا کا معیار بلند

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنجناب کی زبان درفشان سے سنا کہ آپ نے فرمایا: سات سال کی عمر میں، میں نے رسالہ تجزی فی الاجتہاد کی تصنیف شروع کی بعد ازاں حکم ظن رکعتین اولین کے متعلق ایک رسالہ تصنیف کیا لیکن انتہائی شرم وحیا کے باعث یہ رسالہ جات میں کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا تھا البتہ اپنے بڑے بھائی جناب علامہ سید مہدی طاب ثراہ سے ان چیزوں کے متعلق مذاکرہ اور مکالمہ کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً تین سال بڑے تھے وہ جو کچھ لکھتے تھے مجھے دکھادیتے تھے اور میں جو کچھ لکھتا ان کی نظر سے گزار دیا کرتا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا کہ والد ماجد نے مجھے اجازہ اجتہاد تحریر کردینے کے بارے میں مجھ سے کلام فرمایا تو میں عرض گذار ہوا کہ اولاً حضور میرے ان رسالہ جات کو ملاحظہ فرمائیں جن کو میں تا حال تصنیف کر چکا ہوں تا کہ مجھے ان کے حسن وقبح سے آگاہی حاصل ہو کہ آیا وہ حضور والا شان کی نگاہِ عالی میں طرز مناسب اور معیار صحت وصواب کا درجہ حاصل کرسکتی ہیں یا نہیں؟

چنانچہ میری اس عرض داشت کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور میں نے اپنا تصنیف شدہ رسالہ ان کی خدمت میں پیش کردیا۔ والد بزرگوار جب اس رسالہ کے مضامین کو سماعت فرمارہے تھے اس دوران میں انھوں نے فرمایا کہ تقریر کا اسلوب اور تحریر کا طرز اور متانت تو اس بلند معیار پر ہے جو ایک مبتدی اور نو آموز سے صادر نہیں ہوسکتا لیکن ابھی رسالہ اختتام پذیر نہ ہوا تھا کہ بزرگوارم کی طبیعت بوجھل ہوگئی اور رسالہ کا ملاحظہ التوا میں پڑ گیا۔ لہٰذا برادرم معظم سلطان العلماء علامہ سید محمد رضوان مآب علیہ الرحمہ کو آنجناب والد بزرگوار نے فرمایا وہ رسالہ مذکور کو ملاحظہ کریں۔ اور پھر اس کی کیفیت کے متعلق انھیں مطلع کریں۔ چنانچہ حضرت سلطان العلماء طاب ثراہ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے رسالہ ملاحظہ فرمایا اور اسے بہت پسند فرمایا لیکن میں چونکہ اپنے تمام برادران سے خورد و سال

تھالہٰذامیں نے چاہا کہ میری جودت تحریر اور تبحر علمی کا حال ظہور پذیر ہو۔ اس لئے برادرم سلطان العلماء سے اس امر کے عدم اظہار کی التجا کی۔

پدر بزرگوار کے ھدایات پر عمل

آپ اپنے والد ماجد کے ارشادات کا تاثر لیتے اوران کے ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی ہمیشہ سعی اور کوشش کیا کرتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے برادرزادہ جناب عمدۃ العلماء سید محمد ہادی قدس سرہٗ کے لئے جو اجازہ تحریر کیا تھا اس میں آپ نے یہ تذکرہ فرمایا ہے کہ پدرم بزرگوار جناب اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ ہمیشہ فاضل طلبہ کو استنباط مسائل کے بارے میں پوری کوشش صرف کرنے اور انتہائی طور پر محنت کو بروے کار لانے کی ترغیب دلایا کرتے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ انھیں اس امر پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے میں نے ان ممالک میں علم دین کو رائج کرنے، فقاہت واجتہاد کی بنیاد قائم کرنے اور علوم ائمہ اطہار کی نشر واشاعت کے متعلق بڑی کوشش سے کام لیا ہے اور علم دین کے راستوں اور رشد وہدایت کے طریقوں سے ہر قسم کے خس وخاشاک کو دور کر کے انھیں خوب واضح اور روشن کر دیا ہے۔ مگر مجھے خطرہ ہے کہ کچھ مدت گزرنے اور میرے دنیا سے انتقال کر جانے کے بعد یہ آثار کہیں مٹ نہ جائیں اس لئے تمھیں بڑی توجہ، محنت اور جانفشانی سے کام کرنا چاہئے۔

والد ماجد کی ان ہدایات وارشادات کے باعث میں نے ابتداء سے ہی دامن ہمت کو سمیٹے رکھا اور کمسنی کے زمانہ میں ہی مسائل دقیقہ کو حل کرنے اور تحقیقات انیقہ پر مشتمل رسائل کی تصنیف وتالیف میں مصروف رہا۔ رسالہ تجزی فی الاجتہاد، مسئلہ شک در رکعتین اولیین، مسئلہ تقلید اموات میرے اس جذبے کے ثمرات ہیں۔

ان رسالہ جات میں سے بعض اعلیٰ حضرت غفران مآب اعلی اللہ مقامہ کی خدمت اقدس میں پیش کئے آنجناب نے ملاحظہ فرما کر پسند کیا۔ تحسین سے نوازا اور فرمایا کہ یہ کلام تو ایک فاضل ماہر

کے کلام کے مثل ہے۔ مبتدی اور نو آموز افراد کے کلام میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے اس کلام کا دامن پاک ہے۔

اجازۂ روایت احادیث

آپ کا سلسلہ اجازہ روایت احادیث اپنے والد ماجد اعلیٰ حضرت سید دلدار علی غفرآن مآب اعلی اللہ مقامہ اور برادر بزرگ سلطان العلماء حضرت علامہ سلطان العلماء سید رضوان مآب طاب ثراہ کے واسطہ سے جناب مستطاب مستغنی عن الالقاب، بحر ذاخر فقید ماہر محقق نحریر عدیم النظیر استاد الکل فی الکل آقا محمد باقر بھبھانی طاب مرقدہ سے اتصال پذیر ہوتا ہے۔ نیز جناب سید المحققین سند المدققین رئیس الفقہا الفخام یعسوب العلماء العلام مولانا آقا سید علی طباطبائی عطر اللہ مرقدہٗ سے اور جناب عالم عامل فاضل کامل، فقیہ جلیل مجتہد عدیم البدیل بحر العلوم مولانا سید مہدی طباطبائی نجفی روح اللہ ضریحہ سے اور جناب علامہ فخر خاصہ وعامہ سید السادات منبع الفضل والافادات متکلم عدیم العدیل مجتہد بے بدیل مولانا محمد مہدی ہدایت اللہ موسوی اصفہانی مشہدی طاب مشہدہ وطہر مرقدہ سے اور جناب عالم نبیل فاضل جلیل فقیہہ ربانی مرزا محمد مہدی بن ابن القاسم موسوی شہرستانی سقی اللہ ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ سے اتصال والحاق پذیر ہوتا ہے۔

مقلدین وعقیدتمندان

آپ کے زمانہ میں مومنین ممالک ہندوسندھ، دکن بنگال، پنجاب اور کشمیر آپ کے کمال علم وعمل، جودوسخا، تواضع وتورع، تقویٰ اور عفاف کا بصدق دل اعتراف واقرار کرتے ہوئے آپ کے عقیدت مندان اور آپ کی تقلید سے مشرف تھے۔ ان علاقہ جات کے شاہان وقت بھی آپ کی تعظیم وتکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے خصوصاً بادشاہ دین پناہ ثریا جاہ مصلح الدین ابوالمظفر محمد امجد علی شاہ جنت مکان انار اللہ) برھانہ کو جناب علامہ سے انتہائی عقیدت اور کمال خلوص حاصل تھا۔ چنانچہ شاہ عالی جاہ مذکور نے ازخود حضرت علامہ کے نام نامی واسم گرامی کی نقرئی

مہر تیار کرائی۔ چاندی ہی کے الفاظ میں آنجناب کے درج ذیل خطابات اس پر کندہ کرائے اور آپ کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ خطابات یہ تھے۔ حاوی علوم دین حامی سادات ومومنین حافظ احکام الہ مجتہد العصر سید العلماء اور تمام دفاتر مملکت کے اہلکاروں اور محررین کے نام حکم عالی صادر ہوا کہ جناب حضرت علامہ کے اسم گرامی کو ہمیشہ انھیں القاب سے ملقب کر کے تحریر کیا جائے۔

کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی تصنیف وتالیف بھی اسی شاہ ذی جاہ کی خواہش سے عمل میں لائی گئی اور حضرت علامہ کے ایماء پر اس نیک بخت بادشاہ نے طلبہ علوم دین کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں علماء کبار وفضلا ذی وقار کی مناسب مشاہرہ پر بحیثیت مدرس تعیناتی حضرت علامہ ہی کی رائے عالی پیرائے کے مطابق عمل میں لائی گئی اور طلباء کے لئے وظائف بھی مقرر کئے گئے۔

نیز بادشاہ دین پناہ سکندر جاہ ابوالمنصور ناصر الدین سلطان عالم محمد واجد علی شاہ نور اللہ مرقدہ بھی حضرت علامہ سے برابر راہِ عقیدت وخلوص پر ہی گامزن رہے اور ہمیشہ آپ کی انتہائی تعظیم وتکریم بجالاتے رہے۔ مدرسہ عالیہ کو اسی طور پر جاری اور قائم رکھا۔

حضرت علامہ اپنے برادر بزرگ سلطان العلماء اعلی اللہ مقامہ کی نگاہ میں

یہ سب حضرت علامہ کے کمالات عالیہ کے اثرات تھے اور انھیں کمالات کے پیش نظر جناب کے برادر بزرگ سلطان العلماء نے جو اپنے مقام پر مجمع علوم دین مرجع سادات ومومنین محافظ احکام الہ العالمین کی شان عالی سے مشرف اور رضوان مآب کے ایسے بلند پایہ لقب سے ملقب تھے۔ حضرت علامہ سید العلماء کو اپنی ذات والا صفات پر مقدم کر دیا تھا اور تمام امور کو ان کی رائے عالی پیرائے پر موقوف اور ان کے سپرد کر دیا تھا اور آپ کی نگاہ میں اپنے اس برادر خورد کی جو شان اور عظمت تھی اس کی عکاسی وہ الفاظ بھی کرتے ہیں جو آپ نے اپنے برادر زادہ ممتاز العلماء حضرت علامہ سید محمد تقی اعلی اللہ مقامہ کے اجازہ کی تحریر میں حضرت سید العلماء علیین مکان طاب ثراہ کی

شان عالی شان میں استعمال فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کی شان میں لکھتے ہیں: السمیدع الالمعی والحبر اللوزعی ذی النظر الصائب والذہن الثاقب. عالی الکعب فی الفنون العظیم طویل الباع فی العلوم النقلیه. الراتع فی ریاض الاجتهاد والافاده الکارع من حیاض احادیث الجدودة السادہ. سید العلماء العاملین سند الفقهاء الکاملین عین الانسان وانسان العین اُخی وصنوی ومهجة قلبی السید الحسین لازال قریر العین محفوظا عن اصابة العین۔

یہ الفاظ جن معنوی بلندیوں عظمتوں اور لطافتوں کے حامل ہیں انھیں ایک عربی داں ہی سمجھ سکتا ہے اور ان کی تصویر کشی کے لئے ایسی طولانی شرح درکار ہے کہ دامن وقت وقرطاس میں جس کی وسعت نہیں۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ علماء عراق وایران کی نگاہ میں

حضرت علامہ علیین مکان اعلی اللہ مقامہ فی دارالکرامہ کے ہمسر علماء عتبات عالیات نجف اشرف وکربلائے معلّٰی وغیرہ سب آپ کے کمال فضل واجتہاد کو تسلیم کرتے اور آپ کو بڑی عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سب کے قلوب مبارکہ میں آنجناب کی محبت ومودت کی کھیتیاں سرسبز اور لہلہاتی رہتی تھیں باہم خط وکتابت اور مراسلات کے ابواب کھلے رہتے تھے۔ اس کے ثبوت کے لئے عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ سید حسین الموسوی اعلی اللہ مقامہ مہتمم طباعت کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ نے تذکرۃ المصنف میں عالی جناب معلّٰی القاب جامع منقول ومعقول واقف اسرار فروع واصول شیخ الاسلام مجتہد الانام عالی حضرت شیخ محمد حسن نجفی اعلی اللہ مقامہٗ صاحب جواہر الکلام شرح شرائع الاسلام کا ایک طولانی مکتوب مرسلہ بسوئے حضرت سند الفقہا سید العلماء مولانا سید حسین علیین مکان رحمۃ اللہ ورضوانہ علیہ نقل کیا ہے جس میں شیخ صاحب مرحوم ومغفور اعلی اللہ مقامہٗ نے نہایت ہی انوکھے انداز میں اور نرالے طریقہ سے حضرت علامہ سید العلماء علیہ الرحمہ کی عظمت

وجلالت اور فضل وکمال کی مدح سرائی فرمائی جس کے چند ایک اقتباسات سپرد قلم کئے جاتے ہیں پورے خط کو زینتِ قرطاس کرنے سے خوف طوالت مانع ہے۔ چنانچہ عالی جناب شیخ محمد حسن صاحب نجفی طاب ثراہ وجعل الجنت مثواہ حضرت علامہ کی شان والاشان میں یوں رقم طراز ہیں:

هو الشاخص فی مرابع الاجتهاد معرسا وقائلا۔ والصادر والوارد عذب معین معتلا وناهلا۔ الحارس ثغز الاسلام وشرائعه والفارس نقد القرآن فی حدائق جوامعه والحبیب الذی تقربه کل عین والروح التی بین الجنبین۔ ذی القدر العلی سید العلماء السید حسین نجل العلامة السید دلدار علی اعلی الله مقامهٔ لا نالت طلا ئع التوفیق عاکفه علیه ومحاسن الایام متصله لدیه بالنبی واله الطاهرین صلی الله علیه وعلیهم اجمعین۔ (بغرض اختصار ترجمہ ترک کیا جاتا ہے۔)

تقسیم اوقات

کتاب تذکرۃ العلماء نیز ایسے معتمدین کرام کے بیان سے کہ جو حضرت علامہ کی خدمت بابرکت میں عموماً حاضر رہتے تھے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علامہ نے اپنے شب وروز کے اوقات کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی ہوتا تھا کہ آپ مسجد میں تشریف لے جاتے تھے اور طلوع صبح صادق تک نوافل شب اور اذکار وغیرہ میں مشغول رہتے۔ صبح صادق کے بعد نماز فریضہ باجماعت بجالاتے اور پھر ادعیہ وتعقیبات میں مصروف ہو جاتے۔ جب فراغت ہو جاتی تو اندرون خانہ تشریف لے جاتے اور ضروری کاغذات ملاحظہ فرماتے اور پھر کچھ وقت تصنیف وتالیف میں صرف کرتے۔

جب کسی قدر دن بلند آجاتا تو بیرون خانہ تشریف لاتے اتنے تک بکثرت لوگ جمع ہو جاتے۔ طلبہ کرام، فضلاء عظام اور طالبین فتاویٰ وغیرہ کا ہجوم ہو جاتا اولاً آپ طلباء کرام کو درس دیتے جن

میں سے اکثر فضلاء کبار اور علماء عالی وقار ہوتے۔ بعد ازاں ہر حاجت مند کی حاجت روائی کے لئے مناسب وقت صرف فرماتے۔ جب آفتاب عالم تاب زوال پذیر ہوتا تو نماز باجماعت کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور بعد از تعقیبات نماز عصر واپس مراجعت فرما کر اپنے برادر بزرگ حضرت سلطان العلماء سید محمد قدس سرّہ کی خدمت اقدس میں تشریف لے جاتے کچھ دیر وہاں توقف فرما کر پھر اپنے دولت کدہ پر واپس تشریف لاتے اور دوبارہ تدریس طلبہ میں مشغول ہو جاتے۔ نماز مغرب دولت کدہ پر ہی باجماعت ادا کر کے استفادہ اور طلب رشد وہدایت کرنے والوں کے لئے مجلس قائم کرتے ان کو درس دینے کے بعد افتاء مسائل میں مصروف ہو جاتے۔ کبھی کبھی تو نصف شب تک مسائل پر دستخط ثبت فرمانے میں مشغول رہتے۔

موعظہ شریفہ

آپ بالالتزام سارے سال میں بروز جمعہ، دوشنبہ اور پنجشنبہ اور ماہِ رمضان المبارک میں ہر روز نماز عصر کے بعد موعظہ فرمایا کرتے جس میں تفسیر قرآن، تصحیح عقائد، توضیح حقائق ودقائق پر مشتمل بیانات سے حاضرین کو مستفیض فرماتے لوگ آپ کے پر از تاثیر مواعظ ونصائح سماعت کرنے کے لئے جوق در جوق جمع ہوتے اور ہدایت ورشد کے بیش قیمت موتیوں سے اپنے دامن پُر کر کے واپس ہوتے۔

تصانیف وتالیفات

بکثرت تصانیف وتالیفات آپ کے قلم حق رقم سے ظہور پذیر ہوئے جن کی فہرست درج ذیل ہے:

۱: رسالہ تجزی فی الاجتہاد۔

یہ رسالہ آپ نے سترہ سال کی عمر میں تصنیف فرمایا جیسا کہ تذکرۃ العلماء سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲: رسالہ در تحقیق جواز تقلید میت وعدم آں۔

۳: رسالہ مسئلہ شك در رکعتین اولیین۔

یہ دونوں رسالے بھی آپ نے اپنی عمر کے ابتدائی دور میں تصنیف فرمائے۔

۴: مناھجؔ التدقیق ومعارج التحقیق۔

یہ عدیم النظیر اور لاجواب کتاب تحقیقات دقیقہ واستدلالات انیقہ پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنے فرزند ارجمند افضل المتکلمین فخر المدرسین ممتاز العلماء سید محمد تقی جنت مآب کے لئے جو اجازہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ نے تذکرہ فرمایا کہ کتاب مناہج التدقیق ومعارج التحقیق کو میں نے نہایت عمدہ طرز وطریق پر تصنیف کیا ہے۔ اسے میں نے دلائل اور تنقیح مسائل سے پُر کیا ہے اور اقوال مختلفہ کے نقص وابرام کو ایسے نہج پر بیان کیا ہے کہ اہل حق نے اسے بہت پسند کیا۔ اس میں تدقیقات کا ایک حصہ بیان کیا کہ جو علماء اسلاف کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے لیکن بعض امراض کے عارض ہوجانے کے باعث وہ کتاب پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکی۔ انتہیٰ اس کتاب کا مقصد ثانی احکام صلوٰۃ سے متعلق ہے۔ جس میں اوقات نماز یومیہ سے لے کر سلام تک کے احکام بیان ہوئے ہیں اور یہ ایک ضخیم جلد بن گئی ہے۔

۵: وجیز رائق

اجازہ مذکورہ میں خود حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ ''وجیز رائق'' کو میں نے بہترین اور بلند پایہ طریقہ پر تالیف کیا ہے۔ احکام طہارت کا ایک شطر وافی اس میں تحریر کردیا ہے۔ اس کتاب کا باب الطہارت طبع ہوچکا ہے۔

۶: روضۃ الاحکام

حضرت علامہ نے اجازہ مذکورہ میں ہی تحریر فرمایا ہے کہ مقلدین کی ایک جماعت نے پرزور اصرار کیا تھا کہ ''روضۃ الاحکام'' کی تالیف کو انجام دیا جائے۔ مگر میں دیگر چند رسائل متفرقہ میں مشغول ہوگیا۔ اس وجہ سے اس کتاب کے اتمام کی نوبت نہیں آسکی۔ انتہیٰ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار مقاصد پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں جو کچھ ذکر

کیا گیا ہے اس کا تعلق مسائل فقہ کے طالب کی بصیرت سے ہوتا ہے یا اصل مسائل فقہ سے۔ شق اول مقدمہ ہے اور شق ثانی میں اگر نیت شرط ہو تو عبادات کہلائے ورنہ اگر اس میں ایجاب وقبول دونوں متحقق اور موجود ہوں تو وہ عقود کہلاتے ہیں۔ اور اگر اس میں صرف ایجاب کا وجود ہو تو وہ ایقاعات کہلاتے ہیں اور اگر ایجاب وقبول میں سے کوئی بھی معتبر نہ ہو تو وہ احکام کہلاتے ہیں علم فقہ کے ارکان صرف یہی چار ہیں۔ انتہٰی کلامہ

مقدمہ بھی اور مقصد اول بھی کہ جو احکام طہارت، صلوٰۃ وصوم کے بیان میں ہے یہ مطبوع ہو چکے ہیں اور مقصد چہارم بھی طبع ہو چکا ہے کہ جو بیان میراث میں ہے۔

۷: رسالہ مبسوط در احکام میراث بعبارۃ عربی۔

۸: کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ مذکور۔

بعدازاں اس کتاب کے ابواب کی فہرست تحریر کی ہے۔

۹: رسالہ وسیلۃ النجاۃ فارسی در اصول دین تا آخر مبعث نبوت۔

۱۰: رسالہ در بیان مسئلہ جلالۃ الطہارۃ۔

۱۱: رسالہ منع از بیع مائعات نجس ومتنجس۔

۱۲: رسالہ طرد المعاندین در جواز لعن بر اہل نفاق۔

یہ رسالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۳: حاشیہ بر ریاض المسائل مشہور بشرح کبیر بر کتاب الصوم و کتاب الھبہ و کتاب الصدقہ۔

۱۴: تعلیقات بر شرح ھدایۃ الحکمۃ ملا صدر الدین شیرازی۔

۱۵: رسالہ تحقیق النسبۃ بین الحقیقۃ والمجاز۔

۱۶: تفسیر سورۃ الحمد۔ یہ نہایت ھی مبسوط تفسیر ھے۔

۱۷: تفسیر سورہ بقرہ۔ از شروع تا چند آیات۔

۱۸: تفسیر سورہ ھل اتیٰ علی الانسان۔

۱۹: تفسیر سورۂ توحید۔

۲۰: تفسیر آیہ کریمہ: کنتم خیرامۃ اخرجت للناس۔ متضمن بر نقض کلام، فخر رازی۔

۲۱: المجالس المفجعۃ

۲۲: الفوائد فی تنقیح العقائد۔ ملقب بہ افادات حسینیہ۔

یہ علامہ علیہ الرحمہ کی آخری تصنیف ہے، جو شیخ احمد احسائی اور اس کے شاگرد سید کاظم رشتی کے اقوال کی تردید میں تحریر فرمائی۔

صاحب تذکرۃ العلماء نے مصنفات سید العلماء علیین مکان کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت علامہ کو شب و روز مسائل متفرقہ کے جوابات تحریر کرنے کا اتفاق ہوتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ بعض مسائل کی تفصیل پر کما حقہ خامہ فرسائی فرمادیتے۔ لہذا اگر تمام مسائل کو جمع کیا جائے تو ان کی کئی ضخیم جلدیں بن جائیں گی۔ اس طرح آپ نے بذریعہ مواعظ حسنہ جن مسائل عالیہ کی تشریح فرمائی، ان کا دامن بھی نہایت وسیع ہے لیکن علامہ رحمہ اللہ نے چونکہ ان چیزوں کی تدوین کا قصد نہیں فرمایا اس لئے ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔

کتابت قرآن مجید

باوجود مشاغل کی اس کثرت اور بہتات کے آپ بعض اوقات قرآن مجید کے متن کی کتابت کا ثواب بھی حاصل کرنے کی سعی اور کوشش فرماتے رہتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک نسخہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے پوتے عالم عامل فاضل کامل مجتہد علی الاطلاق المشہور بین الآفاق کریم ابن کریم جناب مستطاب سید محمد ابراہیم اعلی اللہ مقامہ کے پاس

موجود پایا گیا جس کا خط بہترین خط تھا اور اس کے گرداگرد حضرت علامہ ہی کے دست مبارک کے لکھے ہوئے بکثرت حواشی موجود تھے اور اس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

قد وقع الفراغ من کتابة القرآن المجید والفرقان الحمید بتائید الله سبحانه وحسن توفیقه علی ید اقل الخلیقة بل لا شئی فی الحقیقة اقل العباد عملا واکثرهم زللا ابن العلامة المرحوم الساکن فی جوار رحمة ربه الکریم السیّد دلدار علی رفع الله درجاته فی جنات النعیم السیّد حسین صانه عن کل شئ ورزقه شفاعة سیّد البشر رسول الثقلین صلی الله علیه وآله فکان ذلك یوم الاحد لخمس بقین من شهر جمادی الاخرة سنة ستة اربعین بعد الف ومأتین من الهجرة النبویة علی الصادع بها الف الف تسلیم وتحیة۔

تائیدات الٰهیه وکرامات ربّانیه

صاحب تذکرۃ العلماء تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علامہ نور اللہ مضجعہ واعلی اللہ مقامہٗ تائیدات ربانیہ سے مؤید اور فیوضات یزدانیہ کا مہبط تھے۔ ورنہ باوجود مشاغل کی اس کثرت اور طبع کے نحیف اور کمزور ہونے کے ایک فرد بشر سے کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایسے کارنامے اس کے دست ہائے مبارکہ پر ظہور پذیر ہوں اور اتنی مشقتوں اور تکالیف کو برداشت کرسکے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی حد تک صفات ملائکہ سے متصف کیا تھا کیونکہ آپ خورد ونوش اور کھانے پینے کے معاملہ اور راحت وآرام اور نیند وغیرہ کے سلسلہ میں بہت کم مقدار اور اقل قلیل صورت پر اکتفاء فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت نحیف الطبع تھے۔ قدوقامت میانہ تھا اور چہرہ مبارک پر ہروقت نورانیت برستی رہتی تھی۔ رخ انور سے نور ساطع ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس کمزوری اور ضعف کی صورت میں شب وروز تصنیف وتالیف تدریس وموعظہ وحل مسائل وغیرہ میں مصروف رہنا ہی اگرچہ اپنے مقام

پر ایک خارق عادت امر اور کرامت کی شان رکھتا ہے لیکن یہی نہیں اس کے علاوہ آپ سے جو کرامت صادر ہوئے لکھتے ہیں ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

اسوۃ المتکلمین قدوۃ المجتہدین اکرم الناس مفتی سید محمد عباس قدس سرہ کتاب اوراق الذہب میں تحریر کرتے ہیں کہ لکھنؤ میں ایک سال حبس باراں ہوگیا بارش رک گئی۔ لوگوں نے درگاہ رب العزت میں تضرع اور زاری شروع کی۔ حضرت علامہ سید حسین علیین مکان اعلی اللہ مقامہ نے صحرا میں جا کر نماز استسقاء با جماعت ادا کی ابھی آپ نے چادر کو حرکت نہ دی تھی کہ بارش شروع ہوگئی اور اتنی کثرت سے مینہ برسا کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہوگیا۔

وفات حسرت آیات

باوجود ضعف ناتوانی کے بطریق مذکور مشقتیں اور تکالیف برداشت کرنے کے باعث متعدد امراض وعوارض لاحق ہوگئے بالآخر روحانی صدمات اور جسمانی امراض کی تاب نہ لا سکے اور شب شنبہ سترہ ماہ صفر ۱۲۷۲ھ نذائے یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃً مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی، پر صدائے لبیک بلند کردی اور عالم قدس کو رحلت پذیر ہوگئے۔

آپ کی نماز جنازہ کے لئے اس کثرت سے لوگوں کا اجتماع اور اژدھام ہوگیا کہ لکھنؤ کی تاریخ میں اتنا اجتماع کسی کے جنازہ پر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ سب سوچنے لگے کہ کس مقام پر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ جس میں اس قدر آدمیوں کا انبوہ سما سکے۔ بالآخر تجویز کیا گیا کہ نواب آصف الدولہ کے امام باڑہ کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی جائے جو کہ شہر لکھنؤ کی عمارتوں میں سے سب سے بڑی اور وسیع ترین عمارت ہے چنانچہ آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا سلطان العلماء سید محمد رضوان مآب اعلی اللہ مقامہ نے اسی امام باڑہ آصفیہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور امام باڑہ غفران مآب میں غربی حجرہ میں اپنے والد ماجد غفران مآب رضوان اللہ علیہ کی پائنتی کی جانب مدفون کردیئے گئے

تا حال سنگ سفید کی ایک لوح اور چوب صندل کی ضریح قبر اقدس پر نصب ہے۔ مدت عمر اکسٹھ سال دو ماہ اور تین روز ہوتی ہے۔

تقریظ و قطعات تاریخ

از رشحات قلم فیض رقم عالی جناب معلی القاب حبر علام نحریر فہام مفتی ملت بیضاء محافظ شریعت عزا اسوۃ المتکلمین قدوۃ المجتہدین اکرم الناس مفتی محمد عباس دامت ایام افاداتہ و افاضاتہ۔

اصل

بسم اللہ الرحمن الرحیم گل سر سبد کلمہ و کلام و نور حدیقہ دین و اسلام حمد خداوند منعام است کہ از توفیقاتش دریں ایام برکت التیام جلد امامت از حدیقۂ سلطانیہ کہ روضۂ ایمانیہ و منجملۂ تصانیف محقق علامہ و مدقق فہامہ سید العلماء والمجتہدین مشید ارکان دین مرجع الانام کافل الارامل والایتام الشہیر فی العجم والعرب المذکور مناقبہ فی اوراق الذہب مولی الخافقین المعروف فی المشرقین سمی ابی عبداللہ الحسین مولانا السید حسین اعلی اللہ مقامہ و اکرمہ فی دار المقامہ می باشد باحتمام و مساعی جمیلہ عالی شان والا دودمان زبدۃ السادات مولوی سید حسین ایدہ اللہ بالائمۃ المصطفین در قالب طبع ریختہ شد الحق کہ ایں کتاب مستطاب مشتمل بر فوائد بے حساب و نادرۂ روزگار و لطافت متانتش کالشمس فی رابعۃ النہار بر نظار آشکار و مستغنی از اظہار و طبعش موجب احیاء ذکر جناب علیین باب و باعث رضا رب الارباب و خوشنودئ ائمہ اطہار سلام اللہ علیہم ما اتصل اللیل والنہار است والحمد للہ علی نوالہ والصلوٰۃ علی محمد و آلہ۔

قطعہ تاریخ بتخریج یک سال

شده شهره کتابی که ثواب در جر طبعش
گل عیش جادوانی بدہند در قیامت
بمصنفش چه پرسی که ملک کند سلامش
بغلک رسیده نامش بجلالت وشہامت
زادب فگنده سر را قلم نه سال طبعش
چه بہار تازه کا مد لحدیقۀ امامت

قطعہ دیگرے بے تعمیہ

فرح بخش است سلطانی حدیقۀ
ز گلہائے عبارات انیقه
مصنف سید علامه بود
که بنوشت این مضامین دقیقه
سمیش ریخته در قالب طبع
که از بہر شیوع است این طریقه
بقرط زر که در معدن نہاں بود
مزین گشت ہر صاهب سلیقه
بود نام ونشاں وسال طبعش
کرامات مصنف فی الحقیقة
برآمد مصرع تاریخ طبعش
بشد شائع امامت از حدیقه

ھ ۱ ۳ ۰ ۴

ترجمہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ چمن دین اسلام کا غنچہ اور گلہائے کلمہ وکلام کے ظرف کا بہترین پھول۔ منعم حقیقی خداوند عالم کا حمد وشکر ہے کہ ان بابرکت ایام میں اس کی توفیقات شامل حال ہونے کے باعث کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی جلد امامت جناب والا شان عالی خاندان زبدۃ السادات مولوی سید حسین ایدہ اللہ بتصدق آئمہ ھدی کے اہتمام اور مساعی جمیلہ سے مطبوع ہوچکی ہے کہ جو حدیقہ سلطانیہ ایک روضۂ ایمانیہ ہے اور جناب محقق علامہ مدقق فہامہ سید العلماء والمجتہدین مشید ارکان دین۔ مرجع ہر خاص وعام کفیل بیوہ گان وایتام شہیر عجم وعرب کے جن کے محامد ومناقب اوراق الذہب میں مذکور اہل مشرق ومغرب کے رہبر مشارق ومغارب میں شہرت یافتہ حضرت جناب امام ابی عبداللہ الحسین -کے ہم نام ہیں یعنی جناب مولانا سید حسین اعلی اللہ مقامہ واکرمہ فی دارالکرامہ کے تصنیفات میں سے ہے بے شک یہ کتاب مستطاب بے شمار فوائد پر مشتمل اور نادرۂ روزگار ہے اس کی لطافت اور متانت اظہار سے مستغنی اور دیکھنے والوں کے لئے مثل الشّمس فی رابعۃ النہار واضح اور آشکار ہے اس کا طبع ہوجانا جناب مصنف علام سید حسین علیین مکان کے ذکر عالی کے احیاء کا موجب اور جناب رب العزت خداوند عالم کی خوشنودی اور آئمہ اطہار: آلی ابدالاباد کی رضامندی کا باعث ہے۔ **والحمد للّٰہ علی نعمہ والصلوٰۃ علی محمد وآلہٖ۔**

قطعہ تاریخ بذریعہ تخریج یک سال

اس کتاب مستطاب کو انتہائی شہرت حاصل ہوئی کیونکہ اس کے طبع ہونے کا ثواب بروز قیامت زندگی جاوید کا خوشبودار پھول عطا کیا جائے گا اس کے مصنف علام کی کیا پوچھتے ہیں اس پر تو فرشتے سلام کرتے ہیں اور اس کا نام عظمت وجلالت کے باعث آسمان تک رسائی حاصل کر چکا ہے چونکہ کتاب مذکور کی طباعت کے سال چمن امامت میں تازہ بہار آگئی ہے اس لئے میرے قلم نے

از روئے ادب سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

دوسرا قطعہ بغیر ابہام

ترجمہ:

حدیقۂ سلطانیہ اپنی عمدہ عبارتوں کے خوشنما پھولوں کے باعث فرحت بخشنے والا ہے اس کا مصنف کہ جس نے یہ مضامین دقیقہ سپرد قلم کئے ہیں۔ بے شک بہت بڑا عالم اور سید تھا۔

مصنف علام کے ہم نام دوسرے ایک سید نے اسے طبع کرایا کیونکہ کسی کتاب کے فائدہ کو عام اور شائع کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

ہر صاحب سلیقہ اس کتاب کے طفیل سونے کے ایک ایسے گوشوارے سے مزین ہو گیا کہ جو پہلے قلب مصنف کی کان علم میں پنہاں تھا۔ اس کتاب کی طباعت اور اس کا نام و نمود درحقیقت مصنف کے کرامات میں سے ہے اس طباعت کی تاریخ کا یہ مصرع ظاہر ہوا کہ بشد شائع امامت از حدیقۂ ۱۳۰۴ھ

جناب حضرت علامہ مفتی محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے جب کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ کی تاریخ کے متعلق مذکورہ بالا دو قطعات ارسال کئے تھے تو ساتھ ہی مفتی صاحب مرحوم نے ایک خط بھی ارسال کیا جس کی نقل درج ذیل ہے:

اصل

عالی مرتبت والا منزلت مصدر لطف و محبت زادہ عطفہ بعد سلام با اکرام ملتمس آنکہ الوکہ ولاد مبسوکہ طلاء اعنی انیقہ نمیقہ و تعلیقہ رشیقہ رسید و سرور موفور بخشید در طبع حدیقہ سلطانیہ کہ کتابے است عزیز الوجود بذل جھد نمودہ اند۔ اذاں خیلے مسرور گردیدم انشاء اللہ اجر ایں ہمت و خلوص نیت از بارگاہ رب العزت بروز قیامت خواہند یافت۔ نحیف باوجود یکہ در مکارہ و آلام و اقسام اسقام گرفتارم و دل

ودماغ حاضر بتاریخ گوئی ندارم اما باستماع ایں مژدۂ روح پرور وخبر فرحت اثر بالاستعجال دوتا قطعۂ تاریخ انشا کردم۔ وہمیں روز تقریظ ہم تحریر نمودم چنانکہ مصحوب ایں خط بملاحظ خواہد رسید اما بسبب آنکہ در ڈاک خانہ تعطیل بود تعویق افتاد وتاخیر روداد فقط۔

السیدمحمدعباس عفی عنہ

ازمٹیابرج کلکتہ ۸/ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ (خط دیگر کا متن)

جناب علامہ مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ عالی مرتبت والا منزلت مصدر لطف ومحبت سلالتہ الائمۃ المصطفین صین عن کل شین۔ بعد سلام بااکرام ملتمس آنکہ مدتیست کہ جواب خط سامی مع تقریظ دو تا تاریخ فارسی نگاشتم دارساں داشتم وخیال کردم کہ شاید نرسیدہ وتلف گردیدہ مگر پریروز از مکتوب مرغوب مفصل معلوم شد کہ خیلے مسرور ومحبور شدہ اید فالحمدللہ علی ذلک لکن ازیں نامہ محبت شمامہ کہ سطر سطرش مودت خیز وعطف در آفت انگیز بود۔

معلوم شد کی احباب اطیاب تاریخ وتفریظ عربی می خواہند بسبب کثرت مشاغل و توارد مسائل ورسائل وصنعت وناتوانی وغایت بے سامانی کہ دارم چہ بگوئیم وچہ نویسم بہرحال دراستعجال وتوزع بال یک تقریظ مع دو تا تاریخ عربی نگاشتہ میفرستم اگر لطفے دراں نیست عیاں را۔ حاجت بیاں نیست فان العذر واضح صریح فاین الفکر الصحیح واگرہست خیلے عجب است واین تاریخ وتقریظ را مع اعراب وحواشی چاپ سپارند فقط السید محمد عباس عفی عنہ۔ ازمٹیابرج کلکتہ یازدہم جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ

ترجمہ

بعد از سلام با اکرام عرض ایں کہ محبت نامہ سبیکہ زریعنی جناب والا کا خوبیوں اور کمالات سے پُر مکتوب گرامی موصول ہو کر بکثرت مسرت اور شادمانی کا باعث ہوا۔ کتاب عزیز الوجود حدیقۂ سلطانیہ کی طباعت کے لئے سعی بلیغ سے کام لیا گیا ہے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ اس ہمت اور خلوص کا اجر انشاء اللہ بروز قیامت حاصل ہوگا۔ یہ کمزور وناتواں، اگرچہ گونا گوں تکالیف وآلام اور قسماقسم کی بیماریوں اور اسقام میں مبتلا ہے اور تاریخ گوئی کے لئے دل ودماغ حاضر نہیں۔ تاہم اس روح افزا خوش خبری اور مسرت آور خبر کے سنتے ہی بڑی شتابی اور عجلت سے تاریخ کے متعلق دو اور قطعات تیار کردیئے ہیں اور اسی روز کتاب مذکور کے متعلق تقریظ کو بھی سپرد قلم کردیا۔ چنانچہ حضور والا اس خط کے ساتھ ان ہر دو اشیاء کو بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ چونکہ ڈاک خانہ میں تعطیل تھی اس رکاوٹ کے باعث قدرے تاخیر ہوگئی۔ فقط

السید محمد عباس عفی عنہ از مٹیا برج کلکتہ ۸ / ربیع الثانی ۱۳۰۴ھ

ترجمہ

ایک دوسرا خط بھی ارسال کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

جناب عالی مرتبہ بلند منزل مہر ومحبت کے مصدر برگزیدۂ آئمہ اطہار کی اولاد، ہر عیب سے محفوظ جناب کی خدمت میں پس از سلام واکرام التماس ہے کہ مدت ہوئی گرامی نامہ کا جواب مع تقریظ اور دو عدد قطعات تاریخ بزبان فارسی لکھ کر ارسال کیا تھا اور خیال ہوا کہ شاید وہ ضائع ہوگیا ہے۔ خدمت حضور میں نہیں پہنچ سکا لیکن پرسوں جناب والا کے نامہ سے مفصل معلوم ہوا کہ حضور تقریظ اور قطعات مذکورہ کے باعث بہت خوش ہوئے ہیں اور جناب نے بڑی مسرت وبہجت محسوس کی ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک لیکن اسی نامۂ محبت شمامہ سے کہ جس کی ہر ہر سطر مودت خیز اور مہر ورافت انگیز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ احباب اطیاب کی خواہش اور تمنا ہے کہ تقریظ وتاریخ بزبان عربی تحریر کروں ضعف وناتوانی اور انتہائی بے سروسامانی کے ساتھ ساتھ کثرت مشاغل اور مسائل ورسائل کا جو توارد

وتسلسل دامن گیر ہے اس کے سبب ظاہر ہے کہ کیا کہہ سکتا اور کیا لکھ سکتا ہوں؟

بہرحال پریشانی اور عجلت کی حالت میں ایک تقریظ اور دو عدد قطعات تاریخ عربی میں سپرد قلم کر کے ارسال کر رہا ہوں۔ اگر ان میں کوئی خوبی اور لطف نہ ہو تو اس کی علت اس قدر واضح ہے کہ عیاں زاچہ بیان؟ کیونکہ عذر صراحۃً ظاہر ہے۔ لہٰذا فکر صحیح کیسے میسر آسکتا ہے۔ اور اگر یہ کسی خوبی کے حامل ہیں تو پھر حالات بالا کے پیش نظر یہ ایک انتہائی تعجب خیز امر ہے۔ تاریخ مذکور اور تقریظ ہر دو کو اعراب اور حواشی کے ساتھ چھاپنے کا اہتمام کیا جائے۔

السید محمد عباس عفی عنہ

از مٹیا برج کلکتہ، ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۰۴ھ

تقریظ بزبان عربی

از جانب مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ

اصل

بشریٰ لکم یا معشر الشیعه الامامیه قد شاع کتاب الامامة من الحدیقه السلطانیة للامام الهمام حجة الاسلام المقیم بدر الاسلام سید العلماء الاعلام سمی سید الشهداء علیه السلام وهو کتاب مستطاب مشتمل علی مباحث دقیقه فی عبائر رشیقه خلت عنها الکتب العتیقة فانعموا النظر فیه وتربروا ما فی مطاویه ومحاویه فانه الدین القویم والصراط المستقیم۔ فاستندوا الیه واعتمدوا علیه واتبعت هذاالتقریظ بتاریخین فی القریض احدهما خال عن التکلف والتوطة وثانیهما وان اشتمل علی التعمیة لکونه ناقصا محتاجا الی التتمیم منجبرا

بعدد وحرف الجیم لکنه لاشعاره بالمصنف والمصنف والسلالة وایمائه الی الطبع ارغب واوفق بالطبع مع ان مثل هذه التعمیة الجدیدة لطیف لذیذ لما فیها من الخلفاء والایهام التشحیذ۔

قطعۂ تاریخ

طوبی لسلطان الحدائق اند
فیض جری من سید العلماء
باب الامامة شیدت ارکانه
بیراع خبر ذی ید بیضاء
هو فی حدیقه جنته وریاضه
مخضرة الاغصان فی الغبراء
قد ضل ناس کالعلاة وغیرهم
فی کل واد کاتم الارجآء
یا طالبا للحق ارخ طبعه
الحق باب۱؎ حدیقة غلباء۲؎
قد کان مکتوبا ومکتوما
فبا لطبع اجتلی کاللیلة القمراء
فبذلت اقصی۳؎ الجهد فی تاریخه
شاعت حدیقة افقهه الفقهاء

۱۳۰۱
۳
۱۳۰۴ھ

(۱) قوله باب حدیقة غلباء غلباء باغی باشد که درختانش باہم پیوسته باشند منه قوله تعالیٰ وحدائق غلباء چونکه حدیقۂ سلطانیه مثمر ثمرات عظام وکثرة المباحث ومتسق النظام وگویا که باب دار السلام است این صفتہا برائش خیلی مناسبت دارد وحدائق بہشت عنبر سرشت را که دریں آیه مذکور است یاد می آرد ۱۲ مدظله۔

(۲) ہمزه اگرچه ملفوظ می شود ولکن در تاریخ محسوب نیست بلکه نزد اساتذه محققین مثل خلیل مکتوب نیست۔ عنه

(۳) معناه اللفظی واضح واما المعنی بالتطرائی المعمی فهوأ فی زادت فی التاریخ عدد حرف المجیم فان الاقصی معناه الاعلی جمعه الاقاصی فی مقابلة الادنی واقصی اللفظ اعلاه أی الحرف الاول منه کما ان ادنی اللفظ معناه حرف الاخیر ولذا أرخ مغلوبیة الروم بقوله تعالی غلبت الروم فی ادنی الارض وهو الضاد فاقصی لفظ الجهد الجیم وبذلها فی التاریخ صرف عددها فیه۔ ۱۲ عنه ظله التعالی۔

ترجمہ

اے شیعہ امامیہ! تمہیں خوشخبری ہو کہ حدیقہ سلطانیہ کی کتاب الامامۃ شائع ہوچکی ہے جو امام ھمام حجۃ الاسلام مقیم ''جنت'' دار السلام سید العلماء الاعلام حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے ہم نام یعنی آقائے سید حسین علّیین مکان اعلی اللہ مقامہ کی تصنیف ہے اور وہ ایسی پاکیزہ کتاب ہے جو دقیق بحثوں، پیاری عبارتوں، فصیح اور سلیس الفاظ میں عمدہ نکات اور ایسی پختہ ومحکم تحقیقات پر مشتمل ہے کہ جن سے کتب اسلامی خالی تھیں لہٰذا اس میں غور وخوض کے ذریعہ تمہیں دادِ فکر دینا چاہئے اور اس کے مضامین ومفاہیم کے متعلق خوب سوچ وبچار اور حسن تدبر سے کام لینا چاہئے کیونکہ یہ کتاب دین قویم اور صراط مستقیم ہے۔ لہٰذا اس پر اعتماد اور بھروسہ کر کے اس کی جانب اپنے

آپ کومنسوب کرنے کا شرف حاصل کیجئے۔

اس تقریظ کے بعد میں نے بذریعہ کلام منظوم اس کی تاریخ کے دوعدد قطعات سپرد قلم کئے ہیں جن میں سے ایک تو تکلف اور تمہید سے خالی ہے اور دوسرا اگرچہ ایک اغلاق اور تعمیہ پر مشتمل ہے کیونکہ وہ ناقص ہونے کے باعث عدد حرف جیم کو تاریخ میں شمار کرنے کی طرف احتیاج رکھتا ہے لیکن یہ تاریخ طبیعت کے زیادہ موافق اور مناسب ہے کیونکہ یہ مصنف کتاب کے خاندان اور کتاب اور اس کی طباعت کی طرف اشارہ کرتا ہے علاوہ ازیں اس قسم کا اغلاق اور چیستاں ہونے کی صورت بطرز جدید زیادہ لطیف اور لذیذ شمار ہوتی ہے کیونکہ اس میں خفاء ابعام اور تشہیذ کی چاشنی موجود ہے۔

ترجمۂ قطعۂ تاریخ

سلطان الحدائق کوخوشخبری نصیب ہو کہ سید العلماء کی طرف سے فیض جاری ہوا ہے۔ ایک عالم نحریر کے قلم سے کہ جو ید بیضا رکھنے والا ہے باب امامت کی بنیادیں استحکام پذیر ہوگئی ہیں۔ وہ خود جنت فردوس میں سکونت پذیر ہے مگر اس کے مضامین عالیہ کے باغات روئے زمین پر سبز اور شاداب ہیں۔ غالیوں وغیرہ کے ایسے لوگ بے شک تاریک وادیوں میں بھٹک گئے ہیں اے طالب حق طباعت کتاب مذکور کی تاریخ بیان کرو۔ بے شک وہ سرسبز جنت کا دروازہ ہے ایک زمانہ میں گو وہ لکھی جا چکی تھی لیکن عدم طباعت کے باعث پردہ پوش تھی۔ اب طباعت کے ذریعہ وہ چاندنی رات کی طرح روشن ہوگئی ہے۔ اس کی تاریخ کے بیان میں میں نے اپنی پوری کوشش صرف کی کہ اعلم علماء افقہ فقہاء کی کتاب حدیقہ شائع ہوگئی۔ ۱۳۰۱

۳

۱۳۰۴ھ

(۱) غلباء: اس باغ کا وصف ہے جس کے درخت سرسبز اور باہم پیوست ہوں اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **وحدائق غُلبا**۔ چونکہ کتاب حدیقۂ سلطانیہ باعظمت ثمرات کا فائدہ دینے والی،

بکثرت مباحث پر مشتمل اور موزوں ومناسب نظم ونسق رکھنے والی ہے لہٰذا گویا کہ وہ دارالسلام اور جنت الفردوس ہے۔ لہٰذا یہ صفت یعنی غلباء اس سے بڑی مناسبت رکھتی ہے اور بہشت عنبر سرشت کے جو باغات اس آیت مبارکہ، وحدائق غلبا میں مذکور ہیں۔ یہ کتاب ان کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

(۲) ہمزہ اگرچہ پڑھا جاتا ہے لیکن تاریخ میں شمار نہیں ہوتا۔ بلکہ خلیل کے ایسے اساتذہ محققین کہ ہاں یہ لکھا بھی نہیں جاتا۔

قولہ بذلت اقصی الجید الخ: اس کا لفظی معنی واضح ہے، رہا اس کا چیستاں ہونے کے لحاظ سے معنی تو وہ یہ ہے کہ میں نے تاریخ میں حرف جیم کے عدد کو زیادہ کیا ہے کیونکہ اقصیٰ کا معنی ہے اعلی۔ جمع اس کی اقاصی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ادانی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اقصی اللفظ سے لفظ کا اعلیٰ حرف یعنی پہلا حرف مراد ہوتا ہے جیسے کہ ''ادنی اللفظ'' سے لفظ کا حرف آخر مراد ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مغلوبیت روم کی تاریخ آیت پاک ''غلبت الروم فی ادنی الارض'' سے بیان کی گئی۔ کیونکہ ''الارض'' کا ادنی حرف ضاد ہے لہٰذا لفظ ''الجید'' کا اقصی حرف جیم ہے اور تاریخ میں اس کے بذل سے مراد اس کے عدد کو تاریخ میں شمار کرنا ہے۔ ۱۲ مدظلہ العالی۔

۲: تقریظ دلپذیر از رشحات خامہ فیض شامہ جناب مستطاب معلی القاب فاضل کامل عامل کامل، فقیہ بادل مقتدائے عادل جماع معقول ومنقول حادی فروع واصول بارع علام مجتہد انام السید محمد ادام اللہ فیضہ عنہ خلف ارشد زبدۃ الفضلا ءعمدۃ الفقہاء المولوی السید علی شاہ رحمہ اللہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ علی نوالہ وصلی اللہ علی بینی حرامہ وحلالہ محمد وآلہ وبعد فان الکتاب الموسوم بالحدیقۃ السلطانیہ فی العقائد الایمانیہ من مصنفات السید الامام الھمام علم اعلام وحجۃ الاسلام آیۃ اللہ فی العالمین حجۃ اللہ البالغۃ فی الارضین وحامی حمی الدین وماحی آثار المفسدین عماد

العلماء والمجتهدین ضیاء الفقهاء والمتکلمین وسلالة الاخیار المصطفین مولانا سید العلماء السید حسین قدس الله روحه الزکیه کتاب شریف ومصنف منیف الطری علی العجب العجاب احتوی علی الفصل الخطاب ومیز القشر عن اللباب والخطا عن الصواب ببیانات نافعه للخاص والعام وتقریبات قریبة الی الافهام واحتجاج یقطع لسان الجاحدین وحجاج تکشف عن لجاج المعاندین واوله تقضم ظهور الملحدین وترغم معاطس اعداء الدین ولا بدع ولا عجب فانه من افادات مثل ذلك العلامة المهذب وجذیلها المحکك وعذیقها المرجب رجل الرجال وواحد الاحاد وهم اهل بیت لولاهم فی هذه البلاد۔

ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کا حمد وشکر ہے۔ اللہ والوں پر اور اس کے حلال وحرام کو واضح کرنے والوں یعنی محمد وآل محمد پر اللہ تعالیٰ کا درود وسلام ہو۔ بعد از حمد وصلوٰة واضح یاد که کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیه فی العقائد الایمانیه جناب والا شان آقا سید امام همام، علم الاعلام حجة الاسلام آیة الله فی العالمین حجة الله البالغه فی الارضین۔

عزت دین کے حامی آثارِ مفسدین کو مٹانے والے عماد العلماء والمجتہدین سناد الفقہاء والمتکلمین برگزیدگان خدا آئمہ ہدیٰ ؑ کی اولاد حضرت مولانا سید العلماء السید حسین قدس اللہ روحہ الزکیہ کی تصانیف میں سے ایک بلند مرتبہ اور عالی شان کتاب ہے۔ جو عجیب اور فیصلہ کن مضامین پر مشتمل ہے۔ اس نے باطل کو حق سے اور غلط کو صحیح سے ایسے بیانات کے ذریعہ ممتاز کر دیا ہے جو ہر خاص وعام کے لئے نافع اور مفید ہیں اور ایسے براہین قائم کئے ہیں جو ہر انسان کے لئے مطالب کے سمجھنے

میں سہولت کا باعث ہیں۔ اور ایسے استدلالات پیش کئے ہیں جنھوں نے منکرین کا ناطقہ بند کر دیا ہے اور ایسے طریقہ پر حجت قائم کی ہے جس سے معاندین کی ہٹ دھرمی واشگاف ہوگئی ہے اور ایسے دلائل پیش کئے ہیں جنھوں نے ملحدین کی کمریں توڑ دی ہیں اور دشمنان دین کی ناک کو خاک میں رگڑ دیا ہے اور یہ کوئی انوکھا اور خلاف توقع امر بھی نہیں کیونکہ یہ ایسے علامہ دہر کے افادات ہیں جو اس میدان کا مانا ہوا شہسوار اور اس وادی کا ایسا بے نظیر تجربہ کار ہے کہ جو اپنی مثال آپ ہے اور یہ اس خاندان عالی کا فرد فرید ہے۔

لما قام للدين عمود ولا خضر به عود. ولهم اسوة فى هذه الحدود. فجدد وهم خير الجدود واولياء الملك الودود سلام الله عليهم ما فاح عود وناح الرعود وهذا الباب الرابع من الكتاب فى امامة الآئمه الاطياب كان عزيز الوجود ولا تيسيرالا بعد الفحص والاستكتاب وامتدت اليه اعناق الطلاب فوفق الله السيد الخير الصفى السيد حسين الموسوى الرضوى حيث اهتم بطبعه واشاعته وبالغ فى تصحيحه ومقابلة فلله دره ولا نشل عشره وعظم اجره و كتب الفقير الى ربه الاسير بذنبه ابوالحسن بن على تجاوز الله عن زلاتهما بسادتهما ولا تهما.

کہ اگر وہ ان مما لک میں نہ ہوتے تو ان دیار میں نہ دین کا ستون قائم ہوتا اور نہ ہی شجرۂ اسلام کی شاخ سرسبزہ ہوسکتی۔ وہ ان اطراف میں اپنے آباء واجداد کے تصدق مخلوق خدا کے ہادی ہیں جو خداوند عالم کے اولیاء ہیں ان کی ذوات مقدسہ پر تا قیام قیامت درود وسلام ہو۔ یہ اس کتاب کا چوتھا باب ہے جو آئمہ اطہار ؑ کی امامت کے بیان میں ہے۔ یہ کتاب انتہائی کمیاب تھی۔ بڑی جستجو اور کوشش کے بغیر دستیاب نہیں ہوسکتی تھی خواہشمند طالبین کی گردنیں اس کے متعلق ہمیشہ دراز اور فراز رہتی تھیں اللہ تعالیٰ نے ایک برگزیدہ ہستی جناب سید حسین موسوی رضوی کو اس کے متعلق

موفق کر دیا کہ آپ نے اس کی طباعت اور اشاعت کا اہتمام فرمایا اور اس کی تصحیح اور مقابلہ کے متعلق بڑی ہمت اور جانفشانی سے کام لیا اس سلسلہ میں ان کے کمال کا کیا کہنا بے شک آپ نے ایسا کارنامہ انجام دیا جو اجرِ عظیم کا موجب ہے۔

یہ چند حروف سید ابوالحسن بن علی نے سپرد قلم کئے کہ جو اپنے پروردگار کی طرف ہر رنگ اور ہر آن میں محتاج اور اپنے گناہوں میں گرفتار ہے اللہ تعالیٰ ان باپ بیٹا دونوں کے گناہ اور خطائیں بتصدیق آئمہ ھدیٰ معاف کرے۔

بیان آقائے سید ناصر حسین اعلی اللہ مقامہٗ

عبارت بلاغت آگیں والفاظ دلنشیں، چکیدہ کلک جواہر سلک ادیب ماہر، بحر ذاخر، فاضل کامل، عالم عامل، مجمع معقول ومنقول، منبع فروع واصول المولوی السید ناصر حسین ادامہ اللہ بدوام النیرین۔

آپ کی تحریر چونکہ کافی طویل ہے لہٰذا اختصاراً ذیل میں اس کے چند اقتباسات کا تذکرہ کیا جاتا ہے بعد از تمہید آپ کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ کی مدح سرائی میں یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

دریں زمان فرحت اقتران۔ بل از محاسن وبرکات ایام۔ ومکارم وھورا عوام۔ باب چہارم از کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ ورسائل ایمانیہ کہ بوجہ تقالیب ادوار زمان وفقدان انصار واعوان بقالب طبع در نیامدہ وکسوت شہرت نہ پوشیدہ بود بجلوہ گاہ ظہور، درآمدہ قدرت ذوالجلال ملاحظہ کرد نیست کہ از اشتہار ایں کتاب خش وخار تربات اہل خلاف بے انصاف مثل ملل ونحل ایشان، کرماد اشتدت بہ الریح وبناء مقالات پرتدلیسات ایشان اوھن من بیت

العنکبوت صریح گرویده۔ پایہ نہایتہ العقول در رفتار طریق صعبش عارج وتوصیف تر صیغش از ناطقہ زبان خارج می باشد کتاب است یا بحر مسجو رد روض ممطور صفحاتش وجنات حور سطورش قلائد نحود عنا دل مضامین ر شیعتہ بر افنان الفاظش نغمہ زن وجلاجل دقائق شریعتہ بر اغصان معانیش ترنم فگن، در سواد خط وکتابت آب حیات وہنگام طوفان سفینۃ النجات روش شعلۂ کہ از حوعات هفوات اہل عدوان مصون تابندۂ چراغی کہ از اول تا آخر از گزند انفاس ارباب استنان مامون، علم وجوہر کمال راجانی۔ وجان فضل وعلم را تاب وتوانی مالا مال انشاں ریاحین نادرہ کہ نرگس را از برائے مقدمش انتظارے وبوستان خلد عنوان را بسی شرم ساری، بل از شوق دیدارش دیدہائے نرگسہا بیدارہا وباشتیاق جمرش گلہا بر بستر خارہا۔ مجموعہ فرائد ایمانی لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان گنجیند پر از ذخائر کانہن الیاقوت والمرجان۔ فقرات آبدارش حدائق پر از ازہا وانوار، وسطور وبینش کانہا جنات تجری من تحتہا الانہار ہر حرف ایں کتاب طبع ومرغوب کاند حیات القلوب، ہر فصلش تماشائی فصل بہارے۔ ہر بابش باب رحمت باری۔ سبحان اللہ ایں در شہوار نادرتہ الأدوار، نادیدۂ چشم فلک وناشنیدہ گوش ملک از تصنیفات وتالیفات سید علام سر آمد متکلمین عظام۔ نخل بند حدیقہ براہین۔ چمن آرائے گلین کشف الحق والدین۔ الموید من اللہ الجلیل مشرف بتشریف علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ محدوح قدسیان اطباق خضراوی مسلم الثبوت میان انام غبراوی، واسطۂ عروج سلالیم قرب الٰہی زینت افزائی اریکہ اوامر ونواہی وبمفاد واما بنعمۃ ربک فحدث ریزندہ قطرات علوم بکام مستحقین از منبع

دانش ویقین وبمضمون واما السائل فلا تنہر بخشندہ خزائن علوم بکمال جود وسخا بسالین پیشوائی اہل ایمان، رہنمائے طریق ایقان، خضر راہ شریعت ہادی طریق حقیقت، موسس ارکان شرع نبوی، مشید بنیان آئین وآداب مصطفوی، منصور درمعرکۂ مناظرہ، غالب بر جنود فلاسفہ واشاعرہ برآرندہدود خیالات فاسدہ از دماغ ہواخاہان شوکت عمریہ بیک شعلہ، افگنی ضربت حیدریہ خامہ اش مانند صمصام قاطع لسان منکرین امامت آئمہ اطہار را قلم می نماید۔ وچوں ذوالفقار از خود زبان خود ترانۂ توصیف لسان الحق می سراید۔ تحقیقات مشائیاں پیش افاداتش ہمچوں قیل وقال اطفال دبستاں وتوجیہات اشراقیاں درمقابلہ اضافاتش چوں نورِ چراغ پیش آفتاب درخشاں ہنگام گرمی آورد بازار حکمتش متاع ہر فلسی کاسد وقت باریدن سحاب حجتش آتش فتنہ انگیزی ہرا شعری خامد۔

ازاں بعد مصنف علام کی مدح میں چند اشعار زیب قرطاس کرتے اور پھر لکھتے ہیں۔ اعنی علامۂ روزگار وارث آئمہ اطہار مولی الخافقین آقا سید حسین علیپن مکانا اعلی اللہ مقامہ فی علیین مع آئمہ الطاہرین الھدین۔

اس طرح مصنف علام کی مدح وثنا کرتے ہوئے، آخر میں ان الفاظ کے ساتھ دعائیہ فقرہ تحریر کرتے اپنی تقریر دل پذیر کوختم کر دیتے ہیں۔

اس مسرت وشادمانی کے زمانہ میں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ زمانہ کے برکات اور خوبیوں کے باعث کتاب مستطاب حدیقۂ سلطانیہ ورسائل ایمانیہ کا چوتھا باب چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ جو کہ قبل ازیں انقلابات زمانہ اور فقدان اعوان وانصار کے باعث طبع نہیں ہو سکا تھا، قدرت ذات ذو الجلال کا کرشمہ دیکھنے کے لائق ہے کہ اس کتاب کے شہرت حاصل کرتے ہی صاحب الملل ونحل

کے ایسے بے انصاف اہل خلاف کے خرافات "کرماد اشتدت به الریح" کا مصداق بن کر اس راکھ کی طرح فنا اور برباد ہو گئے جس کے ذرات کو تیز آندھی اڑا لے گئی ہو اور ان کے وہ اقوال صاف طور پر مکڑی کے جالہ سے زیادہ کمزور ثابت ہو گئے جو انھوں نے مکر و زور کے ذریعہ تیار کئے ہوئے تھے انتہائی بلند عقل بھی اس کتاب کے دشوار گزار راستے میں عاجز ہے اس کے مضامین تک اسے رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کی تالیف و تنظیم کے معیار کی وصف بیان کرنے سے زبان گویائی عاجز ہے۔ کیا یہ کتاب ہے یا علم کا بھرپور سمندر یا بارانِ رحمت سے سیراب شدہ تروتازہ باغ ہے۔ اس کے صفحات حوران بہشت کے خوشنما چہرے ہیں اور اس کی سطریں پر رونق گلے کے ہار ہیں اس کے پیارے پیارے مضامین کی بلبلیں اس کے الفاظ کی شاخوں پر نغمہ سرائی کر رہی ہیں۔ اور گہرے اور دقیق مطالب اپنی سریلی آوازوں سے اس کے معنی کی خوشنما ٹہنیوں پر مترنم ہو رہے ہیں اس کے خط اور کتابت کی سیاہی میں آب حیات کی تاثیر ہے اور طوفان ضلالت میں یہ کشتیٔ نجات کا فائدہ دینے والی ہے۔ یہ ایسی روشن شمع ہدایت ہے کہ جو اہل عناد کے لغویات کے ضرر نقصان سے محفوظ ہے اور یہ ایسا جگمگاتا ہوا چراغ ہے جو اہلسنت کے پھوکوں کے ضرر اور نقصان سے محفوظ اور مامون ہے علم اور جو ہر کمال کی یہ کتاب جان ہے۔ اور جان فضل و علم کے لئے یہ بھرپور طاقت اور توانائی ہے۔ اس سے ایسے نادرۂ روزگار گل و پھول نمودار ہوئے ہیں کہ گل نرگس کو ان کا انتظار تھا۔ گلستان خلد نشان اس کی آب و تاب کو دیکھ کر اپنے مقام پر بے حد شرمسار ہو رہے ہیں بلکہ اس کے دیدار کے شوق کے باعث گلہائے نرگس کی آنکھیں پیوستہ کھلی اور بیدار رہیں۔ اس کے حسن و جمال کے اشتیاق میں ہر قسم کے پھول ایسے مضطرب اور بے چین ہیں کہ گویا کانٹوں کے بستر پر لیٹ رہے ہیں۔ یہ ایسے اچھوتے فصیح و بلیغ ایمانی الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے کہ ان تک پہلے کسی فرد انس وجن کو رسائی نصیب نہ ہو سکی۔ یہ ایسے بیش قیمت مطالب کا بھرپور خزانہ ہے کہ گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں اس کے پر رونق اور آب و تاب رکھنے والے فقرات تروتازہ پھولوں اور غنچوں سے پر

وباغات کا منظر پیش کرتے ہیں اس کی خوبصورت اور مزین ہر سطر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جنت ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہیں اس کتاب کا ہر حرف اس طرح دلربا اور پسندیدہ ہے کہ گویا دلوں کے لئے حیات اور روح رواں ہے اس کی ہر فصل موسم بہار کا نظارہ پیش کرتی ہے اور ہر باب رحمت خدا کا دروازہ ہے۔

سبحان اللہ یہ درشہوار یگانۂ روزگار جس کی مثل چشم فلک نے دیکھا نہیں اور گوش ملک نے سنا نہیں ایک ایسے سید علام کے تصنیفات وتالیفات میں سے ہے جو بڑے بڑے باعظمت علماء متکلمین کا سردار، باغیچۂ دلائل وبراہین کا باغبان کشف دین وحق کے چمن کو زینت وآرائش عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ، حدیث: علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل کا صحیح طور پر عزت یافتہ، قدسیان فلکی ملائکہ آسمانی کا ممدوح، اہل زمین کے درمیان مسلم الثبوت باکمال، قرب الٰہی کے زینوں پر بلندی حاصل کرنے کا واسطہ تخت اوامر ونواہی کی زینت افزائی کرنے والا، ارشاد ربی: واما بنعمة ربك فحدث۔ کہ اپنے رب کی نعمت کا تذکرہ کیجئے۔ اس کے مطابق منبع دانش ویقین سے علوم عالیہ کے قطرات کا مستحقین کے کام ودہن میں بارانی کرنے والا، ارشاد الٰہی: واما السائل فلا تنهر۔ کہ سائل کو جھڑکی نہ دیجئے، کے مطابق کمال جود وسخا سے سائلین کو علوم کے خزانے بخشنے والا، اہل ایمان کا پیشوا، راہ ایقان کا رہنما راستہ شریعت کے لئے خضر صفت راہبر طریق حقیقت کا ہدایت کنندہ۔ ارکان شرع نبوی کا موسس آداب وآئین مصطفوی کو استحکام پذیر کرنے والا، میدان مناظرہ میں منجانب اللہ نصرت یافتہ فلاسفہ اور اشاعرہ کے لشکروں پر غلبہ حاصل کرنے والا، شمشیر آتش بار کی ایک ہی ضرب حیدری کے ذریعہ شوکت عمری کے ہواخواہوں کے دماغ سے خیالات فاسدہ کے دھوئیں کو نکال باہر کرنے والا اس کا قلم حق رقم شمشیر قاطع کی طرح منکرین امامت آئمہ اطہار کی زبان محو قلم کر دیتا ہے اور ذوالفقار کی ایسی اپنی دونوں زبانوں سے لسان الحق جناب امیرؑ کی مدح وثنا کے ترانے الاپتا ہے۔ مصنف علام کے افادات عالیہ کے مقابلہ

میں فلاسفہ مشائین کی تحقیقات اطفال مکتب کی قیل وقال کا درجہ رکھتی ہیں۔اور حکماء اشراقین کی توجیہات آپ کے ارشادات عالیہ کے سامنے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے آفتاب عالم تاب کے مقابلہ میں ٹمٹماتے چراغ کی روشنی۔آپ کی حکمت ودانش کے بازار گرم کے مقابلہ میں ہر فلسفی کا کلام متاع کاسد شمار کیا جاتا ہے۔آپ کے دلائل وبراہین کے بادل جب برستے ہیں تو ہر اشعری کی فتنہ انگیزی کی آتش گل ہوجاتی ہے۔اس بلند پایہ شخصیت سے ہماری مراد علامہ دہر وارث آئمہ اطہارؑ مشرق ومغرب کے سردار آقا سید حسین علیین مکان ہیں۔اللہ تعالیٰ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ان کے مدارج کو بلندی بخشے۔(آمین)

منظومات

قصیدہ

مولانا و مقتدانا السید دلدار علی نقوی سیدؔ مرحوم و مبرور

عہدیست زمن خامۂ مشکینہ رقم را
مداحی سلطانِ عرب شاہ عجم را
شد چاک گریباں زستائش گریٔ خلق
از دست جفا کار سخن تیشہ قلم را
سیمرغ بود دانش من نے مگس خواں
ماوائے خودش ساختہ کاں کوہ ہمم را
ابکار مضامیں کہ بود زادہ فکرم
جائز نہ بود خطبہ اش ارباب نعم را
گرمسند قاقم بود و مجلس دو ناں
عیب است بہ نزد خرد ارباب ہمم را
آن کس کہ بود بادہ کش از ساغر کوثر
بر خاک مذلت زند او ساغر جم را
کلک قلمم گرنہ شود باد سیہ رو
فرسودہ رو مدح شہنشاہ امم را
با دوستیت عشق بتاں کفر شمارم
در کعبۂ دل جا نہ دہم سنگ صنم را

صوت حسن مدح تو کردند حلالم
نے ایں کہ سرایم پۓ اغیار نغم را
ایں تازہ سوادیکہ زرشحِ قلمم ہست
مخصوص مدیح تو بود نے کے و جم را
گیرائے مقیم کہ بجز مدح نباشد
از باد معانی بہ برود ہشت رم را
زنہار دریں راہ ز افراط و ز تفریط
جائے گذرت نیست مگر تیغ دودم را
در مدح قصورے شود اے شاہ بہ بخشا
گر عقل نداند چو من از مدح تو ذم را
در مکتب مداحی تو تازہ نشستم
اینک پۓ مدح تو گرفتیم قلم را
در مبداؤ مشتق نبود ہیچ تفاوت
ذات تو کریم آمدہ ہم عین کرم را
آزردہ و رنجیدہ شد از عالم امکاں
چوں ذات شریفت نہ شرف داد قدم را
بر فرق حدوث ارنہ شدے ظل وجودت
پاداش نمی کرد بجز کتم عدم را
محسوب شود معجزہ کاں لا متناہیت
منطق کند از ناطقہ ات جذر اصم را

شد چوں توشدی مجمع اطلاق دو امکاں
من وجہ و اطلاق سہ تا خاص و اعم را
اے آمر و ناہی تو بہ معروف ز منکر
از ناطقہ ات زیب بود لاد و نعم را
باشند ز ہم از نظر قہر تو اجسام
مخصوص بہ اعداد کند خوف تو کم را
دستم کہ سیہ می شود از سودن درہم
از حسرت دست تو بود روئے درم را
گر حامی بزغالہ شوی از سر انصاف
باشد کہ علف بار کند شیر اجم را
چوں بہر وجود تو بیار است مضیفے
تقدیر ز افلاک بپا کرد خیم را
خاک از رخ تو ختم رسل پاک نماید
و زلطف گزارد بسر دوش قدم را
سیرابی ابرازیم احسان تو باشد
پیش کف جود تو تنک حوصلہ یم را
نقد دل و جاں دادہ بہ سودائے شفاعت
بینیم جناب تو وما بیع سلم را
سرمایہ دل را بتو دادیم تو دانی
بامانہ بود کار چہ بسیار چہ کم را

حب تو بود شہد نفاق تو بود سم
گو خصم نداند نہ عسل را و نہ سم را
با گلبن روئے تو بود خار گلستاں
بے مہری تو خار کند باغ ارم را
واللہ بغیر از تو نہ دانم سروکارم
صد بار بریں میخورم اصناف قسم را
گردید دو تا پشت من از منت منّاں
گو لطف تو کاں راست کند قامت خم را
فریاد ازیں ساقئ مے خانۂ دنیا
ہر صبح و مسا میدہدم ساغر غم را
ایں بیوہ دنیا نہ بود قابل دیدن
دزدیدہ کند غمزۂ اوخار ستم را
در کوئے تو آسائم اگر قائد توفیق
از دوش دلم برفگند یاد الم را
یادم نہ ہوائے نجف و ساحت وادی
کو عطر نسیمش کہ رسد قوت شم را
فخرم بود از دودۂ خود در صف محشر
فردا کہ فراموش کند داد و دہم را
نور است علی النور حقیقی و اضافی
نازیم بوصف خود و وصف اب و عم را

تا ذات شریف تو رسد گر بہ شمارم
زیں سلسلۂ جدیم ارباب کرم را
مدح تو مرا در سخن آورد بہ پیری
اعجاز تو از لال برد عیب بکم را
عمرم سپری گشت بشد فرصتم از دشت
ریزم ہمہ در دامن خود اشک ندم را
در چشم زدن باختہ ام نقد جوانی
در دست نہ دارم بجز افسوس ہرم را
شاہا ز شفاعت چو شود روز قیامت
محروم نہ سازی من مسکین دژم را
فردا چو سر نیزہ شود نیر اعظم
از فوق سرم کم نہ کنی ظل علم را
مارا ز دل خویش فراموش نہ سازی
روزے کہ فراموش نمایند اب و عم را
سید تو مبندیش و مشو مضطرب الحال
داری بسرت سایہ فگن فخر امم را
یا رب بہ دلم بست تمنا ز سر لطف
مقبول بہ تعجیل کنی ملتمسم را
در بیت شرف آید و چوں صبح کشاید
خورشید امامت ز سر عزم امم را ✿✿✿

خاندان اجتہاد

امتیاز الشعراء مولانا سید محمد جعفر قدسیؔ جائسی مرحوم
مصنف کتب متعددہ ومترجم بحار الانوار ومعارف الملۃ وغیرہ

(۱)

لکھنؤ اے جلوہ گاہِ آفتابِ اجتہاد
سایہ افگن تجھ پہ تھا اک دن سحابِ اجتہاد
تھا مکیں تجھ میں وہ فردِ انتخابِ اجتہاد
وا کیا ہندوستاں میں جس نے بابِ اجتہاد
ناشر الاسلام کہف المسلمیں سردارِ دیں
غیثِ مدرارِ علومِ اوّلین و آخریں

(۲)

حامی الملہ، ملاذ الخلق، کہف الاذکیا
ماحی البدعہ، سراج الارتقا، غوث الوریٰ
محیی السّنۃ، ظہیر الشّرع، شمس الاعتلا
آیۃ الرّحمہ، کتاب الفضل، تفسیر الہدیٰ
حجۃ الاسلام، رکن الدیں، ضیاء النّیّرین
قبلۃ الحق، کعبۃ الایماں وجیہ السّاءتین

(۳)

اے کمالات انتساب ،اے حضرتِ غفرانمآبؒ[(۱)]
اے دلیلِ حق نما ،اے مقتدائے شیخ و شاب
اے فروغِ بزمِ دیں اے ہادیٔ راہ صواب
اے فلک درگاہ ،اے قائم مقامِ بوتراب
تیرے خامہ سے ہوئی تصویر ایماں کی جلا
مرتبہ خون شہیداں کا سیاہی کو ملا

(۴)

انبیّاء کا تو ہے وارث، اولیّا کا ہم وقار
اتقیا کا سر گروہ اور اصفیا کا تاجدار
خضر اصحاب یمیں، جنت مکاں، قدسی شعار
ذیشرف، ذی مرتبت، ذی منزلت، ذی اقتدار
فخر آبا، نازش قوم ،افتخار اجداد کا
وجہ صد عزّ و شرف جائس نصیر آباد کا

(۵)

میر نجم[(۲)] الدیں بہارِ بوستانِ سبزوار
تیرے اجدادِ مکرم میں ہیں اے والا تبار
غزنوی فرماں رواؤں میں ہے انکا بھی شمار
تھا جو سر میں نصرتِ مسعودِ[(۳)] غازی کا خمار
ہند میں آکر مسخّر کر لیا وڈّیا نگر
نام رکھا جائے عیش اسکے مناظر دیکھ کر

(۶)

رفتہ رفتہ نام جائے عیش کا ،جائس ہوا
لطفِ حق اس سرزمینِ پاک پر ہوتا رہا
ذرہ ذرہ کیمیا ساز کمال و فضل تھا
گر خذف بھی مل گیا اسمیں زر خالص بنا

تجھ سے منظور خدا کا جب ہو جائس نانیھال
کیوں نہ پہنچے تابہ ہفت اقلیم پھر صیت کمال

(۷)

اپنی حالت کو ہر ایک ذرّہ بدلتا ہی رہا
فضل حق سے فضل کے سانچہ میں ڈھلتا ہی رہا
آفتاب علم بن بن کر نکلتا ہی رہا
رشک سے دل نیرّ اعظم کا جلتا ہی رہا

معرفت افروز ہے ،عرفاں مآبوں کی ضیا
دل فروز خلق ہے ان آفتابوں کی ضیا

(۸)

حامل بار شریعت خلق میں وہ ماں ہوئی
جسکی چشم لطف تیری تربیت ساماں ہوئی
جسکی جوئے شیر ،رشک چشمۂ حیواں ہوئی
گود جسکی ہمکنار رحمت یزداں ہوئی

اس صدف کا تو گہر ہے جس سے جائس کو شرف
پاک جیسا بطن ،پاکیزہ ہے ویسا ہی خلف

(۹)

گیارہ سو چھاسٹھ سن ہجری میں پیدائش تیری
طالع ظلمت سرا ئے ہند کو چمکا گئی
تیرے مولد سے اک ایسی روشنی ساطع ہوئی
جگمگا اُٹھی زمیں جس سے نصیر آباد کی
انجمن افروز عالم تو شب جمعہ ہوا
چھاؤں میں تاروں کی بزم آرا ہوا شمس الضحیٰ

(۱۰)

جوہر ذاتی ترا خود عزت افزا ہے ترا
جس پہ رشک اہل شرف کو ہو وہ رتبہ ہے ترا
منتخب سارے زمانے میں گھرانا ہے ترا
حیدر صفدر کا پوتا جدّ اعلیٰ ہے ترا
حضرت خیر النساء کی آنکھ کا تارا ہے تو
مرتضیٰ کا لختِ دل ،اللہ کا پیارا ہے تو

(۱۱)

ایک سے ہے ایک نام آور تری اولاد میں
فرد ہر اک فضل و مجد و علم و استعداد میں
میر مجلس لطف رب سے مجلس ارشاد میں
صدر محفل فضل حق سے محفل زہّاد میں
آگیا کوئی حضانۃ(۴) میں امام عصر کی
کوئی بتلایا گیا من جانب اللہ جنتی(۵)

(۱۲)

کعبۂ دیں، رکن ملت حضرت رضواں مآب
حجۃ الاسلام سید مہدی[۶] عرفاں مآب
آسمان مکرمت سید حسین[۷] احساں مآب
مولوی بندہ[۸] حسین ذیشرف ایقاں مآب
سر کسی ذیجاہ کا شایاں برائے تاج[۹] علم
تھا کوئی صدر الشریعت ہادی[۱۰] منہاج علم

(۱۳)

فاضل علّام سید مرتضیٰ[۱۱] سید تقی[۱۲]
میر[۱۳] آغا آفتاب اوج عزو برتری
شمع بزم اصفیاء پرہیز گار و متقی
سید ابراہیم[۱۴] گلچین ریاض احمدی
بحر علم و فضل علّن[۱۵] صاحب کوثر نوال
کنز حلم و عقل بچھن[۱۶] صاحب بوذر خصال

(۱۴)

مایہ دار شرع مُتّن[۱۷] صاحب عالی وقار
قبلۂ اہل یقیں سید نقی[۱۸] ذی اقتدار
شمس علم و کہف دیں ابن[۱۹] حسن قدسی شعار
وہ سمی[۲۰] حجت عاشر سلف کی یادگار
وقف دل سے اہل عالم کی ہدایت کے لئے
ہادی راہ صواب افراد امت کے لئے

(۱۵)

بزم آرا اے جہاں تو صرف انہتر سال تھا
پھر بھی محکم کر گیا دین پیمبرؐ کی بنا
تیرے علم عقلی و نقلی کا اندازہ ہو گیا
قریہ قریہ شہر شہر اس دھن میں سرگرداں رہا
کربلا وکاظمین و سامرہ ،طوس و نجف
مدرسہ تیرا ہے ان میں سے ہر اک بیت الشرف

(۱۶)

وہ علی الاعلان دورادور صہبائے حجاز
شیعیان ہند کی پہلی جماعت کی نماز
جس سے عہد آصف الدولہ کو ہے خاص امتیاز
کارنامہ تیری رندیّت کا ہے اے پاکباز
بارہ سو ۱۲۰۰ھ ہجری رجب کی تیرہویں جمعہ کا دن
تیری وہ سر مستیاں تیرا وہ جوش انگیز سن

(۱۷)

بارہ سو پینتیس ہجری کا مہینہ ساتواں
کر چکا جب ختم دن اٹھارہواں سویا جہاں
خلق میں انیسویں شب آئی با آہ و فغاں
لے گئی تجھ کو جگا کر سوئے گلزار جناں
پھٹ پڑا کوہ الم ،سر پر اک آفت آگئی
لکھنؤ کیا ہند میں صبح قیامت آگئی

(۱۸)

اے مرے غفراں مآب ،اے میرے دلدار علی
والہ و شیدائے احمد عاشق زار علی
خامۂ شمشیر جو ہر سے مدد گار علی
نوک خامہ تھی دم تیغ شرر بار علی
دین کی تجدید کی،اسلام کی تائید کی
اے جزاک اللہ کیا ترویج کی توحید کی

(۱۹)

تیرا جلوہ ڈھونڈتی تھی ہند کی تیرہ فضا
ہند کا تاریک مطلع تونے روشن کردیا
تونے فرمائی حسینی انجمن آراستہ
تو ہوا بانی عزائے سید مظلومؑ کا
بن گیا تو خود شہید کربلا کا سوگوار
اہل ایماں کو رلایا صورت ابر بہار

(۲۰)

روشن اس عالم میں کی شمع عزا صد مرحبا
جب حسینی کارنامہ تھا جہاں بھولا ہوا
کربلا کا واقعہ اک قصۂ پارینہ تھا
لوگ اسرار شہادت سے بھی تھے ناآشنا
تونے سمجھی قدر خون ناحق معصوم کی
تونے ترویج عزائے سید مظلومؑ کی

(۲۱)

فدیہ حق، سبط پیغمبرؐ حسینؑ ابن علیؑ
از سر نو جسنے بخشی دین حق کو زندگی
ہند والوں کی نظر میں اسکی وقعت کچھ نہ تھی
معرفت کی شمع تونے انجمن افروز کی
تونے سمجھے ماتم سلطانِ دیں کے فائدے
پائے مضمر اسمیں ارباب یقیں کے فائدے

(۲۲)

سب کو شیدائے امام انس وجاں فرما دیا
ملک دل میں سکۂ عرفاں رواں فرما دیا
مدتوں سے جو نہاں تھا وہ عیاں فرما دیا
راز مخصوص بقائے دیں بیاں فرما دیا
طاعت حق سمجھی لوگوں نے اطاعت شاہ کی
یاد فرزند پیمبرؐ ٹھہری یاد اللہ کی

(۲۳)

تونے اپنے جانشین سے بہر ترویج عزا
کی وصیت اے عزادار شہید کربلا
اس وصیت میں کچھ ایسا زور تھا تاکید کا
جانشینوں میں ترے جاری ہے اسکا سلسلہ
تیری سعی بارآور مستحق داد ہے
سب کے لب پر نام شہ کا، دل میں شہ کی یاد ہے

(۲۴)

صاحب شان بلند و رتبہ والا حسینؑ
زینت عرش بریں و عالم بالا حسینؑ
مصطفیؐ اور مرتضیٰؑ کا گیسووں والا حسینؑ
سیدہؑ سی فاقہ کش کی گود کا پالا حسینؑ
موت سے بد تر ہے جینا کچھ اگر حاصل نہیں
الفت شبیرؑ جس دل میں نہیں وہ دل نہیں

(۲۵)

تجھ کو تھی اک خاص ارادت حضرت شبیرؑ سے
کشتۂ تیر و سناں و نیزہ و شمشیر سے
سید خونیں کفن سے، سرور دلگیر سے
فاطمہؑ زہرا کے ماہ کامل التنویر سے
آیت عشق حسینی ہے حسینیہ ترا
مرکز جذب حقیقی ہے حسینیہ ترا

(۲۶)

اس حسینیہ کا رتبہ ہو نہیں سکتا بیاں
کربلائے ہند ہے یہ خطۂ جنت نشاں
بعد مردن مل گئی دو گز زمیں جسکو یہاں
فی الحقیقت پا گیا گویا وہ عمر جاوداں
اسکے دامن میں نہاں وہ گوہر شہوار ہیں
جنکے دل زیر زمیں بھی مطلع انوار ہیں

(۲۷)

گو ہے آغوش حسینیہ میں تو رونق فزا
دل شکستہ پھر بھی ہے یہ تیرے غم کا مبتلا
دل بہت مشتاق ہے تیری نگاہ لطف کا
گو یہ بے حسن تھا مگر پھر بھی کلیجہ پھٹ گیا
ٹوٹی دیواریں شکستہ در ہیں اک تصویر غم
بے ترے یہ حال اسکا ہو گیا تیری قسم

(۲۸)

چادر گل قبر اطہر پر چڑھاتا ہوں حضور
گل بھی وہ گل جن کے جلووں سے خجل رخسار حور
خون دل پانی ہوا جب تو ہوا ان کا ظہور
جتنے گل ہیں اتنے دل ہیں دل وہ ساطع جن سے نور
لالہ زار فکر کے جلوے ہیں یا روشن چراغ
جلوہ زار نظم کے غنچے ہیں یا پھولوں کا باغ

(۲۹)

آستاں بوسی کی حسرت کھینچ لائی ہے مجھے
جنبش جذب عقیدت کھینچ لائی ہے مجھے
جوشش خون ارادت کھینچ لائی ہے مجھے
لکھنؤ تک کوئی قوت کھینچ لائی ہے مجھے
کہہ خدا سے دن پھریں جائس نصیرآباد کے
اب تو پانی پھر رہا ہے نام پر اجداد کے

(۳۰)

تیری مسجد اور حسینیہ نصیر آباد میں
اب زبان حال سے ہیں رات دن فریاد میں
کیا کوئی ایسا نہیں ہے قوم کی افراد میں
کچھ سہارا دے جو اُن دونوں کو اس افتاد میں
احتیاج ان کو فقط ہے اک نگاہ مہر کی
رخنہ بندی ہو تو پھر کیسی شکستہ خاطری

(۳۱)

کر دیا تونے لوجہ اللہ اثبات صلوٰۃ
مسجد و محراب و منبر تیرے آیات صلوٰۃ
یاد کرتے ہیں تجھے یہ سب مقامات صلوٰۃ
ڈھونڈھ کر تجھ کو چلے جاتے ہیں اوقات صلوٰۃ
دلنشیں اب تک تری تسبیح کے انداز ہیں
مسجد و محراب و منبر گوش بر آواز ہیں

(۳۲)

ہیں یہ سب مشتاق اسی آوازخوش انداز کے
بند کس پردے میں ہیں نغمے تری آواز کے
کیوں نہیں کھلتے ہیں پردے ساز ایماں ساز کے
محو ہی رکھیں گے کیا جلوے نیاز وناز کے
اک نظر کر تو سہی اس انجمن کے رنگ پر
دیکھ تو ہر شمع کی ہے ضوفشاں کس ڈھنگ پر

(۳۳)

قابل عبرت ہیں رنگا رنگ بزم آرائیاں
دل سے لب تک آکے رہ جاتا ہے انداز فغاں
کہہ دے جو یہ واقعہ لاؤں کہاں سے وہ زباں
مجھ سے کہتے بن نہیں پڑتی یہ غم کی داستاں
کی نہ تیری قدر کچھ بھی قوم کے افراد نے
ایک دن بھی انکو چونکایا نہ تیری یاد نے

(۳۴)

کیا ابھی تک قوم نا واقف ہے تیری شان سے
دیں کی خدمت تو نے کی ہے بیشتر امکان سے
غیر ممکن ہے سبکدوشی ترے احسان سے
مجھ سے گر پوچھے کوئی تو میں کہوں ایمان سے
تھا وہ اک روشنگر آئینہ دین مبیں
تھا وہ اک صورت طراز رسم و آئین مبیں

(۳۵)

کام وہ اسنے کیا جس سے ہوئی دیں کی بقا
آج اسی احقاق حق کا دل پہ سکّہ ہے جما
نام اسی نے ملت بیضا کا روشن کر دیا
رات دن اس فکر میں اپنا لہو پانی کیا
طاقت الحاد اسکے جوش دل کی گھٹ گئی
شمع دیں کے نور سے بدعت کی ظلمت چھٹ گئی

(۳۶)

سب کو اپنے بادۂ عرفاں کا متوالا کیا
ہے وہی پیر مغاں ساغر کشان ہند کا
جتنے ساقی ہیں پہونچتا ہے اسی تک سلسلہ
مے وہی ہے، گو ہے ہر ساقی کا میخانہ جدا
رند جتنے ہیں اسی کے نام کے ہیں جرعہ نوش
یاد کرتے ہیں اسی کو جب کبھی آتا ہے جوش

(۳۷)

در حقیقت اک ملک وہ پیکر انساں میں تھا
دور ظلمانی میں تھا بدر الدجیٰ شمس الھدیٰ
ذات اسکی تھی عجب نعمت پئے خلق خدا
رات دم محو خیال حق، فنا فی الاتقا
جسکی ساری عمر قومی خدمتوں میں کٹ گئی
قوم کے نزدیک گویا ساعتوں میں کٹ گئی

(۳۸)

مرنے والا ہم پہ احساں کرتے کرتے ماہ و سال
سورہا تربت میں روشن کرکے آیات کمال
اک صدی گذری مگر گذرا نہ دل میں یہ خیال
کوئی اسکے نام کی ہو یادگار بے مثال
خلق بھی جانے کہ کوئی ہادی الاسلام تھا
قوم بھی سمجھے کہ کوئی واجب الاکرام تھا

(۳۹)

علم کے طالب وظیفے پائیں اسکے نام سے
روز افزوں کیف مستوں کا ہو دور جام سے
نشئہ چھڑھنے میں بھی رکھیں کام اپنے کام سے
تشنگان شوق چھک جائیں مئے اسلام سے
پیروی اس خضر منزل کی اگر ہوتی رہے
میکدے کی راہ سب کی رہگذر ہوتی رہے

(۴۰)

آج ان اقوام کا ہے زندہ قوموں میں شمار
متفق ہو کر کیا کرتے ہیں جو آغاز کار
یکدلی رکھتے ہیں جو انجام تک اپنا شعار
اپنے ہر ایک رہنما کا جو بڑھاتے ہیں وقار
بعد مدت کرتے ہیں صورت بقائے نام کی
آئینہ ہوتی ہے جس سے قوم کی روشندلی

(۴۱)

اک ہماری قوم ہے، جسکی انوکھی ہر ادا
مختلف جسکی روش، مسلک زمانے سے جدا
ہند میں مضبوط کی، ایمان کی جس نے بنا
اس سے ایسی سست پیمانی کہ ہو خون وفا
آج اسکے کارناموں سے کوئی واقف نہیں
کوئی اسکی ذات حق آگاہ کا عارف نہیں

(۴۲)

کس مپرسی کے شکنجے میں کتابیں ہیں وہ آہ
ماند جنکے سامنے لوح بیاض مہر و ماہ
ہر خطا مسطر ہے گویا ایک دینی شاہراہ
قوم اے قوم اسطرف بھی اک توجہ کی نگاہ
کیوں ہر اک تصنیف کو تقویم پارینہ سمجھ
ہو جو کچھ ذوق نظر حکمت کا گنجینہ سمجھ

(۴۳)

بالعموم اس سے ابھی تک ہے زمانہ بے خبر
آئینہ ہو جائیں اسکے واقعات عمر اگر
قدر کی نظروں سے دیکھے اسکو ہر فرد بشر
کچھ نہ کچھ ہو دیکھنے والوں کے دل پر بھی اثر
تو اگر چاہے تو پھر یہ کام کیا دشوار ہے
تیری عالی ہمتی کی اک نظر درکار ہے

(۴۴)

انہماک اس میں بہت علاّمہ ٔ ہندی[۲۱] کو ہے
تو بھی پی لے اک ذرا سی یہ حیات افروز مے
محو تا ہو جائے تیرے دل سے بھی ہر ایک شئے
نشہ میں اس مے کے سارے مرحلے ہو جائیں طے
دامن ساقی کو بھر دے درہم و دینار سے
دست ہمت کم نہ ٹھہرے ابر گوہر بار سے

(۴۵)

آیۃ اللہ قدوۂ اہل صفا آقا[۲۲] حسن
عالم دیں، فاضل کامل، فقیہ مؤتمن
علم و فضل و زہد و تقویٰ جسکا مشہور زمن
ہند کی دار الشریعت میں ہے شمع انجمن
یہ بھی کوشاں ہے کہ تصنیفات شایع ہوں کہیں
ہائے یہ انمول موتی بھی نہ ضایع ہوں کہیں

(۴۶)

مولوی سید علی[۲۳] داور گل گلزار فضل
گوہر دریائے عزت رونق بازار فضل
دین داور کا مبلغ کاشف اسرار فضل
نیر برج شرف مہر تجلی بار فضل
کام کرتا ہے زباں و خامہ سے تبلیغ کا
مرحبا اس ہمت مردانہ پر صد مرحبا

(۴۷)

عمدۃ الاخیار فخر دودماں کلب حسین[۲۴]
مورد لطف و عطائے فاتح بدر وحنین
پست جس کے اوج ایمانی سے فر فرقدین
جسکے دم سے مجلس ارشاد کی ہے زیب و زین
آفتاب ضوفشان دین ختم المرسلیں
آسمان علم و حلم و فضل و عرفان و یقیں

(۴۸)

نصرت دین پیمبر میں مددگار حسینؑ
ذاکر مظلومیٔ شبیر غمخوار حسینؑ
فی الحقیقت جا ن و دل سے ہے پرستار حسینؑ
یہ بھی ہے منجملہ اعوان و انصار حسینؑ
علم کے جلووں سے رشک آسماں اسکی زمیں
کوئی اسکا مثل ڈھونڈھے بھی نظر آتا نہیں

(۴۹)

حجۃ الاسلام ،کہف المسلمیں۔ سبط[۲۵] حسین
خضر ملّت،شمع ایماں، رکن دیں سبط حسین
شمس عرفاں ،پیشوائے عارفیں سبط حسین
ساقیٔ سر چشمۂ عین الیقیں سبط حسین
رونق بزم شریعت آفتاب اجتہاد
روح اصلاح و صلاح وجان ارشاد ورشاد

(۵۰)

انحصار اعلمیت ہے اسی کی ذات پر
آپ اپنی مثل ہے یہ صاحب فضل و ہنر
علم و حکمت کا یہ ہے وہ آفتاب جلوہ گر
تارے جسکے سامنے بے نور آتے ہیں نظر
بحر بے ساحل،علوم عقلی و نقلی میں طاق
شہرہ اسکے علم کا ہندوستاں سے تا عراق

(۵۱)

اپنے اجداد گرامی کی طرح بے ارتیاب
یہ بھی ہے روشن ضمیر و ہادی راہ صواب
اسکے استدلال سے بھی ہے مخالف لا جواب
باب شہر علم سے یہ بھی ہوا ہے فیضیاب
کیوں نہ ہو اندازہ مشکل اسکی استعداد کا
فارغ التحصیل سترہویں برس یہ ہو گیا

(۵۲)

ہیں مفید صاحبان علم افادات اسکے بھی
مایہ ناز جہاں علم افادات اسکے بھی
موجب صد عزو شان علم افادات اسکے بھی
کائنات آسمان علم افادات اسکے بھی
جلوہ گر الفاظ سے تنویر مہر و ماہ ہے
ہر تجلی رہبر منزل ہے خضر راہ ہے

(۵۳)

منبع فضل و کرامت مجمع اوصاف ہے
اسکا دامان شرف بھی صاف اور شفاف ہے
یہ وحید العصر ہے، یہ خاتم الاسلاف ہے
یہ فرید الدہر ہے یہ قدوۃ الاخلاف ہے
واجب الاکرام ہے،شائستۂ تعریف ہے
بیشک اسکی ذات مستغنی عن التوصیف ہے

(۵۴)

یہ وہ مہر مبین آسمان اجتہاد
جسکی تنویروں سے روشن ہے جہان اجتہاد
یہ ہے وہ چشم جراغ خاندان اجتہاد
جسنے روشن کر دیا نام و نشان اجتہاد
اسکے دم سے زیب و زین مسند غفراں مآبؒ
اسکی محفل ہے جواب محفل رضواں مآبؒ

(۵۵)

جس پہ نازش ہے شرف کو وہ شرف والا یہ ہے
فاضلین و کاملین دہر میں یکتا یہ ہے
احمدی اخلاق کا آئینہ سر تا یہ ہے
مختصر یہ ہے کہ اچھوں سے بہت اچھا یہ ہے
کھول دیتا ہے بہ آسانی یہ عقدے علم کے
مشکلیں رہتی نہیں ہیں مشکلیں اسکے لئے

(۵٦)

ہے جو فکر یادگار حضرت غفرانمآبؒ
اسکا دل ہے سوگوار حضرت غفرانمآب
رنگ لائے لا لہ زار حضرت غفرانمآبؒ
عام ہو فیض بہار حضرت غفرانمآب
وہ کتابیں جلد شایع ہوں ہدایت کے لئے
جو بصیرت بخش ہیں اہل بصارت کے لئے

(۵۷)

بس بس اے قدسیؔ زیادہ عرض حال اچھا نہیں
جوش ہمت کا اثر تونے ابھی دیکھا نہیں
قوم اپنے ذیشرف ہادی سے بے پروا نہیں
آج اسکے قبضۂ قدرت میں آخر کیا نہیں

اتنی حاجت تھی کہ کوئی یاد دلوادے اسے
کام یہ پورا ہوا تیرے صلائے عام سے

حواشی

(۱) مجدد الشریعت محیی الملت آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی نقوی غفران مآبؒ، (۲) فقیہ مؤتمن نواب نجم الملک علامہ سید نجم الدین سبزواری (فاتح جائس)، (۳) سید سالار مسعود غازی مدفون بہ بہرائچ، (۴) قبلہ وکعبہ سلطان العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد نقوی رضوان مآبؒ ابن حضرت غفران مآبؒ، (۵) آیۃ اللہ سید حسن نقوی مجتہد ابن حضرت غفران مآب، (۶) آیۃ اللہ سید مہدی نقوی مجتہد ابن حضرت غفران مآبؒ، (۷) قبلہ وکعبہ سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید حسین علیین مکان ابن حضرت غفرانمآبؒ، (۸) ملک العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید بندہ حسین نقوی مغفرت مآبؒ ابن حضرت رضوان مآبؒ، (۹) تاج العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی محمد نقوی طاب ثراہ ابن قبلہ وکعبہ سلطان العلماءؒ، (۱۰) صدر الشریعت عمدۃ العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد ہادی ابن آیۃ اللہ سید مہدیؒ، (۱۱) خلاصۃ العلماء رئیس المجتہدین آیۃ اللہ العظمیٰ سید مرتضیٰ ابن قبلہ وکعبہ حضرت رضوان مآبؒ، (۱۲) افضل المجتہدین فخر المدرسین ممتاز العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد تقی نقوی جنت مآبؒ ابن قبلہ وکعبہ سید العلماءؒ علیین مکان، (۱۳) فقیہ اہلبیت عماد العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد مصطفیٰ ''میر آغا صاحب'' علیین مآبؒ ابن عمدۃ العلماء صدر الشریعتؒ، (۱۴) سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج سید محمد ابراہیم نقوی فردوس مکانؒ ابن جنت مآبؒ، (۱۵) بحر العلوم آیۃ اللہ العظمیٰ سید محمد حسین نقوی ابن ملک العلماء مغفرت مآبؒ، (۱۶) ملاذ العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالحسن نقوی ابن ملک العلماء مغفرت مآبؒ، (۱۷) ممتاز العلماء آیۃ اللہ سید ابوالحسن نقوی مجتہد ابن سید العلماء فردوس مکانؒ، (۱۸) زبدۃ العلماء معین المومنین آیۃ اللہ سید علی نقی نقوی مجتہد ابن قبلہ وکعبہ سید العلماء علیین مکانؒ، (۱۹) کہف العلماء آیۃ اللہ سید ابن حسن نقوی مجتہد ابن میر حسن رضا، (۲۰) سید العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ علامہ سید علی نقی نقوی ابن ممتاز العلماء سید ابوالحسن صاحب مجتہد، (۲۱) حکیم الامت علامۂ ہندی آیۃ اللہ العظمیٰ سید احمد نقوی ابن سید العلماء فردوس مکانؒ، (۲۲) قدوۃ العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید کلب صادق نقوی المعروف بہ مولانا سید آقا حسن (بانی آل انڈیا شیعہ کانفرنس) ابن مولانا سید کلب عابد نقوی جائسی،

(۲۳) لسان الواعظین ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور (مدیر ماہنامہ "مبلّغ") ابن مولانا سید علی اکبر ابن سلطان العلماء، (۲۴) ذاکر شام غریباں عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین نقوی ابن قدوۃ العلماءؒ، (۲۵) اعلم العلماء سید الحکماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید سبط حسین نقوی ابن مولانا سید رمضان علی نقوی جائسی۔

نوٹ: ۱۹؍رجب المرجب ۱۳۳۶ھ کو حسینیۂ غفران مآبؒ لکھنؤ میں حضرت غفران مآبؒ کی صد سالہ یادگار کی عظیم الشان مجلس میں مصنف نے یہ مسدس پڑھا تھا۔

ہندی موسیٰ

ابوالمعارف مولوی سید دلدار علی نقوی رازؔ اجتہادی مرحوم

(۱)

ہے نصیر آباد اک بستی اودھ میں مختصر
صاحب ایماں ہیں گو رکھتے نہیں کچھ مال و زر
سیدوں کے بھی ہیں آبادی میں کچھ تھوڑے سے گھر
کھیتی باڑی میں بمشکل کرتے رہتے ہیں بسر
تھے انہیں میں ایک معین الدین مرد باخدا
تنگدستی میں رہا کرتے تھے یہ بھی مبتلا

(۲)

مال دنیا تو نہ تھا اچھا تھا قسمت کا مآل
تھا گیارہ سو چھیاسٹ ۱۱۶۶ھ وہ سن ہجرت کا سال
ہونے والا گھر میں تھا فرزند ایک فرخندہ فال
کون ہے جس کو نہیں معلوم پیدائش کا حال
باپ ماں کا کیوں نہ ہوتا دل خوشی سے باغ باغ
دُور تاریکی ہوئی روشن ہوا گھر کا چراغ

(۳)

اتنی وسعت تو نہ تھی آتی جو کوئی قابلہ
شب کی ظلمت گھٹ گئی چمکا ستارہ صبح کا
حق نے آساں کر دیا گو مرحلہ دشوار تھا
سید موصوف کا نور نظر پیدا ہوا
آرزو کسب ضیا کی تھی جو برق طور سے
ہو گیا روشن زچہ خانہ جبیں کے نور سے

(۴)

صورت راحت تھی باہر باپ کے امکان سے
جھوپڑی کو گو نہ تھی نسبت کسی دالان سے
پرورش ہونے لگی غربت زدوں کی شان سے
تھا مگر افضل وہ گھر شاہوں کے بھی ایوان سے
قصر شاہی کی طرف جھکتی نہ تھی ہر گز نظر
بن گیا مسجود زُہرا خادم زہراؑ کا گھر

(۵)

باپ ماں تھے خادمان جانشین مصطفیٰ
اس لیئے تھی گلۂ بانی کمسنی کا مشغلہ
نام ''دلدار علیؒ'' رکھا گیا مولود کا
ہونے والا تھا یہ بچہ ورثہ دار انبیا
گر ائمہؑ کی نیابت زور علم دیں سے لی
انبیاءؑ کی طرح گذری اقتصادی زندگی

(۶)

شوق کسب علم کا پوچھو نہ کچھ حد و حساب
روشنی ممکن نہ تھی تھا روئے علم اندر نقاب
عاریت لے لے کے اک اک سے پڑھی اک اک کتاب
انتظار صبح کرتے تھی نہ اتنی دل کو تاب
اور ہمت بڑھ گئی گھر میں نہ جب پایا چراغ
اس جگہ پہونچے جہاں روشن نظر آیا چراغ

(۷)

ابتدائے زندگی میں تھا وہ دن بھی انتخاب
بکریاں چرتی تھیں خود زیر شجر تھے محو خواب
گرمیوں کا عہد اور وقت عروج آفتاب
بند آنکھیں کیا ہوئیں گویا کھلا قسمت کا باب
آنکھ لگتے ہی یہ آئی کان میں غیبی صدا
سو چکا فرزند اٹھ اب لکھنؤ کی سمت جا

(۸)

امت جد، دین حق ہاتھوں سے اپنے کھو چکی
گلہ بانی بکریوں کی ہو چکی بس ہو چکی
نیک اعمالی کے دفتر آنسوؤں سے دھو چکی
قوم کو بیدار کر سونا تھا جتنا سو چکی
اٹھ مرے لخت جگر مشکل کشا کا نام لے
غرق ہونے کو ہے بیڑا بڑھ کے لنگر تھام لے

(۹)

رعب اتنا دل پہ چھایا صاحب آواز کا
پہلے تو سونچا کئے یہ کس طرح کا خواب تھا
جاگنے پر دیر تک کانپا کیئے سب دست و پا
اپنی ہی روشن ضمیری نے جواب آخر دیا
ہو مبارک عالم دیں حامی امت ہوا
حاکمِ شرعِ رسالت نائب حجتؑ ہوا

(۱۰)

ملتے ہی تعبیر یہ باندھی پئے غربت کمر
مفلسی میں اور کیا ہوتا سرانجام دگر
بکریاں پہونچائیں مجبوری سے آخر تا بہ در
ایک لوٹا ایک چادر، تھا یہ سامان سفر
کوئی پیسہ تھا نہ توشہ ساتھ کھانے کے لیے
تھے صعوبات سفر دل کو دکھانے کے لیے

(۱۱)

تھی نہ غربت میں میسر اور تو کوئی غذا
شام غربت آگئی جب دن بمشکل کٹ گیا
یا تو تھے مولی کے پتے یا چنے کا ساگ تھا
بس یہ تھا سامان شب کو راحت و آرام کا
تھا نہ رخت خواب ہی کچھ اور نہ سایہ تھا کہیں
ذات باری پر تھا تکیہ اور بستر تھی زمیں

(۱۲)

لکھنؤ القصہ پہونچے اور ہوئی فکر مقام
وقف اک مسجد ہوا کرتی ہے بہر خاص و عام
اور کیا غربت میں ہو سکتا تھا کوئی انصرام
خانۂ حق میں مسافر نے کیا آکر قیام
مل گیا کھانے کو گر کچھ شکر کر کے کھا لیا
اکثر اوقات دو دو دن گذارے بے غذا

(۱۳)

قابل تدریس پایا لکھنؤ میں جو کوئی
تھے جو سندیلہ میں عالم مولوی حیدر علی
پڑھ لیا کچھ راستہ میں چلتے چلتے اس سے بھی
جا کے پیدل علم عقلیہ کی تحصیل ان سے کی
علم کے ہمراہ شوق علم بھی بڑھتا رہا
کم نگاہوں میں رہا فیض ابن حمد اللہ کا

(۱۴)

گو نہ اہل علم کی ہندوستاں میں تھی کمی
فکر روز و شب رہا کرتی تھی جو دل کو یہی
تشنہ کام علم کو حاصل نہ پر تسکیں ہوئی
تھی غلام حضرت سبطینؒ(۱) کی شہرت بڑی
چونکہ تحصیل علوم دیں پہ باندھے تھے کمر
ہو گیا سمت الہ آباد پیدل ہی سفر

(۱۵)

مہرباں بے حد رہے یہ سید والا صفات
پھر الہ آباد میں رکھا تھا کیا بعد ممات
ان کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ ان کی تا حیات
آگئے رائے بریلی جب ہوئی ان کی وفات
تھا جو باران شرف اللہ کی درگاہ سے
مل گیا فیض تلمذ ان کو باب[1] اللہ سے

(۱۶)

ان سے گو ہوتی رہی تحصیل علم منطقی
اہل علم و فضل کی تعریف جس جا بھی سنی
تشنہ کامِ علم کو باقی رہی پر تشنگی
پاپیادہ طے مسافت ہو گئی اس شہر کی
اشتیاق علم میں یوں خاک چھانی کو بکو
گاہ فیض آباد پہونچے گاہ آئے لکھنؤ

(۱۷)

لکھنؤ میں تھے رئیس ذی حشم عالی جناب
آپ نے دیکھا جو زور علم کا اٹھتا شباب
سرفراز الدولۂ عالی ہمم جن کا خطاب
ابر جود و فیض آیا جوش میں مثل سحاب
اتنا پایا ان کو جب وارفتۂ تحصیل علم
کربلا بھجوا دیا فوراً پئے تکمیل علم

(۱۸)

جب یہ پہونچا سید عالی نسب کرب و بلا
تحت قبہ با صمیم قلب پھر یہ کی دعا
پہلے ارکان زیارت پیش شہ لایا بجا
دہر میں روشن ہے جب تک شمس اے شاہ ہدا
علم بھی میراث میں مثل شرف قائم رہے
خانداں میں میرے کوئی مجتہد دائم رہے

(۱۹)

ہو چکے فارغ زیارات مشاہد سے تمام
تھے یہاں ملا محمد باقر عالی مقام
مشغلہ رہنے لگا خوانندگی کا صبح و شام
ان سے حاصل کچھ دنوں کرتے رہے فقہ و کلام
آپ کے استاد تھے اک حجۃ الاسلام بھی
نام نامی جن کا تھا آقائے السید علی

(۲۰)

جب کلام و فقہ سے حاصل فراغت ہو چکی
فاضل کامل تھے اس میں ایک سید موسوی
فکر، اخبار و احادیث ائمہ کی ہوئی
تھے یہ ہم نام محمدؐ اور امام[۱] آخری
لے لیا جس بحر سے جیسا ملا در صدف
پیش قدمی کی شرف نے جب چلے سمت نجف

(۲۱)

ساتھ علم و فضل کے بڑھتا رہا شوق و شغف
گو سہام تنگدستی کا کلیجہ تھا ہدف
کربلا سے جس قدر پانا تھا وہ پایا شرف
اشتیاق قلب نے پہونچا دیا لیکن نجف
رحمت حق دفتر آلام و غم دھونے لگی
جبہہ سائی باب شہر علم کی ہونے لگی

(۲۲)

باغ علم دیں ہرا تھا دور تھی باد سموم
مجتہد گو تھے نجف میں کتنے ہی مثل نجوم
فیض حکمت سے معطر ہو رہے تھے ترک و روم
ان میں مانند قمر ممتاز تھے بحر العلوم
ایک لمحہ بھی کیا ضائع نہ غربت میں فضول
ان سے حاصل کی بہ محنت آپ نے فرع و اصول

(۲۳)

جب اصول و فرع سے حاصل فراغت ہو چکی
کاظمینؑ و سامرہ کی بھی زیارت ہو چکی
مل گئے استاد بھی کامل فضیلت ہو چکی
اپنے ابنائے وطن سے حدّ فرقت ہو چکی
چلتے چلتے رہ نہ جائے یہ شرف تقدیر سے
اس لیئے بہر زیارت عازم مشہد ہوئے

(۲۴)

منزل مقصود اپنی جب بدقت مل گئی
بجھ کے بھی ضوپاش اک شمع امامت مل گئی
کم ہوئی زحمت سفر کی دل کو راحت مل گئی
جھک گیا سجدہ میں سر کیسی یہ تربت مل گئی
اوج پر اپنا مقدر آ کے مشہد میں ملا
آٹھواں شمسِ امامت برج مرقد میں ملا

(۲۵)

تھے یہاں آقائے سید مہدیؒ عالی نسب
ان کے علم و فضل کا قائل تھا کل روم و عرب
ہے شہید رابع ان کا آج دنیا میں لقب
اکتفا کرتے زیارت پر فقط ممکن تھا کب
عالم جید ملے ایسا جسے تقدیر سے
وہ رہے محروم اس کے فیض عالمگیر سے؟

(۲۶)

استفادہ کے لیے حاضر ہوئے پیش جناب
ہوگئے روشن علوم صدر بھی مثل کتاب
تھا اگر مظروف اعلیٰ ظرف بھی تھا انتخاب
کشت زار علم پر برسی عطا بن کر سحاب
دور جو آنکھوں سے تھی دل میں وہی تنویر ہے
خواب وہ بچپن کا تھا یہ خواب کی تعبیر ہے

(۲۷)

جھک گیا قسمت کے آگے چرخ سا جلاد بھی
آرزو جیسی تھی ویسا ہی ملا استاد بھی
شامل محنت ہوئی اللہ کی امداد بھی
علم پایا فضل پایا مل گئے اسناد بھی
علم دیں حسب تمنا آج حاصل ہو گیا
یہ مہ ہند آ کے مشہد، بدر کامل ہو گیا

(۲۸)

مل گیا در صدف کامل فضیلت ہو گئی
آ گئے ہندوستان بس ختم غربت ہو گئی
مجتہد یہ کیا ہوئے محکم شریعت ہوگئی
شمس دیں چمکا وطن میں دور ظلمت ہو گئی
کھیتیاں ہو نے لگیں اسلام کی سب فیضیاب
چھا گیا ہر سو فضائے ہند پر علمی سحاب

(۲۹)

مجتہد کیا مجتہد گر آپ تھے اسلاف میں
آپ کا چلتا تھا سکہ ہند کے اکناف میں
منفرد تھے، تھا نہ کوئی دوسرا اصناف میں
مجتہد ہوتے رہے ہیں آپ کے اخلاف میں
آپ نے اونچا کیا پہلے لوائے اجتہاد
آپ سے قائم ہوئی بے شک بنائے اجتہاد

(۳۰)

آپ بہر خاتم اسلام تھے گویا نگیں
محفل اسلام کے تھے آپ ہی مسند نشیں
آپ ہی سے ہند والوں میں ہوئی تجدید دیں
آپ ہی سے کتنی شمعیں ہند میں روشن ہوئیں
کس نے کس نے آپ کے آگے نہیں کھولی کتاب
اصل فرع علم دیں تھے آپ ہی غفرانمآبؒ

(۳۱)

آپ کا مرہون منت آج تک اسلام ہے
آپ ہی کا آج تک جاری یہ فیض عام ہے
نام سے سرکار ہی کے خانداں کا نام ہے
مہر اس پر آپ کی ہے جو چھلکتا جام ہے
مست وحدت ہو گیا گر پی لیا جام آپ کا
ہو گیا ساقی وہی جس نے لیا نام آپ کا

(۳۲)

کام آئی ہے ہمارے آج ہمت آپ کی
کار موسیٰ کر گئی سعی ہدایت آپ کی
بار آور ہو گئی جو کچھ تھی محنت آپ کی
مشعل حق بن گئی دنیا میں زحمت آپ کی
مرکز کفر و جہالت تھا جہاں میں لکھنؤ
آج دار العلم ہے ہندوستاں میں لکھنؤ

(۳۳)

آپ نے ہم کو دکھائی عز و شان اجتہاد
ہے قبیلہ آپ ہی کا بوستان اجتہاد
ہر قدم سے آپ کے ظاہر تھی آن(۱) اجتہاد
آپ پر نازاں نہ کیوں ہو خاندان اجتہاد
کارنامے کربلا کے ہو چلے تھے دل سے دور
عزت خون شہیداں آپ نے رکھ لی حضور

(۳۴)

ڈوب جانے سے بچایا دیں کا بیڑا آپ نے
پا کے بے حس قوم کو ہمتائے عیسیٰ آپ نے
خون دل سے گلشن مذہب کو سینچا آپ نے
روح تازہ پھونکدی تن میں مسیحا آپ نے
کوششوں سے آپ کی اسلام زندہ ہو گیا
لیجئے للہ کروٹ پھر زمانہ سو گیا

(۳۵)

آپ سے اسلام کو حاصل ہوا عز و وقار
سو گئے ہم کو جگا کر آپ خود زیر مزار
آپ تھے ملک شریعت کے جہاں میں تاجدار
آج عبرت کا نمونہ ہے شکستہ یادگار
کس طرح در منہدم، دیوار خم دیکھا کریں
آپ کی آرام گہہ مٹ جائے ہم دیکھا کریں

نوٹ:۔''ہندی موسیٰ'' نامی اس مسدس کو ابوالبلاغہ مولانا سید علی داور نقوی اجتہادی مدیر ماہنامہ ''مبلغ'' نے ''غفران مآبؒ نمبر'' میں رجب ۱۳۴۹ھ میں شائع کیا تھا۔ یہ نظم اضافۂ معلومات ہے لہٰذا اعادۂ اشاعت سے کام لیا جارہا ہے۔

غفران مآبؒ

سید قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری، لکھنؤ

عالم تاریخ سازو صاحب صد انقلاب
مذہبِ آلِ محمدؐ ہند میں پھیلا دیا
حق کے ساتھی حق کے ہم آواز تھے غفرانمآبؒ
عالمانِ دہر میں ممتاز تھے غفرانمآبؒ

استاد ہر استاد

جناب بادشاہ مرزا صاحب ثمرؔ لکھنوی مرحوم

(۱)

لکھنؤ کی زیب و زینت کون تھا
واقف دین نبوت کون تھا
مسند آرائے شریعت کون تھا
جان مذہب روح ملت کون تھا
لکھنؤ گو مرنے والا مرگیا
پر تجھے شیعوں کا مرکز کر گیا

(۲)

کس نے دریا علم کے ہر سو بہائے
راستے کس نے شریعت کے بتائے
تشنہ لب سیراب ہونے جن سے آئے
فیض کس ابر کرم سے ہم نے پائے
کس نے ہر شیعہ کو شیعا کر دیا
یعنی اک قطرہ کو دریا کر دیا

(۳)

علم و حکمت کا سبق کس نے دیا
کس کے نور رخ کی پھیلی یہ ضیا
لکھنؤ کو لکھنؤ کس نے کیا
محفل تاریک کو چمکا دیا
حق کو پہچانا یہ قوت آگئی
قلب مومن میں بصارت آگئی

(۴)

کس نے سکھلایا ہے مذہب کا چلن
کس کے ہاتھوں یہ ہوا کار حسن
کون تھا ظلمت میں شمع انجمن
باغ ایماں کا پھلا پھولا چمن
اس چمن کی آبیاری کس نے کی
قوم کی تیمارداری کس نے

(۵)

لکھنؤ اجڑا ہوا گلزار تھا
گو کہ مذہب تھا مگر بیمار تھا
سرد علم و فضل کا بازار تھا
اور اس کا اک یہی دلدارا تھا
ایسی کی تیمارداری قوم کی
توڑ دی جس نے سلاسل نوم کی

(۶)

سر ہوا اونچا تو سرداری بڑھی
علم و حکمت سے یہ بیداری بڑھی
دین حق کی گرم بازاری بڑھی
گوشہ گوشہ میں عزاداری بڑھی
سوز غم سے شمع کی لو ہو گئے
تھے جہاں دس شیعہ اب سو ہوگئے

(۷)

پاک طینت سید عالی نسب
محسن ملت کا پایا ہے لقب
نام نامی سے ہیں واقف شیعہ سب
آپ فخر ہند تھے فخر عرب
آپ ہی کے فیض سے یہ شان ہے
لکھنؤ ہندوستاں کی جان ہے

(۸)

عالموں کی جان کیا کہنا ترا
اے خدا کی شان کیا کہنا ترا
جان اور ایمان کیا کہنا ترا
حق پہ تھا قربان کیا کہنا ترا
کام جو کرنا تھا تجھکو کر گیا
نام کو زندہ کیا خود مر گیا

(۹)

جہل کی ظلمت میں کب تھی دید علم
شکر ہے پوری ہوئی امید علم
یک بیک چمکا ہلال عید علم
مل گیا جب آپ سا خورشید علم
لکھنؤ کو عالموں سے بھر دیا
کر دیا مذہب کو زندہ کر دیا

(۱۰)

قوت روحانیت کا تھا اثر
نقد علم و فضل تھا پاس اس قدر
آپ کے در پر جھکا شاہوں کا سر
مال دنیا پر نہ اٹھتی تھی نظر
قدر احکام خدا سمجھا کیئے
آپ شاہوں کو گدا سمجھا کیئے

(۱۱)

حبّذا اے حضرت غفرانمآبؒ
آپ نے دکھلائی شان بوترابؑ
آپ کے مداح ہیں سب شیخ و شاب
آپ تھے ہندوستاں میں لا جواب
طالب علم آپ کے عباد تھے
بلکہ آپ استاد ہر استاد تھے

(۱۲)

کشتیٔ ملت کے لنگر آپ تھے
رہبر دین پیمبرؐ آپ تھے
بحر عرفاں کے شناور آپ تھے
جادۂ حق بندہ پرور آپ تھے
جس کو نقش پائے حضرت مل گیا
اس کو بس گلزار جنت مل گیا

(۱۳)

اے مکین باغ جنت مرحبا
مذہب شیعہ کی عزت مرحبا
ہے زباں زد صبر و ہمت مرحبا
عاشق و شیدائے ملت مرحبا
متقی تھے آپ اور عادل بھی تھے
عالم دیں بھی تھے اور عامل بھی تھے

(۱۴)

آپ تھے امید گاہ اہل علم
آپ سے قائم تھا جاہ اہل علم
آپ نے پیدا کی راہ اہل علم
حبذا اے بادشاہ اہل علم
رحمت خالق کا سر پر تاج تھا
آپ سے آباد علمی راج تھا

(۱۵)

آپ کا دم تھا معین بیکساں
شرح کی حد میں بوقت امتحاں
ذات حضرت تھی عصائے ناتواں
کام آئی آپ کی تیغ زباں
دشمنان جد کے قاطع مرحبا
اے رسوم بد کے قاطع مرحبا

(۱۶)

باپ دادا کا ملا نقش قدم
آپ کی تعریف ہو مجھ سے رقم
کیوں نہ ہوتے دوجہاں میں محترم
قوت علمی، نہ ہے زور قلم
حق کروں کیونکر ادا حیران ہوں
آپ کا شرمندۂ احسان ہوں

(۱۷)

اے سپہر علم کے روشن قمر
آپ کا جو کچھ ہے دنیا میں اثر
آپ سے واقف ہیں سب اہل نظر
سچ تو یہ ہے اس کو کیا جانے ثمؔر
کچھ نہ اس سے بندہ پرور پوچھئے
جوہری سے قدر گوہر پوچھئے ❁❁❁

علامہ سید دلدار علی غفرانمآبؒ

حاجی مرزا جعفر علی فصیحؔ (مثنوی نان ونمک)

رہنمائے شاہراہِ اقتصاد
نخلبندِ بوستانِ اجتہاد
حامئ دیں ماحئ کفر وضلال
سرگروہِ عالمانِ باکمال
مالکِ اقلیمِ زہد و اتقا
حکمرانِ کشورِ حلم وحیا
علم سے جس کے عمل توام ہوا
دین جس کے زور سے محکم ہوا
لکھنؤ اب سبزوارِ ہند ہے
دمبدم افزوں بہارِ ہند ہے

❁❁❁

حضرت غفران مآبؒ

علامہ شاہ حسین میرزا صفوی طوسیؒ کی نظر میں

''میر دلدار علی صفوہ اطیاب کرام
رکن ایماں بخدا بود ''عماد اسلام''
عالم باعمل و مجتہد قدس نژاد
ہادیٔ مذہب حق نائب معصوم و امام
مجتہد پیش ازو کس نشدہ بود بہ ہند
جمعہ و وعظ و جماعات باو یافت قوام
لکھنؤ مثل صفاہاں زفیوضش گردید
نہج اثنا عشری یافتہ زو رونق تام''

رہنمائے حق

جناب محشرؔ لکھنوی مرحوم

مذہب شیعہ کے اول رہنما غفراں مآبؒ
جن کی ہستی لکھنؤ میں خضر دنیائے ثواب
آصف الدولہ کے عہد سلطنت میں آئے تھے
اک خزانہ علم دیں کا ساتھ اپنے لائے تھے
ملک ہندستاں کو مہر علم سے روشن کیا
ذرہ ذرہ کو جواب وادیٔ ایمن کیا
اللہ اللہ اس زمانے کا وہ جہل روزگار
جس کو دیکھو نشۂ پندار سے تھا بے قرار
دین پھیلایا امور مصلحت پیش نظر
وادیٔ ظلمات میں روحانیت پیش نظر
شہر اپنے کام میں اور یہ تھے اپنے کام میں
نقش ایماں کا ابھر آیا خدا کے نام میں
سیکڑوں لامذہبوں کو لائے ایماں کی طرف
دشمنوں کو بھی بنایا پیرو شاہ نجف

ان کی تصنیفات کا ایسا ذخیرہ لاجواب
جن کا اک اک نکتہ ہے حامئ دین بوترابؑ
دیکھئے تو ان کے شاگردوں کی فہرست طویل
منتہی ہوتی ہے جو انسان سے تاجبرئیل
اے تعالی اللہ بیان کیونکر ہو شان اجتہاد
کلک قدرت نے کیا ہے ایک اک فتوے پہ صاد
جب سنا روز ازل آوازۂ غفراں مآب
علم نے آواز دی یالیتنی کنت تراب
کہہ رہے ہیں آج تک یہ واقفان راز علم
خلوت و جلوت میں ظاہر ہوتے تھے اعجاز علم
آصف الدولہ تھے دنیا کے یہ دینی بادشاہ
سلطنت محدود اُن کی اِن کی تاحد نگاہ
ترجمان ملت حق تھی زباں شام و سحر
کاشف اسرار باطن تھا بیاں شام و سحر
راتوں میں بیدار رہ رہ کے جگایا قوم کو
معرفت کی صبح کا جلوہ دکھایا قوم کو
شہر بھر میں تھی بتان دیر کی جلوہ گری
کلمہ گویوں کا تھا انداز مزاج آذری

شمع اسلامی جلائی، دور ظلمت ہو گئی
کور باطن لوگوں کی روشن طبیعت ہوگئی
وہ حسینیہ کہ جو ہے قصر فردوس بریں
مدفن غفرانمآبؒ و مرکز ارباب دیں
محشرؔ اہل قبر کی وعظ اب مصیبت خیز ہے
روز و شب گونجی ہوئی آواز عبرت خیز ہے

ناخدائے ملت

سراج الشعراء مولوی سید آل محمد نقوی مہرؔ جائسی

اے نصیر الملۃ والدین اے غفران مآب
آسمانِ علم حقہ کے منور آفتاب
گوہر شہوارِ دریائے ہدایت بالیقین
پیشوائے قوم وملت عالمِ دین مبین
رہنمائے راہ حق سارے جہاں میں بے نظیر
مشعل راہ صداقت باصفا روشن ضمیر
جدو آباء اور نصیرآباد وجائس کے شرف
سید السادات بحرِ علم کے درّ نجف
نائب اس کے جس کے زیر حکم ہوں گے شش جہت
آفتاب علم وبدر آسمانِ معرفت
مشرکوں کے واسطے تیرا قلم سیف قضا
روشنائی بہتر از خونِ شہیدان وفا
المدد اے ناخدائے ملک وملت المدد
سخت طوفاں میں جہاز قوم پر ہے وقتِ بد

روح اجتہاد

جناب مولوی سید علی یاور صاحب صدر آجتہادی مرحوم

حاکم ملک شریعت حضرت غفرآں مآب
جن کے بحر علم سے ہے آج دنیا فیضیاب
تاجدار کشور دیں گوہر بحر علوم
جن کی خاک پا کے ذرے ضوفشاں مثل نجوم
خسرو ملک معانی حامل شرع متیں
متقی و زاہد و صابر رئیس العابدیں
آپ ہی تھے ہند میں روح روان اجتہاد
کر دیا روشن چراغ خاندان اجتہاد
جنگلوں کی خاک چھانی طے ہوئی راہ عراق
خود گوارا کر لیا دل پر اعزا کا فراق
سختیوں کا راہ غربت کی نہ کچھ بھی غم کیا
شوق علم دیں ہر اک منزل پہ اور افزوں ہوا
مختصر یہ ہے دل بیتاب لے پہونچا وہیں
آج ہے جس سرزمیں پر خوابگاہ شاہدیں
ایک دن یہ پیر و شاہنشہہ گردوں نشیں
کر کے حاصل کل علوم دین ختم المرسلیں

ڈھونڈھنے نکلا وہ یوسف اپنی منزل کا نشاں
مصر کا بازار تھا جس کے لیے ہندوستاں
سرزمین لکھنؤ پر آکے باعزّ و وقار
اہل دنیا کے لئے قائم کی اپنی یادگار
کچھ ہی دن میں چرخ کج رفتار نے بدلی جو چال
ہو گیا افسوس اس مہر شریعت کو زوال
تیرہ و تار اس کے اٹھ جانے سے کل عالم ہوا
ذکر کیا اپنوں کا گھر میں غیر کے ماتم ہوا
تھا وہ اک شمع ہدایت اور زبان حق تھا وہ
صاحب عزت تھا وہ اور دین کی رونق تھا وہ
قوم کیا یہ کم نہیں ہے تیرے مر جانے کی بات
مٹ رہی ہے یادگار اس کی یہ ہیں جس کے صفات
ہنس رہے ہیں غیر تجھ پر تجھکو حس ہوتا نہیں
کیوں نہیں ہوتی عرق آلود غیرت سے جبیں
جس زمانہ میں وہ مہر پر ضیا تھا جلوہ گر
رہتے تھے روشن برابر نور سے شام و سحر
صدرؔ اس کے وصف عالی کس زباں سے ہوں بیاں
صفحۂ قرطاس پر بس روک لو کلک رواں

تاریخ وفات

سید العلماء حضرت غفرانمآبؒ

جناب تنویرؔ نگروری صاحب، لکھنؤ

ذات اعلیٰ آپ کی ہے لائق صد احترام
آپ کو تنویرؔ کرتا ہے تہہ دل سے سلام
نام نامی آپ کا دلدار علی غفرانمابؒ
آسمان ہند پر ہیں دیں کے روشن آفتاب
آپ زندہ باد کل تھے آج بھی ہیں زندہ باد
تا ابد زندہ رہیں گے بالیقیں بالاعتماد
آپ سے پہلے یہاں تھی تیرگی ہی تیرگی
موت سے بدتر مسلماں کی تھی ساری زندگی
چار سو کفر و ضلالت کے اندھیرے چھائے تھے
بس توہم کی وبا تھی ظلمتوں کے سائے تھے
آپ کے رکھتے قدم ہندوستاں کی سرزمیں
یوں چمک اٹھی کہ جیسے عرش پر مہر مبیں
آپ کے خدمات کی فہرست ہے کتنی طویل
اور میرا علم کتنا مختصر کتنا قلیل
مذہب اثنا عشر پر جب ہوا ہے کوئی وار
مثل تیغ حیدری لکھی کتاب ذوالفقار

آپ کا اک شاہکار علم مرآۃ العقول
گلشن علم و ادب کا مرکزیت دار پھول
صوفیت اور بدعتوں کی رد میں بھی لکھی کتاب
وہ بھی اپنے آپ میں بے مثل ہے اور لا جواب
آپ کی تعمیر کردہ وہ حسینی بارگاہ
جسمیں کرتے ہیں سدا مجلس بپا مغموم شاہ
ہند میں پہلے نماز باجماعت عام کی
اور پھر قائم صلوٰۃ سید الایام کی
آپ ہیں ایسے درخت سایہ دار اجتہاد
جس کے ہیں ممنون سارے مایہ دار اجتہاد
وہ شجر ہیں آپ، ہیں اثمار جس کے خوش صفات
نازش نوع بشر، اور افتخار کائنات
اک محمد، اک علی ہیں، اک حسن، مہدی ہیں ایک
آخری سید حسین اور پانچوں کے کردار نیک
ہے دعاؤں کا اثر اجداد کی جو آج تک
آپ ہی کی نسل ہے ناز ملک فخر فلک
آفتاب علم دیں کو جب گہن سا تھا لگا
عیسوی سن کی نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا
بادلوں میں چھپ گیا دنیا کو کہہ کر خیر باد
وائے جب روشن مقدر آفتاب اجتہاد
۱۸۲۰ء

✿✿✿

حسینیۂ حضرت غفران مآبؒ

علامہ مفتی سید محمد عباسؒ کی نظر میں

این تعزیت سرا کہ ز غفران مآبؒ ہست
مانند کعبہ، قبلۂ حاجات مرد و زن
اینجا ہزار مرتبہ مجلس بنا شدہ
از قطرہ ہائے اشک فتادہ دُر عدن
ہر صفہ و رواق وے و ہر حظیرہ اش
پاکیزہ منزل بر کاتست بے سخن
این خوابگاہ مجتہد العصر والزماں
سید محمدؒ است وحسینؒ است و ہم حسنؒ
در ہر مقام وے کہ ستونے ستادہ است
سرویست از حدیقہ وشمعیست در لگن

❁❁❁

حسینیۂ غفران مآبؒ طاب ثراہ

لسان الہند مولانا مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی

دمی بگذر بخلوت خانۂ غفران مآبؒ ایدل
ببیں زیر زمیں از عالمان باصفا محفل
چہ محفل؟ عرش از وے اکتساب جلوہ می خواہد
چہ محفل؟ قدسیاں بگرفتہ در ہر گوشہ اش منزل
چہ محفل؟ شرح اسرار نہاں پیدا شود ازوے
بہنگام خموشی ہم بود از قصہ ہا ناقل
چہ محفل؟ میدہد از بے زبانی شرح صد معنیٰ
سوالے کن ز خاک خفتگان یا ایہا السائل
چہ محفل؟ روکش چرخ مکوکب آں چناں رخشاں
بتاریکی مدفن ہر یکی زانہا مہ کامل
چہ محفل؟ کعبۂ ارباب عرفاں ہر کہ رفت آنجا
چہ محفل؟ قبلۂ اصحاب ایقاں ہر کہ شد داخل
فقیہ و ناقد اخبار، ادیب وشاعر ماہر
حکیم وفلسفی ومنطقی وواعظ فاضل
بہر یک گوشہ جا بگرفتہ می خوابند در راحت
ولے ازخاک شاں جوشدمنم دریائے بے ساحل

شکستی عہد تقلید وگسستی رشتۂ الفت
ہمیں جائے تو باشد فانتبہ یا ایہا الغافل
بیا آبادی این دشت ویراں را تماشا کن
سواد منظر شہر خموشاں را تماشا کن
بیا! در این حسینیہ کہ صنع کبریا بینی
کشادہ ہر طرف بابے ز علم مرتضیٰ بینی
بہر سو مخزنے یابی ز آیات الٰہیّہ
بہر جا دَور دَورِ اصفیا واتقیا بینی
بلا تشریح ایں ذرات ارضی گر رواداری
بیا! تا جلوۂ اسرار علم کبریا بینی
مدائن از علوم انبیا در ہر کنف یابی
بہر سردابہ نور مرتضیٰ ومصطفی بینی
بخاک آغشتہ می بینی دماغ عرش پیما را
بذرات لحد اجرائے قلب باصفا بینی
بہر سو معتکف بینی خداوندان تقویٰ را
بہر جا خیل خیل از پارساؤ اتقیا بینی
نشانِ مرتضیٰ العصر ومجاہد فی سبیل اللہ
ملاذ الخلق ما حامد حسین مقتدا بینی
نگہ کن مرقد استاذ کل مفتیٔ علامہ
بخاک شوستر تا کیمیاے علم را بینی

چناں می تابد از صبح کفن ہر پیکرے ایں جا
چراغ شاں مگر در زیر دامان قبا بینی
کفن پوشاں بہبیں ہم چوں حمائلہا غلاف اندر
بسر عمامہ یابی نہ بردوشش عبا بینی
قدم از سر بنہ تا می توانی قطع ایں منزل
چناں یاللعجب ایں رہبراں را زیر پا بینی
ببیں ایں بقعہ کاں ہم پایۂ خلد بریں باشد
بخاک ہند اگر خواہی زمین کربلا بینی
بسوے خود دل مامی کشد ہر ذرۂ ایں جا
بداں آئیں کہ اندر کاہ جذب کہربا بینی
ز بے برگی خود ایں ارض مقدس شکوہا دارد
مگر ایں غفلت وناقدر دانی ہازما بینی
ہنوز از رفتگاں یک خوردہ آثار ونشاں باقیست
جمال ماہ کنعانی بگردِ کارواں باقیست
الا! آرامگاہ قدسیاں اینست بیابنگر
منام حضرت غفران مآبؒ آں مہر دیں گستر
بہشت شرع شد دار السرور لکھنؤ ازوی
طریق جعفری از گوہر او یافتہ زیور
بخاک ہند نقش اولیں او شگرف آمد
کشاد از ہر کراں در درسگاہ شرع صد دفتر

مداش قطرہ زن چوں رشحۂ ابر بہار آمد
چمن از خون گل رنگ شہیداں اندراں مضمر
نگہ کن سید علامہ را درخواب گاہ او
کہ آثار جلال از مرقدش پیدا شود یکسر
نشاں گر از مزار حضرت سلطان دیں خواہی
بپائین ضریح خامسؑ آل عبا بنگر
ہمایوں مضجع رضوان مآب آں خاصہ یزداں
کہ مضمر بود در کلکش نہیب ضربت حیدر
بیکسو مدفن اخلاف آن علامۂ دوران
کسے تاج شرف بود وکسے در مجد سر دفتر
ز انوار الٰہی جلوہا پیش نظر دارد
بہر پہلو ہزاراں اختر وشمس وقمر دارد

Mirza Jamal (mahakavi)

http://www.slideshare.net/changezi
http://alinaqinaqvi.blogspot.in/
http://youtube.com/user/mahakavi